برِّصغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

نوائے غزوۂ ہند

اکتوبر ۲۰۲۵ء | ربیع الثانی ۱۴۴۷ھ

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمہ اللہ علیہ

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! زمین مجھ پر تنگ ہوگئی!''

(یہ سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''غم نہ کرو، بے شک شام فتح ہوگا، اور بیت المقدس فتح ہوگا، اور تم یا تمہاری اولاد میں سے لوگ وہاں امام بنیں گے، ان شاء اللہ!''

[رواه الطبراني]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نصائح

’’تم سب دن اور رات کی گزرگاہ میں ہو، تمہاری عمریں کم ہو رہی ہیں
اور سارے اعمال حفاظت سے رکھے جارہے ہیں اور موت اچانک آئے گی۔
جو خیر بوئے گا وہ اپنے پسند کی چیز کاٹے گا اور جو شر بوئے گا وہ ندامت وحسرت کاٹے گا۔
انسان جیسا بوئے گا ویسا ہی اسے ملے گا اور ہر انسان کو اس کے مقدر کا مل کر رہے گا،
لہٰذا سست آدمی کے مقدر میں جو لکھا ہوا ہے وہ اسے مل کر رہے گا اور کوئی تیز آدمی اس سے
آگے بڑھ کر اس کے مقدر کا نہیں لے سکتا اور خوب زیادہ کوشش کرنے والا
انسان وہ چیز حاصل نہیں کر سکتا جو اس کے مقدر میں نہیں ہے اور جسے کوئی خیر ملتی ہے
وہ اللہ تعالیٰ کے دینے سے ہی ملتی ہے اور جس کی کسی شر سے حفاظت ہوتی ہے،
وہ اللہ تعالیٰ ہی کے کرنے سے ہوتی ہے۔ متقی لوگ ہی سردار ہوتے ہیں اور فقہا لوگ
امت کے قائد ہیں، ان کے ساتھ بیٹھنے سے دین کی سمجھ بڑھتی ہے۔‘‘

أخرجهٗ أبو نعيم في الحلية (ج 1 ص 134)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۸، شمارہ نمبر: ۸

اکتوبر ۲۰۲۵ء | ربیع الثانی ۱۴۴۷ھ

بحمد اللہ... مسلسل اشاعت کا اٹھارھواں سال!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

’’القدس (یروشلم) میں چپہ بھر بھی زمین کا کوئی ایسا ٹکڑا نہیں ہے جہاں کسی نبی نے نماز نہ پڑھی ہو یا کسی فرشتے نے قیام نہ کیا ہو۔‘‘

(ترمذی و احمد)

اس شمارے میں

اداریہ

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا — 5

تزکیہ و احسان

اصلاحِ معاشرہ: سورۃ الحجرات کی روشنی میں — 7

آخرت

موت و مابعد الموت — 9

اسوۂ حسنہ

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے میں — 12

فکر و منہج

جنگی اسٹریٹجی کے ۳۳ رہنما اصول — 16

القاعدہ کیوں؟ — 24

مدرسہ و مبارزہ (مدارس و دینی جدوجہد کی تحریک) — 27

حربِ ظاہری کا حربۂ باطنی — 34

عالمی منظر نامہ

خیالات کا ماہنامچہ — 37

اخباری کالموں کا جائزہ — 39

طوفان الاقصیٰ

قبلۂ اوّل سے خیانت کی داستان (UAE) — 43

صحافی صالح الجعفری کی وصیت اور آخری پیغام — 52

اسرائیلی قید سے رہائی کے بعد ایوان رڈلی کا پیغام — 54

اِک ذرا صبر! — 55

غزہ کا رنگ تاحدِ نگاہ مٹیالا ہے — 57

افغان باقی کہسار باقی...... الحکم للہ والملک للہ

عمرِ ثالث — 60

پاکستان کا مقدر...... شریعتِ اسلامی کا نفاذ!

اس کے پیچھے وردی ہے — 64

خوشامد نہیں آرٹ — 67

کشمیر...... غزوۂ ہند کا ایک دروازہ!

وقت قریب آ رہا ہے! — 68

...... ہند ہے سارا میرا!

ہم پر ہماری مائیں روئیں اگر ہم آپ کا دفاع نہ کریں — 71

بھارت میں بڑھتی ہوئی اسلام دشمنی — 72

علیکم بالشام

شام میں جہاد کا مستقبل — 75

حلقۂ مجاہد

مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟ — 81

الدراسات العسکریۃ

امنیت (سکیورٹی) — 83

ناول و افسانے

الشوک والقرنفل (کانٹے اور پھول) — 87

وغیرہ وغیرہ

اِک نظر اِدھر بھی — 96

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.org

www.nawai.io/Twitter

www.nawai.io/Bot

www.nawai.io/ChirpWire

ContactNGH.313

اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں علمائے کرام کی اجازت کے بعد جانداروں کی تصاویر شامل ہوتی ہیں۔ تاہم یہ اجازت فقط مجلّے کے ’ویب ورژن (PDF وغیرہ)‘ کے لیے ہے، اگر کوئی مجلّے کو کاغذ پر چھاپنا چاہے تو براہِ کرم مذکورہ تصاویر کو دھندلا (blur) کر کے چھاپے۔ قدیم و معاصر علماء کی اکثریت بہرحال کاغذ پر چھپی تصویر کی اجازت نہیں دیتی!
- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں شائع ہونے والے ’مستعار‘ مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس/سٹیٹس/ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com

تُو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا

غزّہ عالمِ انسانیت کے لیے ایک آزمائش کا نام ہے، خصوصاً ان لوگوں کے لیے جنھوں نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کر رکھا ہے، جو صبح و شام 'لا الٰہ الا اللہ' اور 'محمد رسول اللہ' کے پاک ناموں کی مالا جپتے ہیں۔ غزہ میں جو کچھ ہوا اور تادمِ تحریر ہر قسم کے سیز فائر کے بعد بھی جو کچھ جاری ہے، نیز ساری دنیا کے لوگوں نے اور خاص کر مسلمانوں نے جو جو کوششیں کر لیں اس کے بعد بھی غزہ میں جو قیامت برپا ہے، کہ اہلِ غزہ روزانہ اب بھی ساٹھ ساٹھ، ستّر ستّر شہیدوں کی نعشیں اٹھاتے ہیں، تو یہ صورتِ حال ہمیں اپنی کوششوں کا جائزہ لینے اور کچھ ایسا عمل کرنے پر مجبور کرتی ہے جس سے ہم بطورِ امت پہلو تہی کر رہے ہیں۔

جلسے ہوئے، جلوس نکلے، مظاہرے ہوئے، ایوانوں میں قرار دادیں پیش و منظور ہوئیں، سوشل میڈیا ایکٹیوازم ہوا اور اس سب میں ایک بہت بڑی کوشش قافلۃ الصمود، فریڈم فلوٹیلا، صمود فلوٹیلا وغیرہ کے برّی و بحری کاروان و قافلے تھے۔ یہ سب کوششیں لائقِ تعریف ہیں لیکن ذرا دل کڑا کر کے یہ بھی جان لیجیے کہ یہ سب کوششیں سکتے کی حالت میں پڑے اس مریض کی ناک کے پاس شیشے پر جمی بھاپ کے مترادف ہیں، جس کی نبض بھی ڈوب چکی ہے، اب زندگی اس شیشے پر جمتی اور پگھلتی بھاپ سے ناپی جاتی ہے۔ کہنے کو یہ شخص زندہ ہے، لیکن یہ زندہ کیا زندہ ہے؟

یہ کہنا ظلم ہو گا کہ صمود فلوٹیلا وغیرہ میں جو لوگ شامل ہوئے، وہ شجاعت و فداکاری سے عاری تھے۔ نہیں! شجاعت تو ان کے انگ انگ سے، ان کے قول قول سے، ان کے ہر ہر فعل سے ظاہر و باہر تھی، ہفتوں پر محیط بے رحم سمندر میں چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر سفر کرنا دل گردہ مانگتا ہے۔

ہم اس اداریے کی سطور میں دو نکات کو بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ پہلا نکتہ، ہماری صورتِ حال، اور دوسرا نکتہ، ہمارا فرض۔

غزہ میں جاری لڑائی کوئی آج کی لڑائی نہیں ہے۔ اس کا تعلق خطۂ فلسطین، اسرائیل کے قریب از اسّی سالہ قبضے، القدس کے سو سالہ سقوط سے بھی محض نہیں ہے۔ بلکہ اس قبضے کی داستان کم از کم چھ سو سال پرانی ہے۔ تب جبکہ غرناطہ و اشبیلیہ کا سقوط ہو رہا تھا، معرکۂ خیر و شر کا ایک نیا باب اس دنیا میں شروع ہو رہا تھا۔ یعنی جب مسلمان سرزمینوں پر کفار کا قبضہ ہوا۔ پھر اس صورتِ حال کو برِّ صغیر میں اسلامی سلطنتِ مغلیہ کے زوال، عالمِ عرب و افریقہ میں برطانوی و فرانسوی الغرض یورپی راج کے قیام ثم خلافتِ عثمانیہ کے سقوط، پورے اسلامی جغرافیہ پر اہلِ غرب کا قبضہ، ثم قومی وطنی ریاستوں یا جدید نیشن سٹیٹس کا قیام، اسلامی نظامِ حکومت و شریعتِ محمدی (علیٰ صاحبہا اَلف صلاۃ وسلام) کا دنیا بھر میں سقوط...... ان سب امور نے سقوطِ اندلس کے وقت برپا ہونے والی مصیبت کو صد چند کر دیا۔

پھر جو کچھ پچھلی نیم صدی میں نیو ورلڈ آرڈر نے امریکی بدمعاشی میں کابل تا غزہ کیا یہ ہمارے سامنے ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اہلِ درد اس سارے منظر نامے کو بیان کرتے کرتے ہلکان ہو گئے، لیکن ہماری آنکھ نہ کھلی، فإنّا للہ وإنّا إلیہ راجعون!

ہماری امت نے ان سبھی مسائل کے حل کے لیے ہر ہر دروازا کھٹکھٹایا۔ ہر ہر کوشش کر کے دیکھ لی، لیکن کامیابی نہ ملی۔ لیکن مایوسی کی بات یہ ہے، کہ ہمارے لوگ کسی ایسے راستے اور کسی ایسی کوشش سے مایوس نہ ہوئے جو کل کے غرناطہ سے آج کے غزہ کو حقیقتاً آزاد کرواتی، بلکہ ہائے افسوس کہ مایوس رہے اور مایوس ہوئے تو اس راستے سے کہ جو امیدوں کا راستہ ہے، جس راستے کو مالک جلّ جلالہ نے اپنا راستہ 'سبیلی' بتایا، 'جہاد فی سبیل اللہ'۔ ہم بھاگتے رہے تو کبھی انگریز کی خادم و غلام فوجوں اور اس کے جرنیلوں کے پیچھے۔ ہم بھاگتے رہے تو جمہوری تماشوں کے پیچھے، ان جمہوری تماشوں کے پیچھے جنھوں نے ہم اہلِ دین کو کبھی ہمارا 'مینڈیٹ' نہیں حاصل ہونے دیا اور اگر کبھی ہم پاکستان کے سرحد اور عرب کے مصر میں حاکم ہو بھی گئے تو اس نظام نے ہمیں اسلام نافذ نہ کرنے دیا، ہمارے شریعت بل اور حسبہ بل کو ردی کی ٹوکری میں پھینکا اور کچھ کوشش

کی تو مسجدِ رابعہ عدویہ میں ہمیں بکتر بند گاڑیوں سے کچل دیا۔ ہم بھاگ بھاگ کر گئے تو ان جلسوں میں جہاں ہم نے اپنے بہترین نوجوانوں کو سڑکوں پر سٹیج سجا سجا کر گرم جوش تقریریں کروائیں، اپنے نونہالوں کے ہاتھوں میں پستولیں اور کلاشن کوفیں مظاہروں میں لہروائیں اور ہمارا جذبۂ آزادیٔ غزہ، کراچی، استنبول اور کوالالمپور کی سڑکوں پر نیلام ہو گیا۔ ہم عاصم منیروں کے پالے محسن نقویوں کے سامنے بیٹھ کر سمجھے کہ یہ کچھ غزہ کی حمایت میں کریں گے۔ ہم نے صمود فلوٹیلا میں شرکت تو کی، دنیا بھر سے اہلِ ایمان اس کوشش میں گرفتار بھی ہوئے، ہم نے فدا کاری کی لیکن 'جہاد فی سبیل اللہ' کو نہ نکلے، یا شاید اپنے انہی اعمال کو 'جہاد فی سبیل اللہ' کہتے رہے۔ کسی اللہ والے کی بات یاد آ رہی ہے کہ ''بش سے جا کر پوچھیں گے تو وہ آپ کو 'جہاد فی سبیل اللہ' کا مطلب بتا دے گا......''، یعنی ابلیس و بش کو معلوم ہے کہ 'جہاد' کسے کہتے ہیں لیکن یہ ہمارے جدید فقیہانِ حرم ہیں کہ نجانے کس کس کو کس کس کی خاطر 'جہاد' کہتے ہیں۔ ہماری ان سطور کو طعنہ نہ سمجھیے، حاشا وکلّا! کبھی اپنا بھی اپنے کو طعنہ دیتا ہے، یہ تو دلِ دریدہ کی آواز ہے، ایک سانجھا غم ہے جسے ہم اپنے اور آپ کے سامنے بیان کر رہے ہیں۔

یقین جانیے، جہاد کی سو سو تاویلات جو ہم رکھتے ہیں تو اس کا سبب بس وہی ہے جو آقا (علیہ الصلاۃ والسلام) نے بتا دیا تھا کہ تم 'وَہَن' کا شکار ہو جاؤ گے۔ دیکھیے احادیث کس وضاحت سے کہتی ہیں کہ وہن تو زندگی کی محبت اور موت سے نفرت ہے، وہن تو دنیا سے محبت اور قتال سے نفرت ہے[1]۔ اللہ کا قرآن، احادیثِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)، فقہاء و محدثین و مفسرین و دیگر حضرات کی عبارتیں، عقل و دنیا کا قانون سبھی کہتے ہیں کہ کامیابی کا، فلاح کا حقوق حاصل کرنے کا واحد راستہ 'جہاد فی سبیل اللہ' ہے، ہم کن بھول بھلیوں میں پڑے ہیں؟

تُو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

اللهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شر ما قضيت إنك تقضي ولا يقضى عليك وإنه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت!

اللهم وفقنا لما تحب وترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وارضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

◆◆◆◆◆

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' اہلِ دین و دانش کے نصائح، رائے اور مشورے کا محتاج ہے
اور چاہتا ہے کہ اہلِ دین و دانش کے
قیمتی نصائح، رائے اور مشورے ادارے تک پہنچیں۔

editor@nghmag.com

---

[1] ''...... قُلْنَا وَمَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الْحَيَاةِ وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ.'' وفي رواية الآخر ''حُبُّكُمُ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَتُكُمُ الْقِتَالَ.'' (مسند أحمد)

اصلاحِ معاشرہ

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ○ (سورۃ الحجرات:۱۳)

”اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہارے خاندان اور برادریاں بنادیں تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بلاشبہ تم میں سے بڑا عزت دار وہ ہے جو تم میں سب سے بڑا پرہیز گار ہو، بے شک اللہ خوب جانتا، خوب خبر رکھتا ہے۔“

وحدتِ آدمیت (۲)

شعائر اللہ کی عظمت

بہت سے ذہنوں میں یہ بات گردش کرتی رہتی ہے کہ تقویٰ ایک سلبی صفت ہے، اس کے اصل مفہوم میں بچنا اور پرہیز کرنا داخل ہے، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کا اصل پہلو ایجابی ہے، ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بنا پر ہر کام میں خدا کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت پیدا ہوتی ہے، امورِ خیر کی دلوں میں تحریک پیدا ہوتی ہے اور ہر برے کام سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے، دلوں میں شعائر اللہ کی عظمت بیٹھ جاتی ہے، اور اللہ کا نام آتے ہی دل جھک جاتے ہیں:

وَمَن يُعَظِّمْ شَعَٰٓئِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ (سورۃ الحج:۳۲)

”اور جو شعائر الٰہی کی تعظیم کرتا ہے، تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔“

سورۂ شریفہ کے آغاز ہی میں یہ حقیقت بھی بیان ہوچکی ہے کہ عظمتِ رسالت تقویٰ کا معیار ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَٰتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُو۟لَٰٓئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ (سورۃ الحجرات:۳)

”بلاشبہ جو لوگ اللہ کے رسول کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں، ان ہی کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔“

اپنی چاہت اور مزاج کے خلاف منشائے نبویؐ کے آگے جھک جانے کو بھی تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بظاہر دَب کر جو معاہدہ فرمایا، اس سے صحابہؓ پر طبعی اثر پڑا، جمعیت بھی تھی، بہادری کے جوہر دکھانے کا وقت معلوم ہورہا تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح فرمالی، اور صحابہؓ نے سرِ تسلیم خم کردیے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ

”اور ان کو تقویٰ کی بات پر لگادیا۔“

آگے ان کی فضیلت بیان فرمائی:

وَكَانُوٓا۟ أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا (سورۃ الفتح:۲۶)

”اور وہ اس کے زیادہ حقدار اور اہل تھے۔“

نتیجہ اہل ایمان کے حق میں نکلا، صلح کی مختصر مدت میں اتنی بڑی تعداد میں لوگ دین میں داخل ہوئے جو کبھی نہیں ہوئے تھے، وجہ یہ تھی کہ ان کو دین سمجھنے کا موقع مل گیا۔

ایفائے عہد اور درگزر

ایک دوسری آیت میں دشمنوں کے ساتھ ایفائے عہد اور حتی الامکان جنگ سے پرہیز کرنے والوں کو متقی فرمایا گیا ہے:

فَأَتِمُّوٓا۟ إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (سورۃ التوبۃ:۴)

”تو تم ان کے عہد کو ان کی مقررہ مدت تک پورا کرو، بیشک خدا تقویٰ والوں کو پسند فرماتا ہے۔“

دوسروں کی خاطر اپنا حق چھوڑ دینے، درگزر کردینے کو بھی تقویٰ سے قریب تر بتایا گیا ہے:

وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّآ أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا۟ الَّذِى بِيَدِهِۦ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَن تَعْفُوٓا۟ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (سورۃ البقرۃ:۲۳۷)

”اور اگر تم ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دو، جبکہ تم ان کے لیے مہر متعین کرچکے ہو، تو تمہارے متعین کردہ مہر کا آدھا لازم ہوا، الا یہ کہ عورتیں معاف کردیں، یا وہ معاف کردے جس کے ہاتھ میں نکاح کا معاملہ ہے، اور اگر تم معاف کرو تو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے، (یعنی بجائے آدھا دینے کے پورا دے دو اور نصف کی جو معافی تمہیں مل رہی ہے، اس سے فائدہ نہ اٹھاؤ)۔“

اہل تقویٰ کی صفات

اہل تقویٰ کی صفات کا بیان قدرے تفصیل سے سورۂ آل عمران میں موجود ہے:

وَسَارِعُوٓا۟ إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَٰوَٰتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ○ الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَٰظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ○ وَالَّذِينَ إِذَا

فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ (سورۃ آل عمران: ۱۳۳-۱۳۵)

”اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور ایسی جنت کی طرف لپکو، جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے، جو خوشحالی اور تنگی میں خرچ کرتے رہتے ہیں، اور جو غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ بہتر کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، اور وہ لوگ جو کھلی برائی کر جاتے ہیں، یا اپنی جانوں کے ساتھ ناانصافی کر گزرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں، سو اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں، اور کون ہے جو اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کرے، اور اپنے کیے پر وہ اصرار نہیں کرتے جبکہ وہ خوب جانتے ہیں۔“

صبر

دشمنوں کی ایذا رسانی پر صبر کرنے والوں کو بھی اہل تقویٰ شمار کیا گیا ہے:

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْآ أَذًى كَثِيْرًا وَّإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ۔ (سورۃ آل عمران: ۱۶۸)

”تمہیں ضرور اپنے مالوں اور جانوں میں آزمایا جائے گا، اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب ملی ان سے اور مشرکوں سے تم ضرور بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔“

خیر کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرنے اور برائیوں میں اس سے بچنے کا تذکرہ تقویٰ ہی کے ساتھ کیا گیا ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (سورۃ المائدۃ: ۲)

”نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم کی باتوں پر ایک دوسرے مدد مت کرنا اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔“

نیکیوں کی بنیاد

حاصل یہ ہے کہ تقویٰ تمام نیکیوں کی بنیاد اور اصل الاصول ہے، بقول علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کہ:

”اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کا خلاصہ ہم صرف ایک لفظ میں کرنا چاہیں تو ہم اس کو ’تقویٰ‘ سے ادا کر سکتے ہیں۔“[1]

تقویٰ اصلاً تو دل کی ایجابی کیفیت کا نام ہے لیکن اس کے نتائج ایجابی بھی ہیں اور سلبی بھی، ہر خیر کی طرف بڑھنا اور ہر شر سے بچنا، دونوں باتیں تقویٰ کے لوازمات میں سے ہیں، کوئی شخص نماز، روزہ کرتا رہے، لیکن کسی کا دل دکھاتا ہو، کسی کو تکلیف پہنچاتا ہو، حق تلفی کرتا ہو، بدنگاہی میں مبتلا ہو جاتا ہو، معاملات میں پختگی نہ رکھتا ہو، جھوٹ بولتا ہو، وعدہ پورا نہ کرتا ہو، اور دوسرے گناہوں میں بھی مبتلا ہو جاتا ہو، تو وہ ہرگز متقی کہلانے کا مستحق نہیں ہے، احتیاط کی زندگی گزارنا، اللہ کا ہمہ وقت دھیان رہنا، ہر عمل میں اس کا لحاظ رکھنا کہ وہ کہیں اللہ کو ناراض کرنے والا عمل نہ ہو، یہ تقویٰ ہے۔ اسی لیے ایک صحابیؓ نے تقویٰ کی تعریف کرتے ہوئے ایک بہترین مثال دی، انہوں نے دوسرے صحابیؓ کو جنہوں نے تقویٰ کے بارے میں سوال کیا تھا، خطاب کر کے کہا کہ کیا تمہارا گزر کبھی خاردار راستہ سے ہوا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ کہا کس طرح گزرے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کپڑے سمیٹ کر گزرا کہ کہیں دامن کانٹوں میں الجھ نہ جائے۔ فرمایا: اسی کا نام تقویٰ ہے۔“

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے راستہ کو خاردار کانٹوں سے گھیر دیا ہے[2]، جو اس میں الجھا، وہ گیا، یہ کانٹے ہیں بے جا خواہشات کے، نفسانیت کے، خود غرضی کے، غرور و گھمنڈ کے، من چاہی کے، ان سے دامن بچا کر زندگی گزارنا تقویٰ ہے، اسی لیے اس کو ”ملاک الأمر“ یعنی دین کی اصل قرار دیا گیا ہے۔

عزت کا معیار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے اس کو اصل معیار شرافت قرار دیا ہے، اور قرآن مجید نے اسی کو عزت کی کسوٹی بتایا ہے، علامہ سید سلیمان ندوی سیرۃ النبیؐ میں تقویٰ کے مضمون کو ان الفاظ پر ختم فرماتے ہیں:

”اسلام میں تقویٰ کو جو اہمیت حاصل ہے، اس کا اثر یہ ہے کہ تعلیم محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے رنگ، وطن، خاندان، دولت، حسب نسب، غرض نوع انسانی کے ان صدہا خود ساختہ اعزازی بتوں، مرتبوں کو مٹا کر صرف ایک ہی امتیازی معیار قائم کر دیا، جس کا نام تقویٰ ہے، اور جو ساری نیکیوں کی جان ہے، اور اس لیے وہی معیاری امتیاز بننے کے لائق ہے، چنانچہ قرآن پاک نے بآواز بلند یہ اعلان کیا:

اِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ

’تم میں خدا کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے‘۔“[3]

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۸ پر)

[1] سیرۃ النبی ۵/۳۱۱

[2] مسند احمد/۱۴۱۷۷

[3] سیرۃ النبی ۵/۲۹۰

السؤال: قیامت کے دن ہونے والی باز پرس

آج ہم حشر کے دن ہونے والے سوال وجواب یا حساب کے بارے میں کچھ گفتگو کریں گے۔

قیامت کے دن لوگوں سے باز پرس کی جائے گی مگر ہر ایک سے ہونے والی باز پرس کی نوعیت مختلف ہوگی۔ بعض لوگوں سے مفصل پوچھ گچھ کی جائے گی اور بعض سے سرے سے کچھ پوچھا ہی نہ جائے گا۔ وہ کہ جن سے سرے سے کوئی سوال نہ کیا جائے گا دراصل وہ بہترین لوگ ہوں گے جو ایمان، جہاد اور صالحیت کی معراج تک پہنچے ہوں گے، وہ سوال جواب سے مستثنیٰ ٹھہریں گے، ﴿يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ ..... بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ اور جنت میں بلا حساب داخل کیے جائیں گے۔ انہیں ان کے اعمال نامے ضرور تھمائے جائیں گے مگر ان سے ان کے اعمال نامے میں درج اعمال کے بارے میں کسی قسم کی باز پرس نہ کی جائے گی۔ یہ اس امت کے ستّر ہزار لوگ ہوں گے جو جنت میں بلا حساب داخل ہوں گے۔

جس شخص سے جتنی زیادہ تفتیش کی جائے گی وہ اس کے لیے اتنی ہی مشکل اور خطرناک ثابت ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ(صحیح بخاری)
>
> ”جس کے حساب میں پوچھ گچھ کی گئی تو اسے عذاب ہوگا۔“

کیونکہ تفتیش و تحقیق کا مطلب ہے کہ متعلقہ فرد کے اعمال میں کچھ مسئلہ ہے۔

ہر ایک سے کیے جانے والے سوالوں کی نوعیت مختلف ہوگی مگر بعض آیات و احادیث کے مطابق جو سوال کیے جائیں گے ان میں سب سے اہم سوال کفر کے بارے میں ہوگا کہ تو کیونکر ایمان نہ لایا؟ کیا چیز تیرے ایمان لانے میں مانع رہی؟ جو کوئی بھی ایمان نہیں لایا ہوگا اس سے یہ سوال کیا جائے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ﴿وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ۝مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝﴾ (سورۃ الشعراء: ۹۲، ۹۳)
>
> ”اور ان سے کہا جائے گا کہ (اب) وہ کہاں گئے جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے اللہ کے سوا؟ کیا وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں یا وہ اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں؟“

چار سوال

چار بہت اہم سوال ایسے ہیں جو ہر ایک سے پوچھے جائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَ فَعَلَ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ۔ (جامع ترمذی)
>
> ”کسی شخص کے قدم بارگاہ الٰہی سے نہ ہٹ سکیں گے یہاں تک کہ اس سے اس کی
>
> ۱. عمر کے بارے میں سوال ہوگا کہ اس نے کس چیز میں اسے صرف کیا،
> ۲. اپنے حاصل کردہ علم پر کتنا عمل کیا،
> ۳. مال کہاں سے کمایا کہاں خرچ کیا اور
> ۴. اپنا جسم کس چیز میں مبتلا کیا۔“

چار سوال، جن کے جواب دیے بغیر کوئی انسان اللہ رب العزت کے سامنے سے ہٹ نہ سکے گا:

پہلا سوال: اپنے وقت کا کیا کیا؟

پہلا سوال زندگی کے بارے میں ہوگا کہ تم نے اپنی زندگی کو کیسے استعمال کیا؟ جو ماہ و سال تم نے دنیا میں گزارے، ان میں کیا کارہائے زندگی سرانجام دیے؟ یہ سوال دراصل وقت سے متعلق ہے۔ یہ ہے وقت کی اہمیت کہ اس کے متعلق پہلا سوال ہوگا کہ تم نے اپنا وقت کن کاموں میں لگایا۔ پس جب ہم کہتے ہیں کہ وقت مال سے زیادہ قیمتی ہے تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً وقت مال سے بہت زیادہ قیمتی ہے۔ وقت ہی زندگی ہے اور ہر گزرتا لمحہ انسان کی زندگی کا کچھ حصہ اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ پہلا سوال زندگی سے متعلق ہے کہ تم نے کیسے اپنے وقت کو استعمال کیا، دنیا میں جتنا وقت تمہیں ملا تھا اس کا تم نے کیا کیا؟

دوسرا سوال: اپنے علم کو کیسے استعمال کیا؟

جو علم تم نے حاصل کیا، کیا اس پر عمل بھی کیا؟ آیا تمہارا مقصد محض علم حاصل کرنا تھا (عمل کرنا نہ تھا) یا پھر اس کے ذریعے لوگوں پر اپنی دھاک بٹھانا مقصود تھا؟ پس علم، اگر اسے استعمال نہ کیا جائے تو ہمارے خلاف حجت ہے اور حاصل شدہ علم پر عمل نہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ درج ذیل آیت مومنین کے بارے میں ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ○﴾ (سورۃ الصف:۱،۲)

”اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضگی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔“

پس ہمارے لیے اس علم پر عمل لازم ہے جس کی ہم تبلیغ کرتے ہیں۔

تیسرا سوال: مال کہاں سے کمایا اور کیسے خرچ کیا؟

تیسرا سوال مال سے متعلق ہے اور درحقیقت یہ ایک نہیں بلکہ دو سوال ہیں۔ کیسے اسے حاصل کیا اور کیسے اسے خرچ کیا؟ ایک ایک روپیہ جو آپ کماتے ہیں، اس کے بارے میں آپ سے سوال ہو گا کہ یہ کہاں سے آیا؟ کیسے کمایا؟ کیسے حاصل کیا؟ اور اسی طرح ایک ایک روپیہ جو آپ خرچ کرتے ہیں اس کے بارے میں بھی سوال ہو گا کہ اسے فلاں جگہ کیوں استعمال کیا؟ پس غربت و محرومی کی حالت میں پوری زندگی گزارنا قیامت کے دن حرام کمائی کے ایک ایک روپے کا حساب دینے سے کہیں بہتر ہے۔ حرام کمائی کی آمدن اور خرچ کا حساب دینے کی تکلیف دنیا میں ساٹھ ستر سال غربت اور مفلسی میں گزار دینے سے کہیں زیادہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ(صحيح بخاری)

”جس کے حساب میں پوچھ گچھ کی گئی تو اسے عذاب ہو گا۔“

لہٰذا سوال جواب کے کٹہرے میں کھڑے ہونے کا مطلب ہے عذاب اور حرام مال کے چند روپے ہرگز اس قابل نہیں کہ انسان ان کی خاطر قیامت کے دن حساب کی شدت اور عذاب برداشت کرے۔

پس حصولِ رزق کے معاملے میں اللہ سے ڈریں کہ اس کے حصول کے ذرائع اور خرچ کی مدات حلال اور جائز ہوں۔ مال کے معاملے میں قیامت کے دن دو سوال کیے جائیں گے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مفلسین اغنیاء سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اعمال کے معاملے میں ہو سکتا ہے کہ ایک غنی شخص مفلس سے بہتر ہو، مگر ہم یہاں جنت میں داخلے کے وقت کی بات کر رہے ہیں کہ کون جنت میں پہلے داخل ہو پائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقراء مہاجرین، اغنیا سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ کیوں؟ حدیث میں آتا ہے کہ جب وہ اس قدر جلدی جنت کے دروازوں پر پہنچ جائیں گے تو فرشتے ان سے دریافت کریں گے کہ تم اتنی جلدی یہاں کیونکر پہنچ گئے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس (مال میں سے) تھا ہی کیا کہ جس کا ہم حساب دیتے اور ہم نے اللہ کے رستے میں اپنی تلواریں بے نیام رکھیں۔ ہم نے تو اپنی زندگی جہاد میں گزاری، ہمارے پاس کوئی مال تو ہے نہیں جس کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سے سوال کریں۔ پس مال کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ قیامت کے دن سوال کریں گے۔ اور پھر جیسا کہ ہم نے کہا کہ بہت سے اغنیاء مقام و مرتبے کے اعتبار سے مفلسین سے بہت بہتر بھی ہوں گے مثلاً حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ، مگر مال بہر حال خطرناک چیز ہے، یہ انسان کے لیے جنت کے دروازے بھی کھلوا سکتا ہے، انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے، اور یہ ہی دوسری انتہا یعنی جہنم کے نچلے ترین درجوں میں پہنچانے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ پس ہمیں محض مال حاصل کرنے کی ہی طمع نہیں رکھنی چاہیے بلکہ مال کے حصول و خرچ کے ذرائع کو خصوصی توجہ بھی دینی چاہیے کیونکہ یہی مال انسان کو صالحیت کی معراج پر بھی پہنچا سکتا ہے اور بدی کے گڑھوں میں بھی گرا سکتا ہے۔

چوتھا سوال: اپنے جسم کو کن کاموں میں گلایا؟

چار میں سے آخری سوال انسان کے جسم سے متعلق ہے۔ اللہ نے انسان کو قوت بخشی، یہ قوت و طاقت انسان کی اپنی فراہم کی ہوئی نہیں بلکہ اللہ رب العزت نے اسے قوت و توانائی عطا فرمائی۔ تم نے اس امانت کو کیسے استعمال کیا؟ آیا تمام تر طاقت و توانائی کے باوجود تم نے اسے یونہی ضائع کیا یا تم نے اس جسم و جان کو اللہ رب العزت کے رستے میں گلایا اور اس سے بقدر استطاعت بھرپور کام لیا جیسا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے لیا؟ یہ اللہ رب العزت کی نعمت ہے لہٰذا ہم سے سوال کیا جائے گا کہ ہم نے اس نعمت سے کیسے استفادہ کیا۔

یہ تو وہ چار سوال ہیں جو ہر ذی روح سے کیے جائیں گے۔ پھر چند مزید سوال بھی ہیں کہ جن کا ذکر قرآن و حدیث میں آیا ہے:

دنیاوی نعمتوں بارے سوال

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ○﴾ (سورۃ التکاثر:۸)

”پھر اس روز تم سے (ہر) نعمت کی پوچھ ہو گی۔“

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو نعمت بھی عطا کی ہے اس کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا کہ تم نے اس سے کیسے فائدہ اٹھایا؟ کیا تم شکر گزار بندے بنے؟ مجاہدؒ نے فرمایا کہ انسان سے ہر اس نعمت و آسائش کا، خوشی کے ہر لمحے کا، ہر راحت و لذت کی نعمت کا سوال کیا جائے گا جو اسے اس دنیا میں عطا کی گئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دنیاوی راحتوں اور نعمتوں کا ایک حصہ انسان کے جسم کا صحت مند ہونا ہے، پس انسان سے اس کی صحت کی نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اور پھر حدیث میں جن دو نعمتوں کا ذکر آتا ہے وہ بھی ہیں:

نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنْ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ (صحيح بخاری)

”دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان کی قدر نہیں کرتے: صحت اور فراغت۔“

یہ ایسی دو نعمتیں ہیں کہ ہمیں انہیں اللہ رب العزت کی خاطر استعمال کرنا چاہیے ورنہ قیامت کے دن یہ انسان کے خلاف حجت بن جائیں گی۔

عہد و معاہدوں سے متعلق سوال

سب سے اہم عہد، ایمان کا عہد ہے، اللہ اور بندے کے مابین عہد۔ اللہ اور اس کے بندے کے مابین معاہدہ۔ انسان خواہ اس کا ادراک رکھے یا نہ رکھے، حقیقت یہ ہے کہ انسان نے اپنے رب سے معاہدہ کر رکھا ہے۔ جب کوئی یہ کہتا ہے کہ میں مسلم ہوں تو حقیقت میں یہ اس معاہدے کا اقرار ہے جو اس نے اللہ رب العزت کے ساتھ کیا ہے۔ جب کوئی کہتا ہے کہ وہ مومن ہے تو اس کا مطلب خالی خولی ایک لفظ نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ رب العزت کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیے ہیں، ایک عہد باندھا ہے۔ جب ایک انسان یہ کہتا ہے کہ میں مسلم ہوں یا میں مومن ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ کسی معاہدے اور اس میں درج اصول و ضوابط کا پابند ہے، ان اعمال کو کرنا اس پر لازم ہے جو اللہ رب العزت نے اس پر لازم کیے ہیں اور ان امور سے اجتناب اس پر لازم ہے جن سے دور رہنے کا اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے۔ اور ہم سے اس کا سوال کیا جائے گا کیونکہ ہم اپنے اختیار سے اس معاہدے میں داخل ہوئے ہیں۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝﴾ (سورۃ بنی اسرائیل: ۳۴)

”اور عہد کی پابندی رکھو، بے شک (قیامت کے دن) عہد کی باز پرس ہو گی۔“

سماعت، بصارت اور سوچ و فکر سے متعلق سوال

یہ تین نعمتیں بالخصوص اہم ہیں کیونکہ سماعت و بصارت ہی کے ذریعے دل و ذہن میں معلومات داخل ہو سکتی ہیں۔ اور اگر آپ اپنے دل و ذہن کو اپنے جسم کے اعمال کا مرکز تصور کریں تو سوچیں کہ اس مرکز تک معلومات کی رسائی کے ذرائع کون کون سے ہیں؟ دل و ذہن آنکھوں اور کانوں ہی کے ذریعے سب کچھ حاصل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت ان تین نعمتوں کے متعلق بالخصوص سوال کریں گے۔ سماعت و بصارت ہی کے ذریعے تمام تر علم اور معلومات دل و ذہن تک پہنچتی ہیں اور پھر وہ ان پر عمل کرتے ہیں۔

پس سوال ہو گا کہ تم نے اپنی آنکھوں کو اپنی بصارت کو کیسے اور کہاں استعمال کیا؟ کیا اس کے ذریعے قرآن کی تلاوت کی یا تم نے اس کے ذریعے وہ دیکھا جس سے تمہیں روکا گیا تھا؟ کانوں کے ذریعے اللہ کا ذکر سنا یا وہ سنا کہ جو ممنوع تھا؟

دل و ذہن کی قوتوں اور صلاحیتوں کو اللہ کے رستے میں کھپایا یا اس کی تمام تر توانائیاں اپنی دنیا بنانے میں لگائیں اور آخرت کو نظر انداز کر دیا؟ یہ ہمارا دل و ذہن ہی ہے جس کے اختیار میں ہمارے جسم کی باگ ڈور ہے، ہمارا جسم وہی کرتا ہے جس کے کرنے کا حکم اسے ہمارا دل و ذہن دیتے ہیں اور پھر انہی اعمال کی باز پرس ہم سے ہو گی۔ پس ہمیں ان تینوں نعمتوں کو اللہ کے شکر کے ذیل میں استعمال کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾ (سورۃ النحل: ۷۸)

”اور تمہارے لیے سماعت اور بینائی اور دل پیدا کیے تاکہ تم شکر گزار بنو۔“

ہم اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں شاکرین میں شامل فرمائے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝﴾ (سورۃ بنی اسرائیل: ۳۶)

”بے شک کان اور آنکھ اور دل ان کی پوچھ ہر شخص سے ہو گی۔“

نماز کا سوال

اہل ایمان سے سب سے پہلا سوال نماز سے متعلق کیا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَلَاتُهُ فَإِنْ وُجِدَتْ تَامَّةً كُتِبَتْ تَامَّةً وَإِنْ كَانَ انْتُقِصَ مِنْهَا شَيْءٌ قَالَ انْظُرُوا هَلْ تَجِدُونَ لَهُ مِنْ تَطَوُّعٍ يُكَمِّلُ لَهُ مَا ضَيَّعَ مِنْ فَرِيضَةٍ مِنْ تَطَوُّعِهِ ثُمَّ سَائِرُ الْأَعْمَالِ تَجْرِي عَلَى حَسَبِ ذَلِكَ (نسائی)

”قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے اس کی نماز کے بارے میں باز پرس ہو گی، اگر وہ پوری ملی تو پوری لکھ دی جائے گی، اور اگر اس میں کچھ کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ کہیں گے: دیکھو تم اس کے پاس کوئی نفل پا رہے ہو کہ جس کے ذریعے جو فرائض اس نے ضائع کیے ہیں انہیں پورا کیا جا سکے؟ پھر باقی تمام اعمال بھی اسی کے مطابق جاری ہوں گے۔“

پس سنتیں اور نوافل اس لیے اہم ہیں کہ فرائض میں جو کمی کوتاہی انسان سے ہوئی ہو گی وہ سنن و نوافل سے پوری کی جائے گی۔ روزانہ پانچ نمازیں واجب ہیں اور ان کا مکمل ہونا ضروری ہے البتہ ان میں ہماری کوتاہی کی وجہ سے جو کمی بیشی ہو جائے اسے سنن و نوافل کے ذریعے پورا کیا جائے گا۔ پس نوافل اور سنن ہماری واجب نمازوں کی کمی کوتاہی کو رفو کرنے اور ان میں پیوند لگا کر انہیں مکمل کرنے میں معاون ثابت ہوں گے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی معاملہ تمام دیگر اعمال کا بھی ہو گا۔ مثلاً روزوں کا معاملہ ہے، اللہ رب العزت فرض روزوں کے متعلق دریافت فرمائیں گے کہ آیا وہ مکمل ہیں یا نہیں؟ اگر مکمل نہیں ہیں تو دیکھو کیا اس کے اعمال میں کوئی نفلی روزے ہیں؟ اگر ہیں تو ان کے ذریعے فرض روزوں کی کمی پوری کی جائے، یوں اعمال کی کمی بیشی پوری کی جائے گی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی صحبہ وسلم

☆☆☆☆☆

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سائے میں

معاصرِ جہاد کے لیے سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفاد فوائد و حِکَم!

شیخ منصور شامی رحمۃ اللہ علیہ / استفادہ: مفتی محمد متین مغل

غزوۂ حمراء الاسد (۳)

حقیقی نجات

جب مصائب کی گھنگور گھٹائیں چھا جائیں تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بے بس بیٹھے رہنے سے نجات نہیں ملتی، بلکہ یہ طرزِ عمل تو الٹا ہلاکت، ذلت اور غلامی کی طرف لے جاتا ہے، ایسے میں نجات صبر کے ساتھ ڈٹ جانے میں ہوتی ہے، انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے صبر و ثبات کے نتائج بیان کرتے ہوئے باری تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

فَاٰتٰـىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۝ (سورۃ آل عمران:۱۴۸)

”پس اللہ نے انہیں دنیا کا بدلہ اور آخرت کا اچھا بدلہ عطا کیا اور اللہ نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے۔“

اور اصحابِ محمد رضوان اللہ علیہم اجمعین کے صبر و توکل کے نتیجے کو بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ۝ (سورۃ آل عمران:۱۷۴)

”یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انہیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے۔ اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔“

”انہیں نجات مل گئی [کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا] اللہ کی رضا انہیں حاصل ہو گئی، اللہ کی رضا اور نجات کے ساتھ ان کی واپسی ہوئی، اور اس کی بنیادی وجہ اللہ کے فضل و کرم کو قرار دیا کہ وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، مسلمانوں کے کردار کو سراہنے کے باوجود اس نعمت کا اصل سبب اللہ کی رحمت کو قرار دیا، یہ ایک بنیادی [عقیدہ اور] اصول ہے جو ہر نعمت کے حصول میں کار فرما ہے [یعنی بندے کے حسنِ عمل کے باوجود ہر نعمت کا اصل سبب اللہ کی رحمت ہے] خود نیکی کی توفیق ملنا بھی تو فضلِ الٰہی ہی ہے۔“[1]

بات سے بات نکلتی ہے تو اس آیت سے ایک بشارت یاد آئی اور بشارت دینا سنانا اچھی بات ہے۔ امارت اسلامیہ کے سقوط کے تھوڑے عرصے بعد کسی نے مجھے بتایا کہ اس نے خواب میں شیخ اسامہ حفظہ اللہ کو دیکھا کہ ان کے ایک طرف ساز و سامان سے بھرا ہوا ٹرک ہے جسے عبد الفتاح نامی شخص چلا رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ٹرک الٹ گیا اور شیخ اسامہ اس کے نیچے دب گئے، لیکن وہ اس کے نیچے سے صحیح سالم نکل آئے، انہیں کوئی گزند نہیں پہنچی۔ اس خواب میں پہلی بشارت ڈرائیور کا نام عبد الفتاح ہے جو مجاہدین کی فتح پر دلالت کرتا ہے، سامان سے بھرے ہوئے ٹرک کا شیخ پر الٹ جانے اور بغیر نقصان کے نکل آنے کی تعبیر وہی ہے جو اس آیت میں ہے [یعنی اللہ کی رحمت سے مشکلات سے صحیح سالم نکل آنا اور مزید نعمتیں مل جانا] اور شیخ مجاہدین کی نمائندہ شخصیت اور خود بھی ان میں شامل ہیں [لہٰذا اس بشارت کا مصداق طبقہ مجاہدین ہے] واللہ اعلم۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں، شیخ کو اور تمام بھائیوں کو محفوظ رکھے۔ آمین[2]

مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا

مدینہ منورہ لوٹنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عزّہ جمحی مشرک کو گرفتار کیا، یہ جنگِ بدر میں بھی قید ہوا تھا اور اس کی غربت اور بیٹیوں کی کثرت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بغیر فدیہ لیے احسان کرتے ہوئے چھوڑ دیا تھا، اس شرط پر کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی کا ساتھ نہیں دے گا، لیکن اس نے بدعہدی کی اور اپنے اشعار سے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور اُحد کی جنگ میں خود بھی نکلا، سو جب یہ دوبارہ گرفتار ہوا تو پھر وہی عذر پیش کیا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے معاف کر دیں، مجھ پر احسان کریں، میری بیٹیوں کی خاطر مجھے بخش دیں، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ دوبارہ یہ کام نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: تو مکہ میں اپنے گالوں پر ہاتھ پھیر کر [یعنی اکڑتے ہوئے] یہ نہیں کہہ سکے گا کہ میں نے محمد کو دو مرتبہ دھوکا دیا ہے، مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر یا حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تو انہوں نے اس کی گردن اڑا دی۔

---

[1] فی ظلال القرآن

[2] ہم نے شیخ رحمہ اللہ کے الفاظ کو بحالہ رکھا ہے، بعد میں فاضل مولف شیخ منصور شامی اور شیخ اسامہ دونوں حضرات یکے بعد دیگرے خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

’مومن ایک سوراخ یا بل سے دو بار نہیں ڈسا جاتا‘ اس فرمانِ نبوی کی تشریح میں امام خطابی کہتے ہیں:

”یہ فرمان خبر کے صیغے کے ساتھ وارد ہوا ہے، لیکن اس میں ایک حکم دیا جارہا ہے، یعنی مومن کو چوکنا و محتاط رہنا چاہیے کہ غفلت میں مارا نہ جائے اور ایک سوراخ سے بار بار ڈسا جاتا رہے۔“

ابو عبید اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ایک طریقے میں ناکام ہونے کے بعد دوبارہ اسی طریقے اور وسیلے کو اختیار کرے۔[۳]

ہمارا دین ہمارے لیے غفلت کا شکار بننے اور بار بار دھوکے میں آنے کو ناپسند کرتا ہے، ہم پر لازم ہے کہ بیدار و محتاط رہیں، جب مومن ایک بار کسی سوراخ سے ڈس لیا جائے تو انتہائی غفلت بلکہ کم عقلی و حماقت ہے کہ وہ اپنا ہاتھ دوبارہ ڈسوانے کے لیے اسی سوراخ میں ڈالے۔

اور بظاہر اس اصول کا تعلق ان مبہم امور سے ہے جن کا اندازہ خود آزمائے بغیر نہیں لگایا جاسکتا، تو پہلی مرتبہ عذر دیا جاتا ہے، لیکن ابہام دور ہو جانے کے بعد دوبارہ وہی کام کرنا قابلِ مذمت ہے۔ البتہ جہاں دھوکا واضح ہو وہاں انسان کا پہلی مرتبہ دھوکا کھانا بھی قابلِ ملامت ہے، اس صورت میں دھوکے کا شکار ہونا پہلی مبہم صورت میں دوسری مرتبہ دھوکا کھانے جیسا ہے۔ واللہ اعلم

اس حدیث کا یہ مطلب بھی نہیں ہر انسان بذاتِ خود تجربہ کرے [اپنا اپنا پہیہ خود ایجاد کرے] دیگر مسلمانوں کے تجربوں کو خاطر میں نہ لائے، بلکہ خود تجربہ کرکے نتیجہ قائم کرے، ایسی احمقانہ بات کوئی عقل مند نہیں کرسکتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کئی لوگوں کا عمل یہی ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص لوگوں کو دیکھے کہ وہ ایک راہ پر چل رہے ہیں اور ہلاک ہو رہے ہیں، نقصان اٹھا رہے ہیں، پھر وہ اسی رستے پر چلنے کے لیے مصر ہو تو اسے احمق و بدنصیب ہی کہا جاسکتا ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت پکڑلے اور بدنصیب وہ ہے جو خود اپنی حالت سے نصیحت پکڑے۔

پھر جب دوسری مرتبہ ڈسا جانا قابلِ مذمت ہے تو جو ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسے جاتے ہیں [بلکہ خود کو ڈسواتے ہیں] ان کی بابت کیا رائے ہے؟ حتیٰ کہ سانپ بھی انہی کو ڈستے ڈستے اکتا جاتا ہے، لیکن یہ ’حضرات‘ اس کا بل کھود کر زبردستی اپنے ہاتھ ڈسوانے کے لیے اس کے جبڑوں کے بیچ رکھ دیتے ہیں۔

شاید آپ کو لگے کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے! کوئی بھی خود کو عاقل کہلوانے والا کیسے اتنی بڑی حماقت کرسکتا ہے؟ لیکن آپ اپنے سر کی آنکھوں سے ان اسلامی جماعتوں کو بطورِ حقیقی مثال دیکھ سکتے ہیں جو شرکِ حاکمیت کی علمبردار پارلیمنٹ میں شرکت اور جمہوری راستے کو اسلامی حکومت کے قیام کا وسیلہ سمجھتے ہیں، اس کے سائے میں پناہ لیتے ہیں مگر اس سے وہ اپنے مقصد سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس سراب کی حقیقت کو سمجھ جانے کے باوجود بھی اس کے پیچھے لگ کر خود کو ہلکان کرتے ہیں، اس سراب سے سیراب ہونے کی امید رکھتے ہیں! روکنے کے باوجود اس عبث فعل کو جاری رکھتے ہیں، ایک مرتبہ نہیں، بارہا یہ تماشا دہرایا جاتا ہے اور کسی ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد جگہ، بڑے اس جمہوری کھیل تماشے میں بوڑھے ہوگئے اور بچے اس کو دیکھتے ہوئے پروان چڑھے، لیکن یہ جماعتیں آج بھی اسی روش پر قائم اور اس کی داعی ہیں۔

حالانکہ اس کام کی حقیقت اور نتیجہ شرعی طور پر اور عقلی طور پر بھی بہت واضح ہے، بھلا کبھی بھیڑیے سے مانگ کر بھیڑ کو اس کا حق ملا ہے؟ مان لیتے ہیں کہ جمہوریت کا معاملہ اتنا واضح نہیں، لیکن اس سے اہلِ دین کم از کم ایک بار تو ڈسے جاچکے ہیں، تو پھر اس زہر ہلاہل کو آبِ حیات سمجھ کر اور سمجھا کر کیوں نوشِ جان کیے جارہے ہیں؟ یا تو احساس وشعور سے عاری ہوچکے ہیں یا پھر خود اس تماشے کا ایک جزوِ لاینفک بن گئے ہیں۔ [اعاذنا الله وایاهم]، حماقت و بے عقلی کے سوا ہر روگ قابلِ علاج ہے۔

خفیہ آنکھیں

اس غزوے میں ایک یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ اُحد سے مشرکین کے جانے کے بعد معاویہ بن مغیرہ بن ابو العاص اپنے چچازاد بھائی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے حق میں امان طلب کی، رسول اللہ ﷺ نے اس شرط پر اسے امان دی کہ اگر تین دن کے بعد وہ وہاں پایا گیا تو قتل کر دیا جائے گا، جب اسلامی لشکر مدینہ منورہ سے کفار کے تعاقب میں نکلا تو یہ وہاں تین دن سے زیادہ ٹھہرا رہا اور قریش کے لیے جاسوسی کرتا رہا، جب اسلامی لشکر لوٹا تو یہ مدینے سے بھاگ نکلا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تو ان دو حضرات اس کا پیچھا کرکے اسے قتل کر ڈالا۔

کوئی کافر اپنی کافر برادری کے لیے مسلمانوں کی جاسوسی کرے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، تعجب تو اس پر ہے کہ خود مسلمان کہنے والے اور اسلامی حلیے والے کئی لوگ اس خسیس پیشے کو اپنائے ہوئے ہیں، بلاشبہ ان کا جرم کفار سے زیادہ سخت ہے جس کی انہیں بدترین سزا ملنی چاہیے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

من اطلع فی بیت قوم بغیر اذنهم فقد حل لهم ان یفقئوا عینه۔

---

[۳] فتح الباری: ج ۱۷، ص ۳۲۱

"جو شخص کسی قوم کے گھر میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکے تو اس قوم کے لیے اس شخص کی آنکھ پھوڑ دینا جائز ہے۔"[۴]

صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں جھانکنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اسے روکنے کے لیے جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دینا جائز ہو جاتا ہے، گو اس کے نتیجے میں جھانکنے والا مر بھی سکتا ہے اور اس کی کوئی دیت بھی نہ ہو گی اور نہ قصاص لازم ہو گا، حالانکہ عین ممکن ہے کہ گھر میں صرف مرد ہو اور اس کے پاس کوئی ایسی چیز بھی نہ ہو جسے وہ چھپانا چاہتا ہو۔

تو اس شخص کا قتل کیوں کر نہ جائز ہو گا جو جاسوسی کر کے امت مسلمہ کی کمزوریاں اور راز جمع کرتا ہے؟

جب شریعت نے بطورِ شہوت یا یونہی بلا مقصد جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنا جائز قرار دیا ہے تو اس شخص کا کیا حکم ہو گا جو کافر دشمن کی خاطر امت کی جاسوسی کرے اور امت کی شکست اور اس کے قائدین اور منتخب لوگوں کے قتل کا سبب بنے؟

دروازے کی درزوں سے دیکھنے والے کا یہ حکم ہے تو دوازے توڑ کر رازوں کو فاش کرنے والے اور قتل و بربادی کا سبب بننے والے کا حکم کیا ہو گا؟

جب محض دیکھنے والے کا یہ حکم ہے گو اس کا دیکھنا لغزش اور غلطی کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے تو اس کا حکم کتنا سخت ہو گا جس کی امت کے خلاف جاسوسی ایک ایسا منظم اور مسلسل عسکری کام ہو جس پر کفار اپنی وردی والی فوج کے خرچ سے بھی زیادہ خرچ کرتے ہیں؟

جس کی حالت یہ ہو جائے تو پھر اس کی آنکھ پھوڑ دینا کافی نہیں، بلکہ یہ خیانت کار آنکھیں جس سر میں پیوست ہیں اس کا اڑا دینا از بس ضروری ہے، تاکہ اس جیسے دوسرے لوگ اس خسیس پیشے کے نزدیک جانے کا بھی نہ سوچیں۔

فوج کے لیے جاسوس ایسا ہی ہے جیسے جسم کے لیے آنکھیں، جاسوس کے بغیر فوج اندھی ہوتی ہے، سو ان آنکھوں کو پھوڑنا لازم ہے، اور جیسے یہ ہم پر کوئی رحم کھائے بغیر لڑتے ہیں ان پر بھی کسی قسم کا رحم کھائے اور درگزر کیے بغیر، ایک سخت جنگ مسلط کرنا لازم ہے۔

چند ٹکوں کی خاطر اپنا دین بیچنے والے یہ جاسوس خواہ کتنی احتیاط اور چالاکی سے کام لیں، لیکن اہلِ اسلام و اہلِ جہاد کے پاکیزہ خون کے بدلے کمائے ڈالروں کو اپنی خرمستیوں میں خرچنے سے پہلے ہی (ان شاء اللہ) مجاہدین کے خنجر ان تک آپہنچیں گے، سو جو اس خنجر کی دھار کا مزہ چکھنا چاہے تو وہی جاسوس بننے کا حوصلہ کرے، کیونکہ اس کا پول لامحالہ کھل کر رہے گا، کیونکہ ان کی جنگ غیب جاننے والے اللہ کے ساتھ ہے جو آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے بھید سب سے واقف ہے، سو اگر وہ ہمارے خلاف چال چل رہے ہیں تو ہمارا مددگار اللہ ہے جو ان کی چال کو انہی پر الٹ دے گا اور اپنے دام میں وہ خود آجائیں گے، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

رأيت الله أكبر كل شيء ۔۔۔ محاولة و أكثرهم جنودا

"میرا عقیدہ ہے کہ سب پر حاوی ہے اللہ کا ارادہ اور اس کا لشکر ہے سب سے زیادہ"

ان جاسوسوں کی نقاب کشائی کی بابت اللہ جل جلالہ نے ہمیں اپنی قدرت کے وہ عجائبات دکھائے ہیں کہ اس یقین سے سینے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں کہ اس دین کی حفاظت اور اپنے مومن بندوں کا دفاع اللہ خود کر رہا ہے۔

[یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لازم نہیں کہ ہر وہ شخص جو ظاہراً مسلمان ہو اور اس پر کوئی جاسوسی کا الزام عائد کر دے اس کا قتل جائز ہو جاتا ہے، بلکہ اس کے لیے شرعی ثبوت کا پایا جانا اور قاضی کا فیصلہ کرنا ضروری ہے، اس کے بعد ہی اسے جاسوس قرار دیا جاسکتا ہے اور جاسوس کو بھی بہر صورت قتل نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے قاضی فیصلہ کرے گا۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری محسوس ہوئی کہ اس باب میں حضرات مجاہدین افراط و تفریط کا شکار ہیں، کچھ کے نزدیک کلمہ گو جاسوس[۵] کو کسی صورت قتل کرنا جائز نہیں اور بعض کے نزدیک ہر جاسوس واجب القتل ہے۔ سو واضح رہے کہ احکامِ شرع کا مدار لفظِ جاسوس پر نہیں، بلکہ اس فعل پر ہے جسے وہ جاسوس سرانجام دے رہا ہے، جیسے ہر چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جاتے، بلکہ ہاتھ کاٹنے کی اپنی شرائط ہیں، ایسے ہی جاسوس کے قتل کی بھی شرائط ہیں۔ واللہ اعلم]

سننِ ترمذی میں حضرت نافع رحمہ اللہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور بآوازِ بلند فرمایا: اے وہ گروہ جو زبان سے اسلام لایا ہے، ایمان ابھی اس کے دل تک نہیں پہنچا! مسلمانوں کو تم ایذا نہ دو، نہ انہیں عار دلاؤ، اور نہ ان کے عیبوں کے پیچھے پڑو، کیونکہ جو اپنے (مسلمان) بھائی کے عیب کے پیچھے پڑتا ہے تو اللہ اس کے عیب کے پیچھے پڑتا ہے، اور جس کے عیب کے پیچھے اللہ پڑے تو وہ اس کو رسوا کر کے چھوڑتا ہے خواہ وہ اپنے کجاوے کے اندر (چھپ کر) بیٹھا ہو۔

نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دن بیت اللہ یا خانہ کعبہ کو دیکھ کر فرمایا: تو کتنا عظمت والا ہے اور تیری آبرو کتنی زیادہ ہے! مومن کی آبرو اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ ہے۔

سو جب کسی مسلمان کے عیب اور راز ڈھونڈنے والے کو اللہ رسوا کرتے ہیں تو پھر اس کو کس قدر رسوا کریں گے جو امت کے رازوں اور کمزوریوں کے پیچھے پڑ کر کفار کے نظام کو غالب اور اللہ کے نظام کو مغلوب کرنا چاہتا ہے؟

---

[۴] صحیح مسلم، ج۱۱، ص۱۱۵

[۵] [اگر بدونِ قتل کے کوئی تدبیر اس کی فہمایش کے لیے کارگر نہ ہو تو اسے قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ اس صورت میں ہے کہ پکڑا جانے والا جاسوس مسلمان ہو۔ (فتاویٰ حقانیہ جلد ۵، صفحہ ۳۰۱)]

خوف کا اصل سبب

اس معرکے میں اللہ نے کئی لوگوں کے دل میں کفار کے رعب و ہیبت طاری ہونے کی اصل وجہ کو بھی آشکار کر دیا۔

”شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں کو خوف و رعب کا سرچشمہ بنا کر دِکھاتا ہے، ان کے گرد قوت و ہیبت کا ہالہ کھینچتا ہے...... سو اہلِ ایمان کو شیطان کے اس مکر کی بابت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، انہیں چاہیے کہ شیطان کی اس کوشش کو ناکام بنائیں، اس کے اِن دوستوں سے خوف نہ کھائیں، بلکہ صرف اور صرف اللہ سے ڈریں، جو تنہا قوت والا، سب پر غالب اور ہر چیز پر قادر ہے، اسی سے ڈرنا چاہیے۔

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ (سورۃ آل عمران: ۱۷۵)

”بے شک یہ شیطان ہے جو (تم کو) اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، سو تم ان سے نہ ڈرو، اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔“

بلاشبہ شیطان ہی اپنے دوستوں کو بڑھا چڑھا کر دکھاتا ہے، انہیں قدرت و قوت کا وہی جامہ پہناتا ہے اور لوگوں کے دل میں ڈالتا ہے کہ یہ بڑی طاقت والے ہیں، نفع نقصان ان کے ہاتھ میں ہے...... تاکہ اپنے ان دوستوں کے ذریعے اپنا اُلّو سیدھا کرے اور زمین میں شر وفساد پھیلائے، لوگ اس کے دوستوں کے تابعدار بن جائیں، کوئی مخالف آواز بلند نہ ہو سکے، کوئی ان پر اعتراض کرنے اور انہیں اس شر وفساد سے روکنے کا سوچ بھی نہ سکے۔

باطل کو پھُلا پھُلا کر بڑا دکھانے میں شیطان کا بڑا فائدہ ہے، شر کو ایسا قوی، قادر، غالب اور مخالفین کی سرکوبی کرنے والا دکھاتا ہے جس کے آگے نہ کوئی ٹِک سکتا ہے اور نہ کوئی اس پر غالب آسکتا ہے...... باطل کو اس طرح دِکھانے میں شیطان کا بڑا فائدہ ہے، اس خوف و دہشت کے سائے اور پکڑ دھکڑ کے ہالے میں ہی شیطان کے دوست وہ افعالِ بد انجام دے پاتے ہیں جس سے شیطان خوش ہوتا ہے! نیکی کو برائی اور برائی کو نیکی بنا کر پیش کرتے ہیں، فساد، باطل افکار اور گمراہی کو پھیلاتے ہیں، حق، ہدایت اور انصاف کی آواز کو دباتے ہیں، خود کو زمین میں معبود بنا کر پیش کرتے ہیں، شر کی حفاظت اور خیر کا قلع قمع کرتے ہیں...... کسی میں ان کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی کہ ان سے اقتدار چھین کر انہیں چلتا کریں، جس باطل کو یہ پھیلا رہے ہوتے ہیں اس کی برائی بیان کرنے اور جس حق کو مٹا رہے ہوتے ہیں اسے کھول کر بیان کرنے کا کسی میں یارا نہیں رہتا۔

شیطان دغاباز، مکار اور چالباز ہے، اپنے دوستوں کی آڑ لے کر اپنا کام نکلواتا ہے، انہی کے سینے میں اپنے دوستوں کا خوف ڈال پاتا ہے جو اس کے وسوسوں سے بچنے کی خاطر خواہ احتیاط نہیں کرتے...... اس مقام پر اللہ جل جلالہ نے شیطان کے مکر و فریب کے سارے پردے چاک کر کے اس کی اوقات بتادی ہے، اہلِ ایمان پر اس کے مکر و وسوسے کی حقیقت کھول دی ہے، تاکہ وہ احتیاط سے کام لیں، شیطان والوں سے ذرا بھی نہ ڈریں، شیطان اور اس کے چیلے چانٹے شتونگڑے بہت کمزور و بے حقیقت ہیں، ان کی اتنی اوقات نہیں کہ اللہ پر ایمان رکھنے والے ان سے ڈریں...... اس ایک قادر ذات سے ڈرنا چاہیے جو نفع و نقصان کی مالک ہے، اور وہ ایک اللہ ہے، مومن جب ڈرتے ہیں تو اسی سے ڈرتے ہیں، وہ اکیلا سب قوت والوں سے بڑھ کر قوت والا ہے، اس کے سامنے دنیا کی کوئی قوت ٹھہر نہیں سکتی، نہ شیطان کی اور نہ اس کے ناتے داروں کی۔“[6]

[سو معلوم ہوا کہ ہر وقت بجا و بے جا کفار کی سائنسی ٹیکنالوجی اور مادی برتری کے راگ الاپنے والے در حقیقت خود کو شیطانی پراپیگنڈے کا بِگل اور بھونپو بنا رہے ہیں، خواہ ان کی نیت اچھی ہو کہ مسلمان ان علوم کی اہمیت کو سمجھیں اور انہیں حاصل کریں، لیکن صرف نیت کا اچھا ہونا کافی نہیں، بلکہ طریقۂ کار بھی مفید ہونا چاہیے، تجربہ یہی بتاتا ہے کہ اس طرح کی باتوں سے ان علوم کے حصول کی جانب رغبت پیدا ہو یا نہ ہو کفار کی برتری کا سکہ بیٹھ جاتا ہے اور یہی مرعوبیت و احساسِ کمتری ہے کہ آج مسلم ملک آزاد ہو کر ذہنی و نفسیاتی طور پر اپنے دشمن کے غلام ہیں۔

تصویر کا اس سے بھیانک ایک اور رُخ یہ ہے کہ تحریکِ جہاد میں بھی ابلیس لعین نے اپنے انسی و جنی پیادوں کے ذریعے اسی حربے سے پھوٹ ڈالی کہ ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں کہ امریکہ کا مقابلہ کر سکیں، لہٰذا امریکہ کے خلاف جہاد کے نعرے سے خدانخواستہ جہادی تحریک کو نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور یہ ابلیسی ریشہ دوانی یہیں تک محدود نہیں رہی کہ بعض جہادی مجموعات امریکہ کے خلاف جہاد سے ’توبہ تائب‘ ہو گئے، بلکہ امریکہ مخالف مجاہدین بالخصوص تنظیم القاعدہ کے خلاف پراپیگنڈے شروع کر دیے، ان کے منہج کو اور داعش کے منہج کو ایک بتانا شروع کر دیا، اس سے وابستہ مجاہدین کو بیعت توڑنے (فک الارتباط) کی دعوت دی گئی، تاکہ وہ بھی ان کی طرح طاغوتِ اکبر کے ساتھ کچھ لو اور کچھ دو کا معاہدہ کر سکیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۳ پر)

[6] فی ظلال القرآن

شریعت اسلامیہ کی روشنی میں

جنگی اسٹریٹیجی کے ۳۳ رہنما اصول

الشیخ القائد سیف العدل

بسمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالضُّحٰى○ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى○ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى○ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى○ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى○ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى○ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى○ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى○ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ○ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ○ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ○ (سورۃ الضحیٰ)

”قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی۔ اور رات کی جب اس کا اندھیرا بیٹھ جائے۔ کہ تمہارے پروردگار نے نہ تمہیں چھوڑا ہے اور نہ ناراض ہوا ہے۔ اور یقیناً آگے آنے والے حالات تمہارے لیے پہلے حالات سے بہتر ہیں۔ اور یقین جانو کہ عنقریب تمہارا پروردگار تمہیں اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا تھا، پھر (تمہیں) ٹھکانا دیا؟ اور تمہیں راستے سے ناواقف پایا تو راستہ دکھایا۔ اور تمہیں نادار پایا تو غنی کر دیا۔ اب جو یتیم ہے تم اس پر سختی مت کرنا۔ اور جو سوال کرنے والا ہو، اسے جھڑکنا نہیں۔ اور جو تمہارے پروردگار کی نعمت ہے اس کا تذکرہ کرتے رہنا۔“

تمہید

۲۰۱۷ء کے موسم بہار میں، ایک نوجوان نے مجھے رابرٹ گرین کی کتاب ”The 33 Strategies of War“ کا ایک نسخہ دیا اور مجھے بتایا کہ آج کل اس کتاب کا بہت چرچا ہے، میں چاہوں گا کہ آپ اس کا مطالعہ کریں اور ہمیں اس سے متعلق آگاہ کریں۔

میں نے کتاب کا مقدمہ بغور پڑھا، پھر کتاب کا طائرانہ جائزہ لیا، لیکن ’گرین‘ نے کتاب میں جو کچھ بیان کیا ہے، چاہے اس کا مدعا حقائق و واقعات کی وضاحت ہو یا لوگوں کے درمیان دشمنی و نفرت کو بھڑکانا ہو، میں اس سے متاثر نہیں ہوا۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی معاشروں میں تضاد پایا جاتا ہے، مغربی معاشرے ایک طرف جمہوری اقدار (امن) کا دعویٰ کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف ان معاشروں میں باہمی رقابت (جنگ) پھیلی ہوئی ہے جو اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ یہ ایک تلخ تنازع دکھائی دیتا ہے جس نے ان کی زندگیوں کو اجیرن کر دیا ہو۔ مغربی معاشرے میں جس انفرادی خود غرضی کو فروغ دیا جاتا ہے اس میں ہی وہ دعوت پنہاں ہے جو معاشرے کو ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔

اسی تناظر میں، ہمیں مغربی معاشرے میں ایسی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں جو عام زندگی میں عوام الناس کے خلاف ان فوجی منصوبوں سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیتے ہیں جو اصل میں دشمنوں کے لیے تیار کیے گئے ہیں، لوگوں کے ساتھ اس طرح سے معاملہ کرنے میں نہ صرف دیانت اور اخلاص کا فقدان پایا جاتا ہے بلکہ یہ ظلم، منافقت، موقع پرستی، استحصال اور لالچ سے بھی بھرا ہوا نظر آتا ہے اور ایک ہی قوم کے افراد میں یہ صورت حال پیدا ہونا انتہائی خطرناک ہے۔ ایسی بری تربیت اور ناقص پرورش، ان کی صفوں کو تقسیم کرتی ہے اور ان کی نسلوں کو ایسی مقابلہ بازی میں دھکیلتی ہے جس کے نتائج بہت بھیانک ہوتے ہیں۔ نفسیاتی اور ذہنی تربیت میں اس کے برے اثرات اس سے کم نہیں ہیں جو ابن المقفع کی کتاب ”كليلة و دِمنة“ یا میکاولی (Machiavelli) کی کتاب ”دی پرنس“ (The Prince) پیدا کرتی ہے۔

’گرین‘ جن باتوں کی دعوت دیتا ہے ان میں سے اکثر ہمارے اسلامی اصولوں اور عادات و روایات سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس لیے ایک عرصے تک میں نے اس کتاب کو چھوڑے رکھا، پھر مجھ سے کتاب کے صرف عسکری پہلو کو بیان کرنے کی گزارش کی گئی۔ کیونکہ ’گرین‘ نے اس کتاب میں متعدد عسکری مہمات اور جنگی حکمت عملیوں کو اکٹھا کیا ہے جو ذہن کو کھولتی ہیں اور بہت سی قوموں کی ماضی اور حال کی عسکری تاریخ بیان کرتی ہیں جس سے عسکری سمجھ بوجھ اور تجربے میں اضافہ ہوتا ہے۔

پس اس طرح آغاز ہوا......

پھر میں وقتاً فوقتاً کتاب کے ساتھ مشغول رہا اور محتاط انداز میں اس کے مندرجات پر غور و خوض کرتا رہا اور اس میں سے جو باتیں قابلِ بیان ہوتیں انہیں مختصر اور جامع فقروں میں نزاکت کے ساتھ تحریر میں لے آتا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ میں نے اس احتیاط اور جھجک میں کچھ توسع اختیار کیا۔ اس کے باوجود اکثر مجھے یہ اپنے دل پر بھاری محسوس ہوتا اس لیے میں اسے طویل عرصے تک چھوڑ دیتا، یہی وجہ ہے کہ اسے مکمل کرنے میں مجھے کافی وقت لگا۔

اور ایک خوف یہ بھی تھا کہ عدم توجہی میں کہیں میں بھی ان امور میں پھسل نہ جاؤں جن میں ’گرین‘ پھسلا ہے۔ مثلاً یہاں میں چند باتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا:

میں ہر اس چیز سے رجوع کرتا ہوں اور اس سے اعلانِ برأت کرتا ہوں جو ’گرین‘ کے بیان میں ہمارے اسلامی اصولوں، مبادیات اور اسلامی اقدار و ثقافت سے متصادم ہو اور جو شخص میری اس کتاب میں ایسی چیز پائے اس سے میری استدعا ہے کہ وہ اس کی نشاندہی کرے اور مجھے مطلع کرے تاکہ میں اسے حذف کر سکوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ أَخِيهِ، وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ، يَكُفُّ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ، وَيَحُوطُهُ مِنْ وَرَائِهِ» الأدب المفرد.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن اپنے بھائی کا آئینہ ہے اور مومن مومن کا بھائی ہے، وہ اسے نقصان سے بچاتا ہے اور اس کی پشت سے بھی اس کی حفاظت کرتا ہے۔“ (الادب المفرد)

وقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»، وقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى» والحديثان في صحيح مسلم،

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے جس کا ہر حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے“۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومنوں کی باہمی محبت، شفقت اور ہمدردی میں مثال ایک جسم کی سی ہے، جب اس کا ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو باقی جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“ (صحیح مسلم)

میں نے ’گرین‘ کی کتاب کی تہذیب و تلخیص کر کے اسے شرعی اصولوں اور اسلامی اقدار کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے اور اسے ”قراءة حرة في كتاب ٣٣ استراتيجية للحرب“ (کتاب ’۳۳ جنگی حکمت عملیاں‘ کا ایک آزاد مطالعہ) کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے توفیق اور کامیابی کا طلب گار ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے دنیا بھر کے مسلمانوں اور سب مظلوموں کو فائدہ پہنچائے، آمین۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ رابرٹ گرین کی کتاب ’The 33 Strategies of War‘ سے استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ میری مراد یہ ہے کہ جو کوئی بھی اس کتاب کا یا ابن المقفع کی کتاب ”كليلة و دِمنة“ کا بغور مطالعہ کرنا چاہے، اسے اقدار اور اصولوں کا پابند ہونا چاہیے اور اس کے پاس کوئی ایسا پیمانہ ہونا چاہیے جس سے وہ اخذ شدہ افکار کو جانچ سکے، تاکہ وہ موقع پرستی کی اس صفت سے متصف نہ ہو جائے جو ان کتابوں کے اندھیروں میں واضح طور پر بکھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اسے ان مقامات کا خلاصہ نکالنا ہوگا اور پھر ان کی دوبارہ تشریح بھی کرنا ہوگی لیکن اخلاقی انداز میں، تاکہ وہ انسانوں کو، تمام انسانوں کو، فائدہ پہنچا سکے۔ البتہ انصاف کی بات یہ ہے کہ ’رابرٹ گرین‘ کی اس کتاب میں عسکری کارروائیوں کے بہت سے تاریخی شواہد اور مفید اور دلچسپ اسٹریٹیجک نظارے موجود ہیں جو اس لائق ہیں کہ ان پر گہرائی میں غور و خوض کیا جائے، بلکہ اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ ان مصادر و مراجع کی طرف رجوع کیا جائے جہاں سے رابرٹ نے انہیں نقل کیا ہے تاکہ ان سے مکمل طور پر استفادہ کیا جا سکے۔ میں اس کتاب کے قاری کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ ان مصادر و مراجع کو تلاش کر کے از خود مطالعہ کرنے کی بھرپور کوشش کرے اور محض رابرٹ کے خلاصوں پر اکتفا نہ کرے، اس سے قاری کے تجربے میں بہت اضافہ ہوگا۔

اس کتاب میں، خصوصاً اس کے عسکری پہلو کے تناظر میں، ایسے جملے اور فقرے پائے جاتے ہیں جن کے الفاظ کو گہرائی سے ترتیب دیا گیا ہے اور وہ تلخ تجربات پر مبنی ہیں، مثال کے طور پر: ”علم، ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ کشمکش اور تنازعات کا وقت آنے پر زیادہ عقلی اور اسٹریٹیجک سوچ اپنائیں اور اپنے جارحانہ رجحانات کی نفی کرنے یا انہیں دبانے کے بجائے انہیں صحیح رخ پر لگائیں“، ”اسٹریٹیجک جنگجو بہت مختلف انداز سے کام کرتے ہیں، وہ اپنے طویل المدتی اہداف کے بارے میں پہلے سے سوچتے ہیں اور یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ انہیں کن لڑائیوں سے بچنا چاہیے اور کن لڑائیوں میں اترنا ان کے لیے ناگزیر ہے اور وہ یہ جانتے ہیں کہ انہیں اپنے جذبات کو کس طرح صحیح سمت میں موڑنا ہے اور ان پر قابو پانا ہے۔ جب وہ لڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، تو وہ چالاکی، ہوشیاری اور بالواسطہ چالوں کے ذریعے لڑتے ہیں، جس سے ان کی چال بازیوں کے طور طریقوں کا پتہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے“، ”ایسے بھیڑیوں کے سامنے پُر امن رہنا، ایک نہ ختم ہونے والے المیے کا باعث ہے“، اور بعض نقل شدہ عبارتیں ایک حکمت عملی کی دوسری حکمت عملی پر برتری ثابت کرتی ہیں۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ سُن زُو (Sun Tzu) کی سمجھ، جو ”خون کی ہولی کھیلے بغیر جنگ جیتنے“ کی طرف لے جاتی ہے، وہ ”عدم تشدد، جنگ کا ایک نیا انداز“ کی سوچ سے کہیں زیادہ گہری اور حقیقت پسندانہ ہے جسے گاندھی نے فروغ دیا تھا لیکن خود اس سے محفوظ نہ رہ سکا (اور قتل ہو گیا)۔

ایسے ہی اقتباسات میں رابرٹ نے ایک جملہ ایسا بھی ذکر کیا جو استعمار کے تاریک چہرے کو کسی حد تک نمایاں کرتا ہے اور وہ استعمار کی طرف سے تمام مقبوضہ اقوام کو جاہل رکھنے (جہالت سازی) کی اسٹریٹیجی ہے۔ کتاب کے مقدمے میں رابرٹ لکھتا ہے:

> ”فوجیوں کو حکمت عملی اور اسٹریٹیجی نہیں سکھائی جاتی تھی، کیونکہ اس سے میدان جنگ میں ان کو کوئی مدد نہیں ملتی تھی۔ مزید برآں، ایک کمانڈر کے لیے اپنے سپاہیوں کو ایسے عملی علم سے مسلح کرنا غیر دانشمندانہ تھا جو انھیں بغاوت یا انقلاب کو منظم کرنے میں مدد دے سکے۔ استعماری دور نے اس اصول کو مزید آگے بڑھایا۔ یورپی کالونیوں کے مقامی باشندوں کو مغربی افواج میں بھرتی کیا گیا اور ان سے تھانے داری (پولیسنگ) کا بہت زیادہ کام لیا گیا، لیکن ان میں سے اعلیٰ ترین عہدوں پر پہنچنے والوں کو بھی اسٹریٹیجی کے علم سے انتہائی سختی سے لاعلم رکھا گیا، کیونکہ اس علم کا حاصل کرنا ان کے لیے بے حد خطرناک سمجھا جاتا تھا۔ اور حکمت عملی، اسٹریٹیجی اور فنونِ جنگ کو مجاز حکام کے ایک شعبے کے طور پر رکھنا صرف اس لیے تھا کہ یہ علوم محض اشرافیہ اور اُن جابر قوتوں کے ہاتھ میں رہیں جو تقسیم کرو اور حکومت کرو (Divide and Rule) کے اصول کو پسند کرتی ہیں۔“

اسی باب میں، رابرٹ نے فریڈرک ڈگلس (Frederick Douglass) کی کتاب "My Bondage and My Freedom"(میری غلامی اور میری آزادی) سے نقل کیا ہے:

"اور مسٹر ہیو اپنی بیوی کی سادگی پر حیران رہ گیا، تب اس نے اپنی بیوی پر شاید پہلی مرتبہ غلامی کا حقیقی فلسفہ واضح کیا، اور اس نے اسے وہ عجیب وغریب اصول سمجھائے جو آقاؤں کو اپنی انسانی املاک کو سنبھالنے کے لیے سمجھنا ضروری ہوتے ہیں...... اس کے ٹھنڈے، فولادی الفاظ نے میرے دل پر گہرا اثر چھوڑا...... یہ ایک خاص اور نیا الہام تھا، جس نے مجھ پر ایک دردناک راز کھولا جسے سمجھنے کے لیے میں بہت لمبے عرصے سے بے کار کوششیں کرتا رہا اور وہ راز یہ تھا کہ: 'سیاہ فام آدمی کی غلامی کو دوام بخشنے کے لیے، سفید فام آدمی کی طاقت، سیاہ فام کو علم سے محروم رکھنے پر قائم ہے'۔"

لیکن کیا مغربی عوام بھی جہالت سازی کے عمل سے بچے رہے؟ نہیں، انہیں بھی مسخ کر دیا گیا۔ اس لیے آج ہماری جدوجہد تمام انسانوں کی جدوجہد ہے، ایک ایسی جدوجہد جو دنیا کے تمام انسانوں پر غلبہ پانے والے ظالم گروہ کے خلاف ہے، اس اقلیت کے خلاف جس نے وسائل پر قبضہ کر رکھا ہے اور لوگوں کو غلام بنا رکھا ہے۔ اس سے بھی زیادہ بھیانک اور تلخ بات یہ ہے کہ انہوں نے کورونا وائرس (COVID-19) کی وبا کے زمانے میں لوگوں کی باقی ماندہ جمع پونجی اور بچت بھی ہتھیالی ہے، اور روس یوکرین جنگ کے دوران اور مصنوعی قحط پیدا کر کے وہ لوگوں کی املاک پر قبضہ کرتے جا رہے ہیں۔ اور پھر آگے کیا ہو گا؟ مختصراً یہ کہ یہ جنگ تمام انسانوں کے خلاف ہے، جن کی آبادی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ اس گروہ کے کنٹرول سے باہر ہے، لہٰذا، ان کے لیے ہر ممکن طریقے سے نصف انسانی آبادی کو صفحۂ ہستی سے مٹانا ضروری ہو گیا ہے، لیکن اس انداز میں کہ ان کی خباثت اور بددیانتی کی طرف توجہ بھی نہ جانے پائے۔

یہودی مصنف مارک بلاسینی (Mark Blasini) نے کتاب "The Origin of Power" کا مواد جمع کرنے کے بعد رابرٹ گرین کے سامنے پیش کیا اور اسے نشر کرنے کی اجازت بھی دی۔ ڈاکٹر ابراہیم المالکی نے کتاب "The Origin of Power" کے ترجمے کے دوران اپنے مقدمے میں رابرٹ گرین کی شخصیت میں یہودیوں کی دلچسپی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"یہودی ریاست کے اہم مراکز میں زعماء اور عہدیداروں کا ایک بڑا طبقہ رابرٹ گرین کی کتب اور نظریات کے بارے میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ رابرٹ گرین کے جاننے والوں سے مجھے علم ہوا کہ نیتن یاہو نے رابرٹ کے لیے اپنے قریب ایک نیا منصب ایجاد کیا تھا اور گرین کو اسے قبول کرنے پر زور دیا تھا تاکہ وہ اقتدار پر غالب رہنے، مخالفین کو ختم کرنے اور مشرق وسطیٰ میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کے طریقوں کے بارے میں اس سے مشورے لیتا رہے، لیکن رابرٹ نے یہ درخواست مسترد کر دی۔"

شاید ڈاکٹر ابراہیم المالکی کے یہ الفاظ کم از کم یہودیوں کی امنگوں کو سمجھنے اور ان کے ارادوں کا اندازہ لگانے کے لیے ہمیں رابرٹ گرین کی کتاب کے مطالعہ پر مزید ابھارتے ہیں۔

کتاب کا پہلا حصہ قیادت کی سطح پر تنازع کے لیے نفسیاتی تیاری اور تنازع کے مختلف مراحل اور صورتوں میں قیادت کی سپاہیوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت کے گرد گھومتا ہے۔ دوسرا حصہ تنازع میں اجتماعی جذبے، اس کی نشوونما اور اس کے منفی پہلوؤں سے بچنے کا احاطہ کرتا ہے۔ تیسرا حصہ دفاعی جنگ اور معاشیات، مدافعت (Deterrence)، تنازعات کے خاتمے (Disengagement) اور جوابی حملے کی تیاری کے تصورات سے متعلق ہے۔ چوتھے حصے میں جارحانہ جنگ کا ذکر ہے اور کتاب کا ایک بڑا حصہ اس نظریے سے متعلق ہے کہ فتح صرف حملے کے ذریعے ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ آخری اور پانچویں حصے میں رابرٹ گرین نے غیر روایتی چالوں پر بحث کی ہے جن کے بارے میں ہم اس سے اختلاف بھی کر سکتے ہیں اور اتفاق بھی۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے میرے لیے وقت میں آسانی پیدا فرمائے تاکہ میں اُن بعض ابواب میں کچھ اضافے کر سکوں جن پر میں مطلوبہ حد تک کام نہ کر سکا۔ کیونکہ آغاز میں، میں نے اس بات کو ملحوظ رکھا تھا کہ اس تحریر کو میں خلاصے کی شکل میں پیش کروں گا اور قاری کے ذہن کے لیے اتنی گنجائش چھوڑوں گا جہاں سے وہ اپنے خیالات کو زبان پر لائے اور اپنی تخلیقی صلاحیت دکھائے، نہ یہ کہ میں خود ہی تفصیلات بھی بیان کرتا رہوں۔

میں چاہتا تھا کہ عربی میں کوئی ایسا لفظ یا اصطلاح استعمال کروں جو آج کل لفظ "اسٹریٹیجی" سے لیے گئے مفہوم اور اس کے مشمولات کو واضح کر سکے۔ میرے گمان کے مطابق بعض عراقی مصادر نے اسٹریٹیجی کے لیے عربی میں متبادل کے طور پر لفظ "السَّوق" کا استعمال کیا ہے۔ لیکن اسے وسیع پیمانے پر رواج نہ مل سکا۔ شاید اس لیے کہ اس کے مفہوم میں سختی پائی جاتی ہے کیونکہ "السَّوق" میں لوگوں پر مسلط ہونے اور انہیں مسخر کرنے کا استعارہ پایا جاتا

ہے جیسے چرواہا بھیڑوں کو ہانکتا ہے۔ جبکہ اسٹریٹجی سے مراد اہداف کے حصول کا منصوبہ ہے یا مطلوبہ مقاصد کے حصول کی غرض سے کسی قوم کی قیادت کرنا ہے۔[1]

دورِ جدید میں لفظ اسٹریٹجی کا مفہوم یونانی زبان کے اصل معنی ''سپہ سالار'' سے کہیں زیادہ وسیع اور جامع معنی اختیار کر چکا ہے، اسی طرح اس لفظ کا تعلق میدانِ جنگ سے بھی بہت آگے نکل چکا ہے۔ اس لیے جب تک اہلِ زبان یہ خاص مفہوم ادا کرنے کے لیے ہمارے لیے کوئی متبادل لفظ تلاش نہیں کر لیتے مجھے اسے استعمال کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا۔

اسٹریٹجی

امتِ مسلمہ کی عمومی اسٹریٹجی وہ منصوبہ بندی ہے، جو اللہ رب العزت پر کامل توکل کرتے ہوئے اور اسی سے مدد مانگتے ہوئے اور پھر تمام شعبوں میں میسر وسائل اور دستیاب صلاحیتوں کو بڑھانے کی خاطر اسباب اختیار کرتے ہوئے، آسمانی پیغام کے مقاصد حاصل کرے۔[2]

عمومی اسٹریٹجی (یا منصوبہ) کسی بھی ریاست یا تنظیم کی طاقت اور کمزوری اور اس کے مدِمقابل دشمن کی طاقت اور کمزوری کو جانچتے ہوئے ہر منصوبے کو کئی مراحل میں تقسیم کرتی ہے۔ ہر مرحلے کے اپنے اہداف ہوتے ہیں جو اگر حاصل ہو جائیں تو اگلے مرحلے میں منتقل ہونا ممکن ہوتا ہے یہاں تک کہ بالآخر ان اعلیٰ اہداف و مقاصد کو پالیا جائے جو ریاست کو مطلوب تھے یا جن کی خاطر تنظیم بنائی گئی تھی۔ اس اعتبار سے عمومی حکمت عملی یا اسٹریٹجی ایک ایسا طویل المدتی منصوبہ ہے جس کے اندر کئی قلیل المدتی منصوبے پائے جاتے ہیں۔

یہ اسٹریٹجی کا ایک پہلو ہے جبکہ اسلام میں اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسٹریٹجی تیار کرنے کے لیے تحقیق، تنقید، مکالمہ اور منصوبہ بندی وغیرہ کو ایسے ربانی منہج کا پابند بنایا جاتا ہے جس کے تحت اعلیٰ اقدار اور بلند مقاصد کے حصول کے لیے تحقیق کرنے پر کوئی بندش نہیں ہوتی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ایسے حدود و قیود اور قوائد و ضوابط بھی متعین کیے گئے ہیں جو مفکرین کو خامیوں کی طرف مائل ہونے سے روکتے ہیں۔ ان خامیوں کی مثال یہ مقولہ ہے: ''ہدف ذریعہ کو جواز فراہم کرتا ہے''(End justifies the means)۔ اس طرح سلطنت یا حکومت کو میسر انواع و اقسام کے وسائل، توانائیوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جاتا ہے تاکہ اللہ کی رضا کے حصول کی جانب قوم کا سفر جاری رہے۔

اسٹریٹجی وضع کرنے کے عمل کا تعلق ''امت، ریاست یا تنظیم کی تحقیق اور سوچ بچار کی فکری صلاحیت سے ہے کہ وہ پیغامِ اسلام کے مقاصد کے حصول کے لیے بہترین ممکنہ ذرائع کا انتخاب کرے اور دستیاب وسائل کو بروئے کار لائے، چاہے میدانِ جنگ گرم ہو یا نہ ہو''۔ یعنی اپنے وسائل اور انسانی، اقتصادی، اعلامی، عسکری، دعوتی، نفسیاتی، سفارتی، جغرافیائی اور تاریخی عناصرِ قوت کو منظم کرنے کی منصوبہ بندی کرنا اور ساتھ ساتھ انہی میدانوں میں مخالفین کی کمزوری کے عناصر سے فائدہ اٹھانا:

- تاکہ اپنے مخالف کو اسلام کے پیغام اور دعوت سے آگاہ کرے۔
- یا ایسا ماحول پیدا کرے جس سے ایسے اندرونی یا بیرونی عوامل پیدا ہوں جو دشمن کی طاقت کے عناصر کو منتشر کرنے اور اسے تنازع و جنگ سے دستبردار ہونے کا باعث بنیں۔
- یا دشمن کو زیر کرتے ہوئے اسے انسانی عقل اور فیصلے پر اثر انداز ہونے کی دوڑ سے دور کرے۔
- یا پھر منہجِ الٰہی کو قبول کرے اور اس کے تابع ہو جائے۔

چاہے اس دوران جنگ برپا ہو یا نہ ہو۔

پیغامِ اسلام[3] کے مقاصد

۱. خالق کی توحید کا عَلَم بلند ہو اور خالص اسی کی عبادت کی جائے۔
۲. تمام بنی آدم کے درمیان عدل و انصاف قائم کرنے اور ان کی کفالت کرنے کی غرض سے لوگوں کے سیاسی معاملات، رحمت پر مبنی اور منصفانہ آسمانی شریعت کے مطابق، سرانجام دینا۔ خواہ مسلمانوں کے لیے ہو یا اہلِ کتاب میں سے اپنے مذہب پر قائم رہنے والوں کے لیے، جب تک کہ وہ دارالاسلام میں رہتے ہیں۔
۳. مسلمانوں کے وجود کو تحفظ فراہم کرنا، ان کے اموال کو محفوظ بنانا اور انہیں اپنے عقیدے کی تبلیغ کے لیے پیش قدمی کرنے کو یقینی بنانا۔

[1] ممکن ہے کہ لفظ السوق کو اختیار کرنے والے نے بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی اس حدیث کو پیش نظر رکھا ہو جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ، حَتَّى يَخْرُجَ رَجُلٌ مِنْ قَحْطَانَ، يَسُوقُ النَّاسَ بِعَصَاهُ»، یعنی: ''قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہو گی جب تک قحطان میں سے ایک آدمی نہ نکلے جو لوگوں کو اپنی لاٹھی سے ہانکے گا۔'' اس لفظ میں پیچھے رہ کر لوگوں کی قیادت کرنے کی دلالت پائی جاتی ہے اور آج کل اسٹریٹجی وضع کرنے والے بھی پیچھے رہ کر ہی یہ کام کرتے ہیں۔

[2] اسلامی نقطۂ نظر سے تنازع ایمانی و عقائدی (Ideological) بنیادوں پر برپا ہوتا ہے، نہ کہ طبقاتی یا استحصالی بنیادوں پر، نہ ہی ان وسائل پر قبضہ کرنے کے لیے جو اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو عطا فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰه(''اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ یعنی کفر کا فساد باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے۔'') اور جہاں تک بات دین کی اشاعت کی ہے تو اسلام اپنے نظریہ کو پھیلانے کے لیے دعوت سے کام لیتا ہے۔ ایسی دعوت میں اگر رکاوٹیں پیش آتی ہیں تو جنگ انہیں ہٹانے کے لیے سامنے آتی ہے اور پھر دعوت، اسلامی منہج اور غیر مسلموں (یعنی کافروں) کے بارے میں تہذیبی نقطۂ نظر کے لیے میدان کھولنے کے بعد، جنگ دوبارہ پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ پس اسلام، اللہ کی مشیت کے مطابق ہی تنازع سے نمٹتا ہے۔

[3] الصراع ورياح التغيير (کشمکش اور تبدیلی کا آغاز) کے سلسلے کی کتاب الثورة (انقلاب) سے اختصار کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

۴. انسانی ذہن اور عقل پر ہر قسم کے دباؤ اور پردے ہٹا کر اسے آزاد کرنا تاکہ وہ خود انتخاب کرنے کے قابل ہو جائے۔ مسلمان ذہنوں کو تحفظ فراہم کرنا تاکہ انہیں نظریاتی یا مادی طور پر اغوا نہ کیا جا سکے اور ذہنوں کو ہر ایسی تاثیر سے بچانا جو انہیں الجھن میں ڈالتی ہو، نقصان پہنچاتی ہو یا ان کی بصیرت کو دھندلا کر دیتی ہو۔

۵. خدا کی عطا کردہ نعمتوں کو بہترین طریقے سے استعمال کرتے ہوئے کرۂ ارض کی تعمیر و ترقی کرنا۔

پس اسلامی مقاصد[۴] انسانیت کی بھلائی کے عمومی مقاصد ہی ہیں اور وہ اس قدر جنگ نہیں چاہتے جس قدر وہ دل و دماغ کو مخاطب کرنے، نفسِ انسانی کا تزکیہ کرتے ہوئے اسے دین میں داخل کرنے اور فیصلہ کن موڑ تک پہنچنے کے لیے مناسب ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، خواہ جنگ ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ بغیر لڑے دشمن کو زیر کرنا ہی مہارت کی معراج ہے۔

تمہید سے اخذ کردہ امور

۱. اسلامی اسٹریٹجی کے مطلوبہ مقاصد زمین کے کسی باشندے نے متعین نہیں کیے، نیز وہ عقلِ انسانی کی قیود سے بھی آزاد ہیں، کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے جاری کردہ احکام ہیں جن کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا مخلوق پر لازم کیا گیا ہے۔ اور مخلوق پر لازم ہے کہ وہ ان کے حصول کے لیے دعوتی، جہادی اور دیگر ذرائع سے استفادہ کرتے ہوئے پوری کوشش صرف کرے۔ رہا اس سعی و عمل کے نتائج کا معاملہ، کہ کامیابی حاصل ہوگی یا نہیں، تو یہ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

۲. اس میں ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ ایسی اسٹریٹجی وضع کرنے کی کوشش کرے جو ان مقاصد کو حاصل کر سکے۔ اسٹریٹجی وضع کرنا، ایک ایسی حقیقت پر مبنی، ذہنی عمل ہے جو ہمیں وہ ذرائع اور صلاحیتیں فراہم کرتا ہے جن کے ذریعے ہم پیغام کے اہداف کو حاصل کرنے کی کوشش کر سکیں۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ زمینی حقائق اور امکانات کی معرفت اور اس کے لیے مناسب وسائل کو بروئے کار لانے کی بنیاد پر، اہداف و مقاصد تک پہنچنے کا عمومی سیاسی منصوبہ ہے۔ جس قدر وسائل زیادہ دستیاب ہوں گے، اسٹریٹجی اسی قدر مضبوط اور مؤثر ہو گی۔

۳. اسٹریٹجی کا میدان امت کو دستیاب تمام وسائل ہیں۔ ان میں اس کی دینی، انسانی، اقتصادی، اعلامی (میڈیا)، عسکری، امنیاتی (سکیورٹی)، دعوتی، نفسیاتی، سفارتی، جغرافیائی اور تاریخی طاقت کے عناصر شامل ہیں۔ یہ امت کے ان حقیقی قائدین کے لئے، دستیاب صلاحیتیں یا سیاسی وسائل ہیں، جو عالمی و علاقائی سیاست کو گہرائی تک سمجھتے ہیں، ان صلاحیتوں اور سیاسی وسائل کو مضبوط کرنا ضروری ہے۔ اس بات کی تصدیق اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ اقتصادی طاقت ہی عسکری طاقت کی تعمیر کی بنیاد ہے اور اس پر اور اس کے ساتھ آنے والے دوسرے اخراجات برداشت کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتابِ عظیم میں مال اور جان کو تقریباً دس مقامات پر ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے جن میں سے صرف ایک موقع پر جان کو مال پر مقدم رکھا ہے جس سے تعمیر و ترقی اور جنگ میں مال کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ جس طرح عسکری اسٹریٹجی بنانا ضروری ہے، اسی طرح اقتصادی اسٹریٹجی، اعلامی اسٹریٹجی اور ہر میدان میں اسٹریٹجی تیار کرنا ضروری ہے۔ یہ سب اسٹریٹجیز اور حکمت عملیاں مل کر سلطنت کی عمومی اسٹریٹجی تشکیل دیتی ہیں۔

۴. اسٹریٹجی میں اس پہلو کو مدِ نظر رکھنا بے حد ضروری ہے کہ ہم دشمنوں کا تعین اور درجہ بندی کریں اور پھر ہر مخالف گروہ کی صلاحیتوں کو جانچنے کے بعد کام کی ترجیحات مرتب کریں۔ تمام دشمنوں کا ایک ساتھ مقابلہ کرنا اور سب دشمنوں کے خلاف ایک ہی وقت میں محاذ کھول دینا دانش مندی نہیں۔ اور دشمنوں کی طاقت اور کمزوری کے عناصر کو محض جان لینا ہی کافی نہیں بلکہ ان عناصر کا گہرائی سے مطالعہ کرنا ضروری ہے تاکہ ان پر برتری حاصل کی جا سکے اور پھر انہیں معرکہ میں قابلِ شکست بنایا جا سکے، چاہے یہ مقصد جنگی ذرائع سے ہو یا دیگر ذرائع سے۔ اور چاہے یہ کام ہم خود کریں یا ایسے بیرونی عوامل (پراکسی) کو استعمال کرتے ہوئے کریں جن کے ہم پشتی بان ہوں۔ حتیٰ کہ خود دشمن کے کیمپ کے اندر کے عوامل کو استعمال کرتے ہوئے، اس کے سماجی ڈھانچے سے چھیڑ چھاڑ کے ذریعے، اس کی اندرونی سیاسی وحدت کو متزلزل کر کے یا اس کے معاشی ڈھانچے کو کمزور کر کے یہ مقاصد حاصل کیے جائیں۔ ضروری نہیں کہ دشمن پر فتح عسکری ہی ہو، کیونکہ اندرونی انہدام سے بھی وہی نتیجہ حاصل ہوتا ہے لیکن فوجی کارروائی کے اخراجات اور قربانیوں سے بہت کم قیمت پر۔ پھر اگر اس طریقے سے اسے شکست نہ بھی ہوئی ہو تو کم از کم اسے کمزور ضرور کر دیا جائے گا اور تنازع یا مقابلے کے میدان سے ہٹا دیا جائے گا تاکہ اگلے کسی مرحلے پر اس کی نرمی کی بنا پر اسے راہِ راست پر لایا جا سکے یا پھر اس کی ضد کی بنیاد پر اس کا خاتمہ کیا جا سکے۔

۵. اسٹریٹجی وضع کرنے کا عمل اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اہداف کو یکے بعد دیگرے مرحلہ وار اور نت نئے واقعات اور زمانے کے تغیرات کے اعتبار سے لچک دار تنفیذی صلاحیت کے ذریعے حاصل کرنے کے لیے بہترین ذرائع، طریقوں اور اوزار کو تلاش کیا جائے، جو ہر قسم کے دشمن کی مناسبت سے موزوں ہوں، کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے کہ سب کے ساتھ ایک ہی اسٹریٹجی سے نبرد آزما ہوا جائے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ تنازع کا انتظام صرف جنگ ہی کے ذریعے کیا جائے، البتہ یہ یقینی ہے کہ اگلے کسی مرحلے میں جنگ ناگزیر ہو گی۔ جو کام الفاظ سے کیا جا سکے وہاں چھری استعمال نہیں کی جاتی۔ تالیفِ قلب پر تھوڑی سی رقم خرچ کر کے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اسے

[۴] شریعت نے پانچ ضروریات کی حفاظت کے لیے اہداف وضع کیے ہیں جو کہ دین، جان، نسل، مال اور عقل ہیں۔ (امام شاطبی کی کتاب الموافقات)

مسلمانوں کے خون سے حاصل کرنا ناکامی ہے اور جنگ کی آگ کی بنسبت نرم طاقت (Soft Power) کی تاثیر لوگوں کو راضی رکھنے میں زیادہ کارگر ثابت ہوتی ہے۔ تجارتی تعامل، اخلاق و آداب کو پھیلانے میں، ایک انقلابی عمل سمجھا جاتا ہے۔ اقتصادی پابندیوں اور معاشی ناکہ بندی کی تدبیروں سے مخالف فریق تھک جاتا ہے جو اسے توڑنے میں زیادہ مددگار ثابت ہوتا ہے۔ مخصوص اور غیر معمولی ہتھیاروں کے حصول سے پیدا ہونے والی دہشت، مخالف قیادت کو خام خیالی اور منصوبوں سے بھی روک دیتی ہے۔ گویا کہ جنگ یا مسلح جدوجہد ہی تنازع کا واحد ذریعہ نہیں ہے البتہ تنازع کا بنیادی اور ناگزیر حصہ ضرور ہے۔ لیکن اسلحہ کا استعمال کسی بھی دوا کی طرح مناسب حد تک اور مناسب وقت پر ہی کیا جاتا ہے۔ دشمن کو کمزور اور الگ تھلگ کرنے کے لیے دباؤ ڈالنے کے حربے بہت ہیں۔

اور سیاسی ذرائع[۵] طرح طرح کے ہیں، جن میں سے مناسب ذرائع، مناسب وقت اور مناسب جگہ پر استعمال ہوتے ہیں۔ یہ اچھی طرح سمجھتے ہوئے کہ استعمال شدہ ذریعہ سے مراد کیا ہے۔ مثلاً جزیہ جسے اسلام ان لوگوں پر فرض کرتا ہے جو ضد کرتے ہوئے اسلام میں داخل ہونے سے انکار کرتے ہیں، اگرچہ ظاہری اعتبار سے اس لیے لیا جاتا ہے تا کہ اسلامی ریاست میں ان کی سکونت کو تحفظ دیا جائے۔ لیکن گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مہلت ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ رہن سہن اختیار کریں، ان کے بارے میں اور ان کے دین کے اصولوں اور شرعی قوانین کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر پر نظر ثانی کریں، پس ممکن ہے کہ اس طرح وہ مسلمان ہو جائیں۔ گویا یہ ایک دعوتی منصوبے کے تحت زمانی مہلت ہے لیکن معمولی ادائیگی کے بدلے جو اسلام لانے پر ان سے مزید وصول نہیں کی جاتی۔

۶. یہ بات یقینی ہے کہ زبانی دعوت، تالیفِ قلب اور نرم قوت کے اثرات محدود ہی رہیں گے جب تک کہ انہیں عسکری قوت کی پشتی بانی حاصل نہ ہو جس کی ہیبت، ان کی حمایت اور ان کی تحریک کو تقویت پہنچانے اور تحفظ فراہم کرنے کا باعث بنتی ہے۔ اس عسکری قوت کے بغیر اقوام کا احترام نہیں کیا جاتا اور وہ دوسروں کے غصب اور لوٹ مار کا نشانہ بنی رہتی ہیں۔ ان سب کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور کوئی بھی ذریعہ دوسرے کے بغیر اپنا کردار ادا نہیں کرتا۔ تبدیلی کے عمل کے عوامل اتنے پیچیدہ ہیں کہ کسی بھی تحقیق کے لیے ان کا احاطہ کرنا اور ان کے درمیان باہمی ربط کی درجہ بندی کرنا ممکن نہیں۔

اس لیے ہم تاکید کرتے ہیں کہ جنگ سیاسی ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے جس کا سہارا ضرورت کے وقت ہی لیا جاتا ہے تا کہ سیاسی (دعوتی) عمل کے تسلسل کو بہتر ماحول فراہم ہو۔ یا زیادہ واضح الفاظ میں: "ان رکاوٹوں کو دور کرنا جو پیغام کی پیش رفت کو روکتی ہیں" اور یہ طاقت کی صورت میں ہوتا ہے۔ جبکہ کمزوری کی صورت میں جنگ، عموماً طاقت کے توازن کے پلٹنے یا برابر ہونے کے انتظار میں، ایک محدود ہدف[۶] کے حصول کے لیے ہوتی ہے۔ سیاسی قیادت کم قیمت اور کم قربانیوں کے بدلے اپنے اہداف کے حصول کے لیے کوئی دیگر دعوتی یا اقتصادی ذرائع استعمال کرتے ہوئے جنگ کو روک سکتی ہے، لیکن قیادت کسی بھی حالت میں اس جنگ کی تیاری کے عمل کو نہیں روکتی۔

۷. اسلام نہ صرف موجودہ صورتحال اور حالاتِ حاضرہ پر نظر رکھتا ہے بلکہ یہ بھی اندازہ لگاتا ہے کہ مستقبل کیسا ہونا چاہیے اور وہ جنگ کے بعد آنے والی حالتِ امن اور جنگ سے پیدا ہونے والے معاشروں اور نظاموں کی درجہ بندی پر ہی اکتفا نہیں کرتا، بلکہ وہ اس بات کا بھی تعین کرتا ہے کہ ان سے کیسے نمٹا جائے اور ان کی زندگیوں کو کس رخ پر موڑا جائے۔

حالتِ جنگ کے بعد پیدا ہونی والی صورت حال ضروری نہیں کہ مکمل فتح یا اسلام کو اپنانا، یا جزیہ دینے کا اقرار ہو۔ بلکہ جنگ بندی کا مرحلہ بھی ہو سکتا ہے جس کے دوران سیاسی اہداف تک پہنچنے کے لیے دوسرے ذرائع استعمال کیے جائیں گے۔ جنگ کے بعد پیدا ہونے والی حالتِ امن یا حالتِ کشیدگی کا تعلق اس طاقت اور کمزوری کے درجے سے ہے جو جانبین کے کیمپوں کو حاصل ہوئی۔ جو بقائے باہمی کا ایک نیا نمونہ مسلط کر سکتا ہے جب تک کہ وہ نئی شرائط دستیاب نہ ہو جائیں جو نقشے کی شکل کو ایک بار پھر تبدیل کر دیں۔ یہاں لچک دار اسٹریٹیجک نقطۂ نظر کام آتا ہے جو خود کو جنگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تمام امکانات میں کام کرنے کے قابل بناتا ہے۔

حصہ اوّل: انسان کی تعمیر

انسان کی تعمیر (قیادت اور کارکن/سپاہی)

اسلام نے انسان کا بہت خیال رکھا ہے اور اس کی تعمیر و تشکیل پر بہت توجہ دی ہے۔ چنانچہ اس نے توحید پر اس کی تربیت کا اہتمام کیا تا کہ وہ اپنی زندگی کے تمام فیصلوں میں اپنے رب سے جڑا رہے۔ پھر اللہ کے سوا کسی کی طرف اپنا فیصلہ نہ لے جائے، اللہ کے سوا کسی کی اطاعت نہ کرے، اللہ کی رضا کے بغیر کسی کی پیروی نہ کرے، اللہ کے سوا کسی سے ایسی محبت نہ کرے جس طرح وہ اللہ سے محبت کرتا ہے، اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے، اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور عبادت کا کوئی ایک جز بھی غیر اللہ کے لیے مخصوص نہ کرے۔ اس طرح اسلام نے انسان کے لیے مکمل آزادی اور خود مختاری کو یقینی بنایا۔

---

۵ سیاست: تمام میدانوں میں تنازع کے انتظام کا علم و فن ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ ممکنات کا فن ہے اور اس کا مدار مفادات کے حصول پر ہے۔

۶ سیاسی قیادت کو محدود و متعین ہدف کی اسٹریٹجی اپنانے پر جو بات ابھارتی ہے وہ طاقت کے توازن کے پلڑے میں تبدیلی آنے کا انتظار ہے، جسے حاصل کرنے کا ذریعہ دشمن کو تھکا دینا ہے۔ یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ لگاتار سویاں چبھونا ان بڑے جھٹکوں سے زیادہ کمزور کرتا ہے جن کے نتائج فیصلہ کن نہ ہوں، بشرطیکہ اس چبھونے سے دشمن کا تھکنا خود ہماری قوت کو تھکا دینے سے زیادہ ہو۔ اس کی بہترین مثال گوریلا جنگ ہے۔

پھر اسلام نے انسان کے ذہن، روح اور جسم کی تعمیر شروع کی۔ ان چیزوں کی طرف اس کی رہنمائی کی جو اس کے دین کو محفوظ رکھتی ہیں، اس پر ایسے اعمال فرض کیے جو اس کی روح کو پاکیزہ بناتے ہیں اور اس پر واضح کیا کہ خوراک و پوشاک میں کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے تاکہ اس کی عقل کی سلامتی اور بدن کی طہارت کو یقینی بنائے۔ اسے اچھے اخلاق اپنانے کو دیے اور برے اخلاق سے خبردار کیا تاکہ اس کے اور معاشرے کے درمیان باہمی ذمہ داری، ہم آہنگی اور تعلق کو قائم کرے، لوگوں کی جان، مال اور عزت کو درپیش خطرات کو ایسے شرعی قوانین کے ذریعے محفوظ بنایا جو دنیا میں لوگوں کے طرزِ عمل اور چال چلن کو پابند کریں گے، تاکہ ان کے درمیان امن، سلامتی اور یکجہتی حاصل کیا جا سکے۔ یہ سب اس لیے ضروری قرار دیا تاکہ یہ تعلیم و تربیت کسی شخص کے طرزِ عمل، حسنِ سلوک، بول چال، فیصلوں اور معاملات میں فائدہ مند ہو اور اس تربیت کے ایسے پاک اور خالص ثمرات حاصل ہوں جو نہ صرف اسے، معاشرے کو، امت کو، اور تمام لوگوں کو فائدہ پہنچائیں بلکہ پورے کرۂ ارض اور اس میں پائے جانے والی تمام اشیاء کے لیے مفید ثابت ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ○

(سورۃ الاعراف: ۵۴)

”یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سارے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔ پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا۔ وہ دن کو رات کی چادر اڑھا دیتا ہے، جو تیز رفتاری سے چلتی ہوئی اس کو آ دبوچتی ہے۔ اور اس نے سورج اور چاند تارے پیدا کیے ہیں جو سب اس کے حکم کے آگے مسخر ہیں۔ یاد رکھو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا سب اسی کا کام ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔“

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ○ (سورۃ المآئدۃ: ۴۸)

”اور ہم نے تم پر بھی حق پر مشتمل کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگہبان ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کے درمیان اسی حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے، اور جو حق بات تمہارے پاس آ گئی ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو۔ تم میں سے ہر ایک (امت) کے لیے ہم نے ایک (الگ) شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا، لیکن (الگ شریعتیں اس لیے دیں) تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے۔ لہٰذا نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اللہ ہی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت وہ تمہیں وہ باتیں بتائے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔“

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِیَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ○ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ○ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○ (سورۃ الانعام: ۱۵۱-۱۵۳)

”(ان سے) کہو کہ: آؤ، میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے (درحقیقت) تم پر کونسی باتیں حرام کی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور غربت کی وجہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور ان کو بھی۔ اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھٹکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی، اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطا کی ہے اسے کسی برحق وجہ کے بغیر قتل نہ کرو۔ لوگو! یہ ہیں وہ باتیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تمہیں کچھ سمجھ آئے۔ اور یتیم جب تک پختگی کی عمر کو نہ پہنچ جائے، اس وقت تک اس کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ، مگر ایسے طریقے سے جو (اس کے حق میں) بہترین ہو، اور ناپ تول انصاف کے ساتھ وپرا پورا کیا کرو، (البتہ) اللہ کسی بھی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا۔ اور جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو، چاہے معاملہ اپنے قریبی رشتہ دار ہی کا ہو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے، تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ اور (اے پیغمبر! ان سے) یہ بھی کہو کہ: یہ میرا سیدھا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا اس کے پیچھے چلو، اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔ لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تم متقی بنو۔“

اس طرح اسلام، انسان کو لوگوں کے ساتھ زندگی کے معاملات میں، کامل اخلاق سکھاتا ہے اور دین کے مخالفین کے ساتھ تعامل میں بھی مکمل اخلاق کی پابندی سکھاتا ہے چاہے ان کو دعوت دینے کا وقت ہو یا ان کے ساتھ تنازع و کشمکش کا موقع ہو۔ اسلام نے جنگ کے لیے بھی اقدار، اصول اور اخلاق مقرر کیے ہیں جو فرزندانِ اسلام کو جنگی اسٹریٹیجی وضع کرنے

کے دوران ایسی رہنمائی فراہم کرتے ہیں کہ فتح بھی حاصل ہو جائے اور ساتھ ہی ساتھ شکست خوردہ فریق کو اسلام کے سائے تلے زندگی گزارنے کے مواقع بھی یقینی بنائے جا سکیں، یہاں تک کہ جنگ ختم ہونے پر لوگوں کو ان کے فائدے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

«إن ما جاء به محمد ﷺ لو لم يكن دينا لكان في خلق الناس حسنًا»

”حضرت محمد ﷺ جو کچھ لے کر آئے ہیں، اگر وہ دین نہ ہوتا تب بھی انسانوں کے لیے اخلاق میں بہترین ہوتا۔“

قال رسول الله ﷺ: «إِنَّمَا النَّاسُ كَالإِبِلِ المِائَةِ، لاَ تَكَادُ تَجِدُ فِيهَا رَاحِلَةً» رواه البخاري.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں کی مثال ان سو اونٹوں کی سی ہے کہ تم ان میں سے ایک بھی سواری کے قابل نہیں پاؤ گے۔“ (بخاری)۔

کسی بھی تنازع کے لیے پانچ بنیادی عناصر کی ضرورت ہوتی ہے: قیادت، معیشت، تنظیم، اسٹریٹیجی اور (عسکری اور امنیاتی) کنٹرول۔ ہر تنازع کی سماجی، ثقافتی، اور اخلاقی جہتیں ہوتی ہیں اور ہر تنازع سے ایک نیا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام جنم لیتا ہے۔

تنازعات کا نایاب ترین عنصر اس کی قیادت ہے۔ وہ قیادت جو سوچ، اصولوں اور اقدار کی حامل ہو، وہ اخلاقی قیادت جو اپنی پوری محنت کرے، اپنا سب کچھ پیش کر دے اور کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کرے، لیکن بدلے میں کسی چیز کی طلب گار نہ ہو۔ وہ قیادت جو اپنی امت کی امیدوں اور امنگوں کو حقیقت کا روپ دیتی ہو، ایسی قیادت جو امت کو عزت، وقار اور اخلاق سے سرشار کرے اور انہیں الٰہی رشد و ہدایت اور بہترین انسانی رویے کے موافق متحرک کرے، ایک ایسی قیادت جو امت کو اپنی عظمت و شان بڑھانے کی ترغیب دینے کے قابل ہو۔ انسانی تاریخ میں عظیم رہنماؤں کی سوانحِ حیات سے جو مشاہدہ ہوا، خواہ وہ کسی بھی مذہب یا نسل سے تعلق رکھتے ہوں، وہ یہ ہے کہ انہیں ذاتی مفادات حاصل کرنے کا شوق نہیں تھا، نہ ہی ان میں سے کوئی اپنے مستقبل، کرسی یا دولت کی جستجو میں تھا، بلکہ ان کی شان ہی اس چیز میں تھی جو انہوں نے اپنے دین و ملت کی خاطر قربان کر دی اور اسی وجہ سے قوم نے انہیں امر کر دیا۔

قیادت جہاں کی بھی ہو اسے ادراک ہوتا ہے کہ اس کا مشن بنیادی طور پر سیاسی ہے اور پیغمبروں کو بھی صرف اسی لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے عقائد کی اصلاح کریں اور اللہ کی مرضی کے موافق دنیا کی سیاست کریں۔ اسلام میں قائدین کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ پیغمبروں کے بعد عقائد کی حفاظت کریں اور دعوت و جہاد دونوں کے ذریعے، دین کو پھیلائیں اور دنیا کی سیاست کریں۔ جہاد سے یہاں ہماری مراد ”جنگ اور قتال“ ہے اور یہی ہمارا موضوع ہے۔ پس جنگ کے لیے اسٹریٹیجی ناگزیر ہے اور اسٹریٹیجی وضع کرنے کے لیے قائدین ناگزیر ہیں۔ اس حصے میں ہمارا ہدف وہ قائد ہے جو ذہنی و نفسیاتی سطح پر قیادت کرنے کے قابل ہو۔

قائدین کو ہم جو پہلی رہنمائی کرتے ہیں وہ علم و معرفت کا حصول ہے، یعنی اپنے آپ کو جاننا، اپنے سپاہیوں کو جاننا، اپنی صلاحیتوں کو جاننا، اپنی حدود کو جاننا، اپنے اتحادیوں کو جاننا، اور اپنے دشمن اور اس کے اتحادیوں کو ایسے جاننا جیسا خود اپنے آپ کو جانتے ہیں۔

دوم، اگر آپ نے علم کے حصول کی از حد کوشش کر لی ہے تو پھر آپ کو موجودہ حالات کے بارے میں بخوبی بصیرت حاصل کرنی چاہیے۔ اس لیے نہ تو ماضی میں غرق رہیں اور نہ اندھیرے میں آگے چھلانگ لگائیں۔ جتنی ہم میں صلاحیت ہو کہ ہم حاضر پر توجہ مرکوز رکھ سکیں اور اپنے تجربات اور خیالات کو وقوع پذیر تبدیلیوں کے ساتھ ڈھالتے رہیں اسی قدر ہمارا ردِ عمل اور تعامل حقیقت پسندانہ ہو گا اور ہمارے اقدامات اتنے ہی متاثر کن ہوں گے۔

سوم، جب جنگ شروع ہو جاتی ہے تو ہم اس کے دباؤ میں آ جاتے ہیں اور اس کے واقعات سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ ’کیا ہم نے اپنی پوری کوشش کی؟‘ یہ سوال نفسیاتی دباؤ کا خوفناک دروازہ کھول دیتا ہے اور قیادت کو شک اور تردد کے گڑھے میں گرا دیتا ہے۔ اس کے علاج کے لیے مزید علم اور ذہانت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہاں ثابت قدمی، استقامت اور قوت کی ضرورت ہے۔ یہ ہنر سکھایا نہیں جاتا، بلکہ یہ سب سے پہلے تو اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے ملتا ہے اور اس کے بعد پے در پے مشقوں کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

چہارم، کچھ فیصلوں کے لیے عزم و استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ لمحے (آج یا ہمیشہ کے لیے) حق کے قیام اور باطل کو مٹانے کے لمحات ہوتے ہیں۔ یہی امتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے جہادی اقدامات کا نقطۂ آغاز تھا۔

وَاِذۡ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحۡدَى الطَّآٮِٕفَتَيۡنِ اَنَّهَا لَـكُمۡ وَتَوَدُّوۡنَ اَنَّ غَيۡرَ ذَاتِ الشَّوۡكَةِ تَكُوۡنُ لَـكُمۡ وَيُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّحِقَّ الۡحَـقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقۡطَعَ دَابِرَ الۡـكٰفِرِيۡنَ۝ (سورۃ الانفال: ۷)

”اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تم سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے کوئی ایک تمہارا ہو گا، اور تمہاری خواہش تھی کہ جس گروہ میں (خطرے کا) کوئی کانٹا نہیں تھا، وہ تمہیں ملے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے احکام سے حق کو حق کر دکھائے، اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے۔“

عسکری ماہرین کے ہاں ’موت کی سرزمین‘ کا تصور ہماری امت کے اوّلین تجربات کی پیداوار ہے۔ جو بھی اس کے بعد ہوا، وہ اس سے کم درجے کا تھا۔

اور چونکہ لوگ ان سو اونٹوں کی طرح ہوتے ہیں جن میں سواری کے قابل کم ہی ملتا ہے اس لیے ہمارا پہلا موضوع بھی قائدین کی ذہنی و نفسیاتی سطح پر تربیت کے متعلق تھا تاکہ جہادی سفر میں جو کچھ پیش آنا ہے اس سے انہیں خبردار کیا جائے اور اس کے لیے انہیں تیار کیا جا سکے۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۳ پر)

ساتویں قسط

القاعدہ کیوں؟

لماذا اخترت القاعدة؟

میں القاعدہ میں کیوں شامل ہوا؟

تالیف: شیخ ابو مُصعب العولقی شہید | استفادہ واضافہ: معین الدین شامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء.
اللّٰهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمين!

(۱۰)......کیونکہ وہ راہِ ملتِ ابراہیم علیہ السلام پر چلنے والے خوش نصیب ترین لوگوں میں سے ہیں!

جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ابراہیم علیہ السلام کی کی ملت کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ اللہ پاک کا فرمان ہے:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (سورۃ البقرۃ: ۱۳۰)

”اور کون ہے جو ابراہیمؑ کے طریقے سے انحراف کرے؟ سوائے اس شخص کے جو خود اپنے آپ کو حماقت میں مبتلا کر چکا ہو۔“

پس بے وقوف وہی ہے جو ملتِ ابراہیمؑ سے انحراف کرے۔ بندۂ مومن تو ہمیشہ شرعی نصوص کا تابع ہوتا ہے، اور اگر عقل و شریعت کے درمیان جھگڑا واقع ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی عقل پر شک کرے۔ سچی بات یہ ہے کہ ہمیں شریعت کے مقابلے میں نہ بے ہودہ پالیسیوں کی ضرورت ہے اور نہ کھوکھلی عقلوں کی۔ میں نے اس نکتے کے عنوان میں کہا تھا کہ القاعدہ کے علماء و مجاہدین ملتِ ابراہیم علیہ السلام پر چلنے والے لوگوں میں سے خوش نصیب ترین لوگوں میں سے ہیں۔

بھائیو! آیئے! ہم اللہ کے کلام کے مطابق ملتِ ابراہیم علیہ السلام کا تجزیہ کرتے ہیں اور پھر ان باتوں کو حالات پر منطبق کر کے دیکھتے ہیں کہ آیا معاملہ ایسا ہی ہے یا نہیں؟ فلہٰذا اس عنوان میں موجود میرے دعوے کو رد کرنے میں جلد بازی نہ کیجیے۔ آیئے اللہ پاک کا یہ فرمان دیکھتے ہیں:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰۗؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (سورۃ الممتحنۃ: ۴)

”تمہارے لیے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ہمارا تم سے اور اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کرتے ہو، ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا ہے جب تک تم صرف ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔“

پس ہمارے لیے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے طرزِ حیات میں بہترین نمونہ ہے۔ جب وہ کمزوری کے دور میں تھے تو انہوں نے کفار اور ان کی عبادت سے برأت کا اعلان کیا، اور بعض علماء کے بقول یہ اعلانِ برأت باطل عبادتوں اور باطل ادیان سے قبل ان ادیان اور ان خاص قسم کی عبادتوں کے پجاریوں سے ہے۔ اس لیے کہ انسان بعض دفعہ باطل طریقوں اور باطل عبادتوں سے تو برأت اختیار کرتا ہے، لیکن دنیوی مفادات کی بنا پر عبادت کرنے والوں یعنی لوگوں سے برأت نہیں کرتا۔ پس کوئی ملتِ ابراہیم کا سچا پیروکار اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ باطل ادیان کے ساتھ ساتھ ان باطل ادیان کے پیروکاروں سے بھی بیزاری و برأت کا اظہار نہ کرے۔ پھر ان حضرات نے صرف اعلانِ برأت ہی نہیں کیا، بلکہ مزید یہ بھی کہا کہ ﴿ كَفَرْنَا بِكُمْ ﴾، ’ہم نے تمہارا کفر کیا‘، تاکہ اللہ کے دوستوں اور اللہ کے دشمنوں کے درمیان واضح حدِ فاصل معلوم ہو جائے۔ ﴿ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا ﴾، ’اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا ہے‘، ان حضرات نے دشمنی کو نفرت و بغض پر مقدم رکھا کیونکہ دشمنی اعلانیہ ہوتی ہے، اور یہ دشمنی اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ یہ اللہ کے کافر، اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان نہ لے آئیں۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے، اب آپ آئندہ سطور میں دیکھیے کہ کیسے اس ملت کی صفات القاعدہ پر بھی منطبق ہوتی ہیں۔

(۱۱)......ہے ملتِ ابراہیم علیہ السلام کا تقاضا: کفار سے برأت!

القاعدہ امتِ مسلمہ کی مضبوط ترین اسلامی جماعتوں میں سے ایک ہے جو کفار سے برأت کا اعلان کرتی ہے، خواہ وہ کافرِ اصلی ہوں یا مرتدین۔ تعجب کی بات ہے کہ کچھ لوگ وضعی یا اللہ کی شریعت کے مقابلے میں بنائے گئے قوانین کو کفر مانتے ہیں اور اس مسئلے پر اہل السنۃ کا اجماع بھی نقل کرتے ہیں، مگر ان قوانین کے بنانے اور دل و جان سے ماننے والوں سے برأت اختیار نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ غیر شرعی قوانین ان ریاستوں کے آئین میں واضح

طور پر موجود ہیں، فلاں صفحہ، فلاں قانون، فلاں سیکشن، فلاں دفعہ وغیرہ۔ لیکن آپ کہتے ہیں کہ یہ قانون تو کفری ہے لیکن اس کو وضع کرنے والے اور اسے غیر اللہ کا قانون جاننے کے باوجود بزور نافذ کرنے والے مسلمان ہیں؟ آپ کہتے ہیں کہ ان لوگوں پر اتمامِ حجت نہیں ہوا۔ اب بتائیے کہ اتمامِ حجت ظاہری مسائل میں قائم کیا جاتا ہے یا خفیہ مسائل میں؟ علماء کہتے ہیں کہ 'اتمامِ حجت کا اطلاق صرف خفیہ عقائد پر ہوتا ہے'۔ ایک واضح عمل ہے جو اللہ کی شریعت کے خلاف ہے، کیا اس پر پہلے اتمامِ حجت کیا جائے؟ کیا یہ بتایا جائے کہ سود و ربا، ایل جی بی ٹی کیو پلس (LGBTQ+)، ٹرانس جینڈرازم، زناء بالرضاء، اور اٹھارہ سال سے کم عمر کے نکاح کو 'حرام' قرار دینا، یہ سب خود حرام امور ہیں اور کتابوں سے ایسے واضح منکرات و حرام افعال کے لیے نصوص نکال کر لائی جائیں، پھر اتمامِ حجت ہو کہ زنا حرام ہے، پھر ان قانون سازوں کو سمجھایا جائے؟ فیا للعجب!

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”حجة الله برسله قامت بالتمكن من العلم، فليس من شرط حجة الله تعالى علم المدعوين بها، ولهذا لم يكن إعراض الكفار عن استماع القرآن وتدبره مانعاً من قيام حجة الله تعالى عليهم، وكذلك إعراضهم عن استماع المنقول عن الأنبياء وقرأة الآثار المأثورة عنهم لا يمنع الحجة إذ المكنة حاصلة.“ (الرد على المنطقيين)
>
> ”اللہ کی حجت اس کے رسولوں کے ذریعے علم تک رسائی سے قائم ہو جاتی ہے، اور یہ شرط نہیں کہ جن پر حجت قائم ہو، وہ اسے جانتے بھی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ کفار کا قرآن سننے اور اس پر غور کرنے سے اعراض کرنے کے سبب سے اللہ کی حجت ان پر قائم ہونے سے مانع نہیں ہے۔ اسی طرح انبیاء کی منقول باتوں کو نہ سننا اور آثار و روایات کا مطالعہ نہ کرنا بھی اتمامِ حجت کے قائم ہونے میں مانع نہیں ہے، کیونکہ علم حاصل کرنے یا حق کو سمجھنے کی کوشش کی قدرت و صلاحیت موجود ہے۔“

کویت کے آئین میں شہری قوانین کی دفعہ اول دیکھیے:

> ”اگر کوئی قانونی نص موجود نہ ہو، تو قاضی عرف کے مطابق فیصلہ کرے گا...... اور اگر عرف بھی نہ ہو تو فقہِ اسلامی کی روشنی میں، بشرطیکہ وہ ملک کے حالات اور مفادات سے ہم آہنگ ہو۔“

خود ہی فیصلہ کیجیے، اللہ کی شریعت اور فقہِ اسلامی کی اس آئین و قانون میں کتنی حیثیت ہے؟

آئینِ پاکستان کے باب ۹ 'اسلامی احکام کا انطباق' کی دفعہ ۲۲۷، شق اول میں درج ہے:

> ”پاکستان میں تمام موجودہ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق بنایا جائے گا اور کوئی ایسا قانون نافذ نہیں کیا جائے گا جو قرآن و سنت کے منافی ہو۔“

جب پاکستان کی عدالتِ عظمیٰ میں اسی مذکورہ شق پر بحث ہوئی تو چیف جسٹس نے کہا کہ عدالت کے لیے اس آئین کی تمام شقیں ایک جیسی ہیں (یعنی کوئی بھی اور انسانی ساختہ غیر شرعی شق بھی اور یہ بات بھی کہ یہاں قرآن و سنت کے مخالف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا، دونوں باتوں کی حیثیت برابر ہے) اور کس شق کو کیسے ترجیح دینی ہے اور کیسے اس کی تطبیق کرنی ہے یہ کام عدالت عظمیٰ کا ہے۔

کیا اللہ کی شریعت اور غیر اللہ کے بنائے قوانین و آئین سازی، اس کی تشریح اور اس کے نفاذ کرنے والے عین مسلمان ہیں؟ ستم بالائے ستم یہ کہ اس قسم کی قانون سازی اور اس قسم کے آئین کے بعد، مثلِ 'چوری پر سینہ زوری' یہ ہے کہ ایسے ہی کالے قوانین کی بنیاد پر ان جدید 'ریاستوں' کو 'اسلامی' کہا جائے کی دھونس بھی ہے۔ یعنی حقوقِ نسواں بل سے حالیہ اٹھارہ سال سے کم عمر کے نکاح کو 'اسلامی' آئینِ پاکستان کے مطابق 'حرام' قرار دینے تک کے مسئلے پر جو بولے، اور جو ان قوانین و آئین و دساتیر کے اس کفری مواد کو کفر کہے تو وہی 'خارج عن الملة'، یہ شخص خارجی و تکفیری ہے؟

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

ملتِ ابراہیم کفار سے دشمنی اور بغض کا اعلان ہے، اور القاعدہ یہود، نصاریٰ اور منافقین سے شدید ترین دشمنی رکھنے والے اہلِ ایمان میں سے ایک تنظیم ہے، برخلاف ان لوگوں کے جو انہیں کافر سمجھتے ہیں لیکن کمزوری کا بہانہ بنا کر اپنے اس عقیدہ کا اظہار نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ تم طاغوتوں سے برأت کو کمزوری کے بہانے کیوں چھپاتے ہو؟ جبکہ تمہارا یہ آج کا دور تو مکی دور سے زیادہ طاقت ور ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کا اصل پیغام علی الاعلان اور ببانگ دہل پیش کیا!

پس اب معاملہ یہ ہے کہ یا تو تم لوگ واقعی مشکلات و مصائب برداشت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور یہ واقعی کمزوری ہے (اور یہ عذر بھی مقبول ہو سکتا ہے اگر معاملہ صرف حق بات کو آزمائشیں برداشت نہ کر سکنے کے سبب چھپانے کی حد تک ہو، لیکن اگر تم حق کے خلاف بولنا بھی شروع کر دو اور کفری قوانین ہی کو اسلامی کہنا شروع کر دو تب یہ عذر کیسے قبول ہو گا؟) یا تم مصالح و مفاسد کے مطابق اظہار و کتمان کا دعویٰ کرتے ہو۔ لیکن یاد رہے وہ مصالح جو ملتِ ابراہیم کے خلاف جا رہے ہوں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے!

دو چیزوں میں واضح فرق ہونا چاہیے:

أ. وہ باتیں جن کا اظہار بہر حال و کیفیت ضروری ہے چاہے ہم کمزور ہی کیوں نہ ہوں، ان میں دعوت کے بنیادی اصول جیسے 'لا الہ الا اللہ' کا اعلان اور اللہ کے

سوا جن جن کی عبادت کی جاتی ہے ان سب سے 'کفر'۔ پرانے زمانے میں صلیب واصنام ہی کی عبادت کی جاتی تھی، دورِ جدید کے اصنام بھی جدید ہو گئے ہیں، بقولِ عارفِ لاہوری اقبالؒ:

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور

ان جدید 'حرموں' میں انسانی خود ساختہ قوانین (وضعی)، جمہوریت، ریاست و وطن کے بت، اقوامِ متحدہ اور اس کے واضح کفری چارٹر جو دینُ اللہ کو انتہائی محدود ذاتی دائرے میں مقید کرتے ہیں، نظامِ اقامتِ صلاۃ تا جہاد کو 'غیر قانونی' قرار دیتے ہیں، وغیرہ۔ اس طرح جن امور کو صراحتاً بیان کرنا ضروری ہے تو اس میں مظاہرۃ الکفار یعنی کفار سے دوستی وولاء کا تعلق، شرک و مظاہرِ شرک کی حفاظت اور ان سب مذکورہ یا اس نوعیت کے غیر مذکورہ امور سے برأت شامل ہے۔

ب. رہیں وہ باتیں جن کو چھپانا لازمی ہے تو ان میں مسلمانوں کی ملاقاتیں، خفیہ مجالس، جہاد و جہاد کے لیے تیاری کے مراحل، دیگر خدماتِ دین جن کے سبب کفار مسلمانوں کو اذیت دیتے ہیں تو ایسے امور سے متعلقہ افراد کی تفصیلات کو خفیہ رکھنا، نیز دیگر ضروری راز وغیرہ۔

القاعدہ نے اسوۂ ملتِ ابراہیم پر عمل کرتے ہوئے دنیا بھر کے طاغوتوں سے اعلانِ برأت کیا اور اپنی خفیہ سرگرمیاں مصلحت کے تحت چھپائیں۔ اب ملتِ ابراہیم کے زیادہ قریب کون ہوا؟ القاعدہ اور دیگرِ مجاہدین یا وہ جس نے طاغوتوں کا ہر قسم کا کفر جانتے ہوئے بھی ان سے نرمی برتی؟

کچھ حضرات کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ وہ ظاہر میں عوام اور عوامی اجتماعات کے سامنے کہتے ہیں کہ یہ حکمران مسلمان اور شرعی اولو الامر ہیں۔ پھر یہی لوگ اپنے بعض خاص حلقوں میں کہتے ہیں کہ یہ حکمران نہ اپنے ظاہر میں مسلمان ہیں نہ اپنے باطن میں، یہ حکمران منافقوں سے بھی اسفل ہیں بلکہ یہ تو کافر ہیں کافر!

کیا ملتِ ابراہیم اس کا نام ہے کہ اسامہ بن لادن وایمن الظواہری پر ظاہراً و باطناً طعن و تشنیع کی جائے، حالانکہ ان کا امت پر ایک عظیم احسان ہے، وہ کافروں کی ناک خاک آلود کرنے والے ہیں۔ ملتِ ابراہیم تو کفار کے لیے دشمنی اور نفرت کا اعلان ہے۔

القاعدہ نے یہود و نصاریٰ اور ان کے منافق ایجنٹوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا ہے، اور اس نے خلافتِ اسلامیہ کے نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر، فلپائن تا اندلس دوبارہ قائم ہونے تک جہاد کو جاری رکھنے کا اعلان کیا ہے۔ یہ جہاد صرف اندلس کی آزادی تک نہیں رکے گا، بلکہ یہ سلسلے آگے بڑھے گا یہاں تک کہ کفار کی سرزمینیں بھی فتح ہو جائیں، رومۃ الکبریٰ کے چوراہے، لندن کے ایوان اور واشنگٹن کا وائٹ ہاؤس۔ پس ایسا اعلان اور ایسا منصوبہ رکھنے والی امت خوش نصیب ترین امت اور ملتِ ابراہیم ہے اور القاعدہ اسی کا ہراول دستہ ہے۔ ہم تو رسولِ محبوب، محمدِ مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے امتی عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کے وارث ہیں، جنہوں نے جہاں تک ان کی سواریوں نے ساتھ دیا تو وہاں تک جہاد برپا کیے رکھا۔ پھر جب وہ افریقہ کے مغربی کنارے تک پہنچ گئے اور سامنے ایک ٹھاٹیں مارتا سمندر تھا تو وہاں انہوں نے اپنے گھوڑے کو سمندر میں ڈال دیا اور کہا:

"اللهم اشهد أني قد بلغت المجهود، ولولا هذا البحر لمضيت في البلاد أقاتل من كفر بك حتى لا يعبد أحد من دونك!"

"اے اللہ تو گواہ رہ کہ میں نے اپنی بھرپور کوشش کر لی ہے، اور اگر یہ سمندر میری راہ میں حائل نہ ہوتا تو میں تیرے دین کے دشمنوں سے لڑتا ہوا آگے بڑھتا رہتا، یہاں تک کہ زمین پر کوئی تیرے سوا معبود باقی نہ رہتا۔"

"يا ربّ لولا هذا البحر لمضيت في البلاد مجاهداً في سبيلك."

"اے میرے ربّ! اگر یہ سمند آڑے نہ آتا تو میں تیرے راستے میں جہاد کرتے ہوئے آگے بڑھتا رہتا۔"

خود امریکہ، جو کہ آج اسلام و اہلِ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے، یہی امریکہ گواہی دیتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ القاعدہ سے ڈرتا ہے اور دشمنی رکھتا ہے۔ شیخ اسامہ کو شہید کرنے کو امریکہ نے اپنی عظیم ترین کامیابی بیان کیا۔ رہے امریکہ کے دم چھلے اور غلام و خادم حکمران تو وہ بھی اسلام دشمنی اور امریکی وفا میں سب سے زیادہ القاعدہ ہی سے دشمنی رکھتے ہیں اور القاعدہ ہی کی قیادت کو امریکیوں کو بیچنے میں اپنے لیے سب سے بڑا فخر جانتے ہیں۔ کسی کے حق پر ہونے کی اس سے بڑی گواہی کیا ہو گی کہ اللہ کا دشمن اس کا دشمن ہو۔

اے بندۂ مسلمان! آج کے دور میں کاملاً و اکملاً ملتِ ابراہیم کی راہ پر عمل تبھی ممکن ہے جب اس راہ پر چلنے کی بھاری قیمت چکانے کا عزم و حوصلہ موجود ہو۔ اس کے لیے اپنے نفس کو اذیت برداشت کرنے کے لیے تیار کرنا پڑتا ہے اور ان تکلیفوں سے گزرے بغیر ملتِ ابراہیم کی راہ پر چلنا...... ایں خیال است و محال است و جنوں!

کچھ لوگ اس راہ کے ساتھ جڑنے اور اس راہ کے ساتھ جوڑنے کے بجائے اس راہ کو چھپانے پر راضی و قانع ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ وہ تبدیلی لانے پر قادر نہیں ہوتے۔ ایسے حضرات سے ہم کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے دو راہیں ہیں۔

أ. بات کو بیان کرنے کی قدرت

ب. تبدیلی لانے کی صلاحیت

پس اگر ہمارے پاس بات کہنے کی حد تک ہی قوت ہو تو یہی ہم سے مطلوب ہے، اس کو عملی تبدیلی برپا کر دینے سے مشروط نہیں کرنا چاہیے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۳ پر)

مدرسہ و مبارزہ

مدارس اور دینی جدو جہد کی تحریک

مولوی عبدالهادی مجاہد

زیرِ نظر تحریر افغانستان سے تعلق رکھنے والے عالم، داعی اور فکری جنگ پر دقیق نظر رکھنے والے مفکر فضیلۃ الشیخ مولوی عبد الہادی مجاہد (دامت برکاتہم) کی پشتو تصنیف 'مدرسه او مبارزه' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر افغانستان میں مدارس اور دینی تعلیم کے نظام کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے، لیکن کتاب میں بیان کی گئی امت مسلمہ کی حالت اور اس حوالے سے جو مطالبہ ایک افغان عالمِ اور مدرسے سے کیا گیا ہے وہ در حقیقت باقی عالمِ اسلام کے علماء اور مدارس سے زیادہ مطلوب ہے۔ اس لیے کہ افغانستان میں تو آج ایک شرعی واسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے جبکہ باقی عالَمِ اسلام اس سے کہیں پیچھے ہے۔ اس کتاب کے اصل مخاطبین علماء وطلبہ ہیں جن کی تاریخ بالاکوٹ، شاملی، صادق پور اور دیوبند کے پہاڑوں، دروں، میدانوں اور مساجد و مدارس کے در و دیوار پر نوشتہ ہے! ومن الله التوفيق! (ادارہ)

باب سوم: مدارس کے موجودہ تعلیمی نصاب میں معاصر فکری ادب کی کمی ایک ناقابلِ تلافی خسارہ (۲)

فکری جنگ کو سمجھنا اور اس کا مقابلہ کرنا کیوں ضروری ہے؟

اس لیے کہ جب ہم اس جنگ کی حقیقت کو سمجھ لیں تو ہمیں یہ احساس ہو گا کہ دینی مدارس کے نصاب میں اس جنگ سے متعلق علوم اور فکری لٹریچر کو شامل کرنا کتنا ضروری ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ ہم اسلام کے دفاع کے لیے ایک نہایت بڑی اور پیچیدہ جنگ میں مصروف ہیں، جو زندگی کے تقریباً ہر شعبے میں جاری ہے۔ یہ جنگ عسکری، معاشی، فکری، ثقافتی، ادبی، اخلاقی، دینی، سماجی ڈھانچے اور زندگی کے ہر شعبے میں چل رہی ہے، اور اس خلا کو پُر کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

اس پیچیدہ جنگ کے منصوبہ سازوں نے امتِ مسلمہ کے اندر اُن افراد کی بڑی باریکی سے نشاندہی کی ہے جنہیں وہ اپنا ہدف بنانا چاہتے ہیں۔ پھر ہر ایک کو متاثر کرنے کے لیے اُن کی فکر و نظریے کو بدلنے اور ذہن سازی کے مختلف پروگرام اور ذرائع ترتیب دیے ہیں، تاکہ وہ انہیں اسلامی عقائد، افکار اور اقدار سے دور کر کے اپنے پیچھے لگا سکیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ بیگانے نظریات اور افکار مسلمانوں کے دل و دماغ میں اس طرح جگہ بنا لیتے ہیں کہ وہی انہیں اصل اور سچ لگنے لگتے ہیں۔

اس جنگ کے ماہرین نے عورتوں کے لیے بھی مخصوص فکری اقدار اور حیثیتیں تراش رکھی ہیں تاکہ مسلمان عورت مغربی اقدار اپنا کر اپنے فطری اور شرعی مقام سے ہٹ جائے۔ ”عورت کی آزادی“، ”عورت کے حقوق“ اور ”مساواتِ مرد وزن“ کے نعرے بلند کر کے اسے اپنی دینی ذمہ داریوں کے مقابل لا کھڑا کیا جائے۔

خواتین بھی بغیر اس پر غور کیے کہ آیا وہ حقوق ان کے لیے بہتر ہیں جو اسلام اور ان کی اپنی معاشرت نے ان کے لیے مقرر کیے ہیں، جن میں ان کا دینی، فکری، اخلاقی اور سماجی مقام محفوظ رہتا ہے، یا وہ حقوق اور مطالبات ان کے حق میں ہیں جو کسی دوسرے دین، دوسری تہذیب، دوسرے عقیدے، دوسرے ماحول یا حتیٰ کہ کسی دوسرے براعظم کے لوگوں نے ان کے لیے طے کیے ہیں، مغربی نعروں کے پیچھے چل پڑتی ہیں؟

ہم دینی مدارس سے وابستہ افراد کو یہ بات بھی سمجھنی چاہیے کہ اقتصادی میدان میں بھی مسلمانوں کی معیشتوں پر ایسی مافیا نما تنظیمیں اور ادارے مسلط کیے گئے ہیں کہ سرمایہ، معاشی قوانین، ضوابط، لین دین اور مالی نظام سے متعلق جو کچھ بھی بنایا چلتا ہے، اس کی ترتیب اور نظام سازی میں طاقتور حکومتوں اور بڑی عالمی معاشی طاقتوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔

سرمایہ کی تنظیم اور گردش یوں مرتب کی جاتی ہے کہ زمین اور معدنیات تو ہماری ہوں، لیکن ان کے فوائد دوسروں کو پہنچیں۔ اقتصادی سرگرمیاں اس طرح ڈھالی جاتی ہیں کہ مسلمان، خصوصاً اسلامی تحریکیں، کمزور ہوں اور دب جائیں۔ معاشی معاملات کی باگ ڈور ایسے لوگوں کو دی جاتی ہے جن کا دین سے کوئی تعلق اور التزام نہ ہو۔ بڑی بڑی معاشی کمپنیوں کے سربراہان، کلیدی وزارتوں کے وزراء، اور بنیادی ضرورت کی اشیاء کی قیمتیں طے کرنے والے در حقیقت مسلمانوں میں غربت پیدا کرنے والے اور عالمی استحصالی طاقتوں کے شریک کار ہوتے ہیں۔

مدارس سے وابستہ افراد کو اچھی طرح سمجھنا چاہیے کہ دشمن نے زندگی کے ہر شعبے کو اپنا ہدف بنایا ہے، اور ہر میدان میں ہمیں کمزور کرنے اور ہمارے اثر و رسوخ کو ختم کرنے کے لیے منظم منصوبے تیار کیے ہیں۔ انہوں نے ایسے افراد تیار کیے، ان کے لیے ادارے اور تنظیمیں بنائیں، اور ان پر ماہرین اور ٹیکنوکریٹس کی ایسی پُر فریب شناخت مسلط کی کہ گویا یہی لوگ اسلامی ممالک کی اصل پہچان ہیں۔ انہیں نظام کے مخلص منتظم، وطن کے رہنما، قوم

کے خیر خواہ اور عوام کے حقیقی غم خوار بنا کر پیش کیا گیا۔ یہ تاثر دیا گیا کہ اگر یہ لوگ نہ ہوں تو ملک تباہ ہو جائیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ طبقہ، اپنے تمام عہدوں اور القابات کے باوجود، اس امت کے دین، اقدار، مفادات، ترجیحات اور مستقبل سے کوئی حقیقی وابستگی یا عہد نہیں رکھتا۔

اس حقیقت کو بھی ہمیں سمجھنا ہو گا کہ ہم مسلمان اسلام کے غلبے اور حاکمیت کے لیے ایک عظیم جنگ میں مصروف ہیں۔ لیکن یہ جنگ نہایت پیچیدہ، باریک اور زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔ جب یہ جنگ اس قدر وسیع اور ہر شعبۂ زندگی کو گھیرے ہوئے ہے تو ہم میں سے ہر ایک کو اپنے آپ سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ ہمارے علماء، طلباء، اساتذہ، شاگرد اور پڑھے لکھے و ناخواندہ عوام ان سب کی اس جنگ کے بارے میں آگاہی اور بصیرت کس درجے کی ہے؟ کیا وہ دشمن کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ یا کم از کم اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ کر سکتے ہیں؟

دینی مدارس میں فکری جنگ کے موضوعات سے آگاہی اور اس کے ذریعے لوگوں کو فکری فتنوں کے شر سے بچانا بالکل ایسا ہے جیسے کسی شہر میں حکومت اور نظام قائم ہو، مواصلات کا نظام موجود ہو، موسمیات کا فعال نظام ہو اور محکمہ موسمیات عوام کو علم و سائنس کی بنیاد پر بارش، برفباری اور طوفان کے بارے میں بروقت اور درست معلومات فراہم کرے کہ کس وقت بارش یا طوفان آئے گا، کتنی دیر تک رہے گا، اس کے ممکنہ خطرناک نتائج کیا ہوں گے، اور عوام کو کس طرح کے حفاظتی اقدامات کرنے چاہییں۔ ایسی صورت میں اگر بڑے سیلاب اور طوفان بھی آ جائیں تو بڑے نقصانات نہیں ہوں گے، اگرچہ لوگ سیلاب یا طوفان کو روک نہیں سکتے، لیکن کم از کم اپنی جانوں اور ضروری سامان کو بچا سکتے ہیں۔ لیکن اگر کسی ملک میں موسمیات کا کوئی نظام یا آگاہی نہ ہو، اور بارش یا طوفان اچانک اس وقت آ جائے جب لوگ بے خبر اور سو رہے ہوں، تو جب تک وہ جاگیں گے، تب تک بڑا نقصان ہو چکا ہو گا۔

پس یہ کہا جا سکتا ہے کہ خطرات کی پہچان، دشمن کے منصوبوں اور سازشوں سے باخبر رہنا، اور اس عظیم و پیچیدہ جنگ کے فکری و فلسفیانہ لٹریچر کو سمجھنا وہ امور ہیں جو ہمیں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرتے ہیں، اور اگر ہم مقابلہ نہ بھی کر سکیں تو کم از کم اپنے آپ اور اپنی قوم کو ایک حد تک ان خطرات سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

اہلِ مدارس کو فکری جنگ کا مقابلہ کیوں کرنا چاہیے؟

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ میں وابستگانِ مدارس سے مغرب کے فکری اثرات کے سدباب کی توقع کیوں رکھتا ہوں اور اسے ان کی بنیادی ذمہ داری کیوں سمجھتا ہوں؟ اس کے دو اہم دلائل ہیں:

۱. اہلِ مدارس سے اس لیے فکری جنگ کا مقابلہ کرنے کی توقع کی جاتی ہے کہ دینی تعلیم، دینی رہنمائی اور دینی خدمت کی ذمہ داری انہی کے کندھوں پر ہے۔ فکری اور علمی اعتبار سے دین کا دفاع کرنا بھی انہی کا کام ہے۔

انہیں چاہیے کہ دشمن کی فکری یلغار کا ڈٹ کر مقابلہ کریں، دشمن کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں ڈالے گئے شبہات کا مدلل جواب دیں، اور نئی نسل کے ان لاکھوں افراد کو جو دشمن کے پروپیگنڈے اور فکری و تہذیبی اثرات کی وجہ سے گمراہ ہوئے ہیں اور دشمنوں پر بھروسہ کرنے لگے ہیں، دوبارہ اپنے دینی اور سماجی اقدار کی طرف لوٹائیں۔

اگرچہ اسکول اور یونیورسٹیاں علم کے بڑے اور اہم مراکز ہیں، لیکن فی الحال ان سے دشمن کی فکری جنگ کا مقابلہ کرنے کی توقع اس لیے نہیں کی جا سکتی کہ یہ ادارے ایسے سیکولر طرز کے نظاموں کے تحت قائم اور چلائے گئے ہیں، جو نہ دین کی بالادستی پر یقین رکھتے تھے، نہ دین کی اشاعت اور اس کے دفاع کا ارادہ رکھتے تھے، اور نہ ہی اپنے نصاب اور تعلیمی ڈھانچے کو اس مقصد کے لیے بنایا تھا کہ طلبہ ان سے دینی فکر حاصل کریں۔

یہ درست ہے کہ ان تعلیمی اداروں نے سماجی، ادبی، سائنسی، تجرباتی اور انسانی علوم میں لوگوں کو ماہر بنایا، لیکن فکری لحاظ سے انہوں نے اپنے طلبہ کو نہ اسلامی فکر اور تہذیب میں پروان چڑھایا، اور نہ ہی انہیں مغربی مادی فکر کے زہریلے اثرات سے بچایا۔ ایسے نصاب اور تربیت کے نتیجے میں ایسے پڑھے لکھے طبقے وجود میں آئے جن میں سے اکثر نے معنویت اور دینی ذمہ داریوں کے بجائے مادی مفادات کو ترجیح دی۔ اسی بنا پر وہ یا تو دشمن کے ساتھ کھڑے ہوئے، یا کم از کم دین اور وطن کے دفاع کی جدوجہد میں شامل نہ ہو سکے جس کا فائدہ بالآخر دشمنوں کو ہی ہوا۔

اس کے برعکس، مدرسے کی فکر سے سیراب ہونے والے اکثر لوگوں نے بیرونی یلغار کے مقابلے میں دین اور وطن کا دفاع کیا، آزمائش کے وقت اپنا استقلال قائم رکھا، فقر اور بھوک پر صبر کیا، اپنے دینی اور سماجی اقدار سے وابستگی دکھائی، اپنے اقدار کی حفاظت کی اور ان پر کسی کے ساتھ سودے بازی نہیں کی۔

۲. اہلِ مدارس سے دشمن کی فکری یلغار کے مقابلے کی توقع اس لیے بھی کی جاتی ہے کہ قوم و ملت کے افراد دینی معاملات میں اہلیانِ مدارس پر اعتماد کرتے ہیں۔ روزانہ کم از کم پانچ وقت ان کی اقتدا کرتے ہیں اور ان کی بات سنتے ہیں، جبکہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے پاس صرف ضرورت کے وقت جاتے ہیں۔

اس فرق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، اگر اہلِ مدارس عصرِ حاضر کی فکری اور تہذیبی جنگ کے بارے میں فکری لٹریچر، جدید معلومات، اور مقابلے کی حکمتِ عملی رکھتے ہوں، عوام کو دشمن کی فکری جنگ کے خطرے سے آگاہ کر سکیں، اور ایمان کے تحفظ کی اس خطرناک معرکہ آرائی میں لوگوں تک دین کے اصل مفاہیم عصرِ حاضر کی زبان

میں پہنچا سکیں، تو عوام ان کے لیے ایسے تیار سپاہی شمار ہوں گے جو ہر حال میں بغیر کسی معاوضے کے ان کی بات مانیں گے اور قربانی دینے پر آمادہ رہیں گے۔

افغان معاشرے میں عوام اور ملّا (امام مسجد)، مسجد اور مدرسے کے درمیان اتنا مضبوط تعلق ہے کہ کوئی آسانی سے اسے توڑ نہیں سکتا۔ افغانستان میں جتنے بھی مغرب نواز نظام اور جماعتیں آئیں اور عوام کو ملّا سے کاٹنے کی کوشش کی، وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکیں کہ عوام اور ملّا کو ایک دوسرے سے جدا کر دیں۔

چونکہ اس معاشرے میں ملّا اور مدرسہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں، اس لیے محراب و منبر کے وارث میں یہ صلاحیت پیدا ہونی چاہیے کہ وہ اس پیچیدہ، ہمہ جہت اور خطرناک جنگ کی قیادت اور رہنمائی کر سکے۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ہر زمانے کی اپنی فتنہ انگیزیاں اور کفر و گمراہی کی اپنی صورتیں رہی ہیں۔ ان کے خلاف جدوجہد اور ان کے ساتھ علمی مباحثے کے لیے الگ معلومات اور الگ طریقۂ استدلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی مقصد کے لیے ماضی میں ”منطق“ کے نام سے عقلی علوم پڑھائے جاتے تھے۔

لیکن آج کے دور میں کفر کے افکار، کفر اور اسلام کے درمیان تصادم کے میدان، مقابلے کے ذرائع اور طریقے بالکل بدل چکے ہیں۔ دشمن کے اثر و رسوخ کے وسائل بہت ترقی یافتہ ہو گئے ہیں۔ اس نے فضاؤں پر قبضہ کر لیا ہے، اور کمپیوٹر کے ایک بٹن دبانے سے کروڑوں مسلمانوں تک اپنا پیغام پہنچا دیتا ہے۔ اپنی ریاستوں، کمپنیوں، فلم سازی کے اداروں، سیاسی، علمی و فکری مراکز اور منظم پروگراموں کے ذریعے مسلمانوں کی نئی نسلوں کو متاثر کرتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ دینی مدارس بھی اپنے طلبہ کو ایسی تربیت دیں کہ وہ نئے حالات کا بخوبی مقابلہ کر سکیں۔

اگر منطق کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کے ساتھ اس کے ذریعے استدلال کیا جائے، تو آج کی فکری اور اعتقادی گمراہ جماعتیں موجودہ فکری جنگ میں پرانی منطقوں سے استدلال نہیں کرتیں۔ اسی لیے ضروری ہے کہ مدارس میں پرانی منطق کی مقدار کم کی جائے اور اس کی جگہ طلبہ کو ایسی نئی منطق اور استدلال سکھایا جائے، جس کے ذریعے آج اسلام کا دفاع کیا جا سکے اور کفر و گمراہی کی جدید شکلوں جیسے کمیونزم، لبرل ازم، نیشنلسٹ نظریات، ریشنلزم (عقل پرستی)، ہیومینزم اور جدید الحاد کی دوسری صورتوں کے خلاف مؤثر انداز میں مقابلہ کیا جا سکے۔

آج دشمن نے مسلمانوں کو متاثر کرنے کے لیے اپنے افکار، جنگ کے میدان، ذرائع اور مسلمانوں پر ضرب لگانے کے اہداف نہایت باریکی اور مہارت سے طے کر رکھے ہیں۔ آج دشمن نے امتِ مسلمہ کے افراد اور مجموعی طور پر امتِ مسلمہ کو بھی اپنے ہدف بنا رکھا ہے تاکہ منظم طریقے سے ان سب میں اپنی مرضی کے مطابق تبدیلی لے آئے۔

لیکن افسوس کہ ہم مدارس میں ایسی استدلالی منطق نہیں پڑھاتے جو موجودہ فکری، اعتقادی، اخلاقی، تہذیبی اور ثقافتی جنگ کے میدان میں عالم اور طالب علم کے ہاتھ میں استدلال کا مؤثر ہتھیار دے سکے۔

آج مدارس میں ہمارے رائج نصاب کے اثرات کی وجہ سے ہمارا طالب علم جسمانی طور پر اکیسویں صدی میں زندگی گزار رہا ہے، لیکن فکری، نفسیاتی اور تصوراتی لحاظ سے وہ نویں، دسویں، گیارہویں اور بارہویں صدی میں جی رہا ہے۔ البتہ یہ بات میں شریعت کے نصوص اور ان کے فقہی فہم کے حوالے سے نہیں کر رہا، کیونکہ شریعت کے نصوص اور ان کا فقہی فہم کل بھی تازہ تھا، آج بھی تازہ ہے، اور تب تک تازہ رہے گا جب تک یہ دنیا قائم ہے۔

یہ فرق میں اس لحاظ سے ذکر کر رہا ہوں کہ ہر دور میں تہذیبوں کے تصادم اور مقابلے کی صورت میں مختلف ثقافتیں، مختلف اصطلاحات، مختلف استدلال کے طریقے اور مختلف فکری ادبیات وجود میں آتی ہیں، اور اسی وقت ان کے ذریعے اسلام اور مسلم امت کے اقدار کا دفاع کیا جاتا ہے، جس کی بدقسمتی سے آج ہمارے مدارس میں تدریس نہیں کی جاتی۔

اس بات کو واضح کرنے کے لیے کہ مدارس میں پرانی منطق کی اتنی ضرورت نہیں جتنی کہ فکری مقابلے کے جدید علوم کی ضرورت ہے، میں ایک فرضی مثال پیش کرتا ہوں:

فرض کریں کہ ہمارے ہر گاؤں میں پانچ سو گھر ہیں، اور ہر گھر میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی بلوغت کی عمر کو پہنچ چکے ہیں، تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور کسی سے متاثر ہو رہے ہیں۔ اور یہ تمام نوجوان اس موجودہ فکری، اخلاقی، تہذیبی، دینی، تاریخی اور اقداری جنگ کے شعلوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اگر ہم اپنی معاشرت کی حقیقت کے مطابق ایک فرضی شمار یہ ذہن میں لیں، تو ان ہزار افراد میں سے شاید بیس، تیس یا پچاس لوگ دینی مدرسے جاتے ہوں گے، لیکن باقی نو سو پچاس افراد اسکول یا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں۔

اب اگر یہ سوال کریں کہ ان ہزار افراد میں سے کتنے لوگ دینی عالم سے ارسطو، افلاطون اور فارابی کی منطق چاہتے ہیں؟ جواب واضح ہے کہ صرف وہ پچاس لوگ اور بس۔ لیکن وہ لوگ جو الحاد، سیکولرازم، قوم پرستی، انسان پرستی، عقل پرستی اور مغرب کے دیگر وارد شدہ فتنوں سے محفوظ رہنے کے لیے علم حاصل کریں، اور ان کے ذریعے تمام خاندان معاصر فتنوں سے محفوظ رہیں، وہ صرف پچاس نہیں، بلکہ ہزاروں ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم مدرسے میں پرانی منطق کی سولہ کتابیں صرف ایک گاؤں کے پچاس افراد کو تعلیم دینے کے لیے پڑھاتے ہیں، لیکن آج کے زمانے کے فتنوں اور تقاضوں سے ہزاروں مسلمانوں کو آگاہ کرنے اور جدید زمانے کے باطل کی پہچان کرانے کے لیے ایک کتاب بھی نہیں پڑھاتے!

اسلامی دنیا میں فکری جنگ کے مقابلے کے دو عظیم مجاہد علماء

آج عالمِ اسلام میں بہت سے معاصر علماء، داعیانِ دین اور مفکرین نے فکری میدان میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے ایسے علمی و دعوتی کام اور تصنیفات پیش کی ہیں جن کے ذریعے اسلام کے دشمنوں کے فکری اثرات کی روک تھام ہوئی اور مسلمانوں کو درپیش خطرات سے آگاہ کیا گیا۔

ان علماء میں دو عظیم مجاہد علماء ایسے ہیں جنہوں نے اپنی فکر اور علمی خدمات کے ذریعے پورے عالمِ اسلام کے مسلمانوں کو کفار کی فکری جنگ کے مقابلے میں بیدار کیا، معاصر جدوجہد کا منہج اور فکری اسلوب سکھایا اور انہیں فکر کے ہتھیار سے مسلح کیا۔ یہ دو عظیم شخصیات درج ذیل ہیں:

۱. علامہ سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

۲. استاد محمد قطب رحمہ اللہ

علامہ سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ

علامہ ندوی ۱۹۱۴ء میں ہندوستان کے صوبہ اترپردیش کے ضلع رائے بریلی کے گاؤں تکیہ کلاں میں ایک عظیم علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد، علامہ سید عبدالحی حسنی رحمہ اللہ، نے ہندوستان کے گذشتہ آٹھ صدیوں میں گزرے ہوئے علماء کے تذکروں اور سوانح پر آٹھ جلدوں پر مشتمل ایک عظیم کتاب ''الاعلام بمن في تاريخ الهند من الأعلام'' لکھی، جو دنیا کی بڑی لائبریریوں میں ایک اہم علمی مأخذ شمار ہوتی ہے۔

علامہ ندوی نے چودہ برس کی عمر تک مروجہ علوم حاصل کیے۔ انہوں نے فارسی، عربی اور انگریزی زبانیں سیکھیں اور پندرہ سال کی عمر (۱۹۲۹ء) میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے درسِ حدیث مکمل کیا۔ اس کے بعد لاہور میں علامہ احمد علی لاہوری رحمہ اللہ سے علمِ تفسیر میں اکتسابِ فیض کیا اور دارالعلوم دیوبند میں علامہ حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے حدیث و تفسیر کی تعلیم پائی۔

۱۹۶۱ء سے لے کر ۱۹۹۹ء تک، یعنی اپنی وفات تک، وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے صدر رہے۔ اسلامی فکر اور امتِ مسلمہ کے اہم مسائل پر انہوں نے تین سو سے زائد کتابیں اور رسائل اور سیکڑوں مقالات تحریر کیے۔

علامہ ندوی نے عربی و اسلامی دنیا کے متعدد علمی مجلات میں لکھا اور دنیا کے بڑے علمی مراکز اور اداروں میں صدر یا رکن رہے۔ چند ادارے درج ذیل ہیں:

۱. صدر دارالعلوم ندوۃ العلماء ہندوستان (ہندوستان)

۲. صدر رابطہ ادب اسلامی (ریاض، سعودیہ)

۳. صدر آکسفورڈ سنٹر فار اسلامک اسٹڈیز (انگلستان)

۴. ہندوستان میں مسلمانوں کے عائلی قوانین بورڈ کے صدر۔ (ہندوستان)

۵. اترپردیش کے اسلامی تعلیمات بورڈ کے صدر۔ (ہندوستان)

۶. رابطۂ عالمِ اسلامی کی تاسیس مجلس کے رکن۔ (مکہ مکرمہ، سعودیہ)

۷. اسلامی دعوت کی عالمی مجلس کے بانی ارکان میں شامل۔ (قاہرہ، مصر)

۸. دمشق میں عربی زبان اور لغات کی انجمن کے رکن۔ (شام)

۹. قاہرہ میں عربی زبان اور لغات کی انجمن کے رکن۔ (مصر)

۱۰. عربی زبان اور لغات کی انجمن کے رکن۔ (اردن)

۱۱. اسلامی تہذیب و تمدن کی تحقیقاتی شاہی انجمن کے رکن۔ (اردن)

۱۲. مراکش میں دنیا کی اسلامی جامعات کی عالمی رابطہ کمیٹی کے رکن۔ (مراکش)

۱۳. مدینہ منورہ کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی مشاورتی بورڈ کے رکن۔ (سعودیہ)

۱۴. اسلام آباد کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی مشاورتی بورڈ کے رکن۔ (پاکستان)

۱۵. دارالعلوم دیوبند کی مشاورتی مجلس کے رکن۔ (ہندوستان)

علامہ ندویؒ کو کافی بہتر واقفیت حاصل تھی کہ مغرب کا معاصر فکری اور اخلاقی فلسفہ بنیادی طور پر الحاد پر مبنی ہے، اور اس کے مقابلے میں موجودہ مسلمانوں کو مضبوط فکری موقف اختیار کرنا چاہیے۔

علامہ ندویؒ نے اپنے زمانے میں اسلامی فکر کے میدان میں ایک ایسا عظیم کام انجام دیا جو بہت کم لوگوں نے کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تحریروں میں دین اسلام کو ایک جامع اور مجموعی انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ دیگر علماء نے دینی علوم کے مختلف شعبوں کو علیحدہ علیحدہ اور تخصصی انداز میں پیش کیا ہے، لیکن علامہ ندویؒ نے مختلف دینی موضوعات پر گہری اور تخصصی تحریریں لکھنے کے ساتھ ساتھ مجموعی طور پر بھی اسلام کی معرفت کے بارے میں بھی گہری اور مؤثر تحریریں مرتب کیں۔

علامہ ندویؒ نے دینِ اسلام اور امتِ مسلمہ کو بخوبی سمجھا۔ وہ مسلمانوں کے موجودہ مسائل، ان کے حالات اور درپیش چیلنجز سے خوب واقف عالم تھے۔ انہوں نے موجودہ دور کے مسلمانوں کے لیے اسلام کے بارے میں سلفِ صالحین کے فہم اور فکر کا روشن اور واضح منظرنامہ پیش کیا، اور اس وقت کے کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی فکری اور عسکری برتری کے اسباب و عوامل بیان کیے۔ ساتھ ہی، انہوں نے حالیہ زمانے میں مسلمانوں کی اسلامی فکر اور طریقہ کار سے انحراف کے اسباب و عوامل بھی واضح کیے۔

علامہ ندویؒ نے مسلمانوں کے انحراف کے وہ اسباب اور عوامل بیان کیے جن کے نتیجے میں امتِ مسلمہ نے کفار کے مقابلے میں متعدد میدانوں میں شکست کھائی۔ انہوں نے ان تمام عوامل پر گہرے، پختہ، ہر پہلو سے جائز، منطقی اور حقیقی تبصرے کیے اور تقریباً تین سو کتابیں تصنیف کیں۔

علامہ ندویؒ کی کچھ کتابیں زاہدان میں اہلِ سنت کے بڑے دینی ادارے دارالعلوم مکی کے استاذ، عالمِ دین اور مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ کے شاگرد، شیخ الحدیث مولانا قاسم بن کمال قاسمی حفظہ اللہ نے فارسی زبان میں ترجمہ کی ہیں، جو عالمِ اسلام کے بڑے فقہی مجامع میں رکنیت

رکھتے ہیں، اور یہ کتابیں افغانستان میں بھی پہنچیں، اور الحمدللہ نوجوان طبقے میں ان کے کئی قاری پیدا ہوئے۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس امام، روحانی شخصیت، داعی، فقیہ، ادیب، مؤرخ اور امت شناس شخصیت کی کتابیں ہمارے مدارس میں موجود نہیں ہیں اور طلبہ مدارسِ دینیہ ان سے ناواقف ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس عظیم شخصیت کی کتابیں پڑھیں، اور ان کے ہر لفظ کو اپنے دل وجان میں جگہ دیں، تاکہ یہ کہاوتوں کی طرح ہماری زبانوں پر جاری ہو جائیں۔

یہ علامہ ندوی رحمہ اللہ کی ایک کتاب ہے "ماذا خسرالعالم بانحطاط المسلمین" (اردو ترجمہ: انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر)۔ اس کتاب میں انہوں نے وہ دور بیان کیا ہے جب امتِ مسلمہ ترقی کی راہ پر گامزن تھی اور ہر دن عالمِ اسلام کا رقبہ وسیع اور مضبوط ہو تا جا رہا تھا۔ اس کتاب میں انہوں نے مسلمانوں کی خصوصیات اور ان کے فکری، تہذیبی اور اخلاقی پہلوؤں پر بات کی ہے کہ وہ کس طرح دوسری قوموں پر برتری رکھتے تھے اور کس طرح وہ اپنی اقدار کو چھوڑے بغیر دیگر اقوام کے علوم اور تہذیبوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

علامہ ندوی رحمہ اللہ نے اس کتاب میں نہایت باریک بینی سے یہ تبصرہ بھی کیا ہے کہ مسلمان کیوں اور کیسے کمزور ہوئے؟ اور اس کمزوری کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ انہوں نے خود کیا کھویا بلکہ ان کے زوال کی وجہ سے پوری دنیا نے کیا کچھ کھویا؟

علامہ ندوی کی یہ کتاب اپنی اہمیت کی وجہ سے دنیا کی پچاس سے زیادہ زبانوں میں ترجمہ کی گئی ہے۔ اس کتاب کا پشتو ترجمہ بھی کیا گیا ہے جو ضلع ننگرہار کے کامہ کے معروف اور محترم مصنف سید فضل مولا نے کیا ہے اور یہ کئی بار شائع ہو چکی ہے۔

یہ اہم کتاب جس نے عالمِ اسلام میں بیداری کی ایک وسیع لہر پیدا کی، افسوس کی بات یہ ہے کہ آج تک ہمارے مدارس کے تعلیمی نصاب میں شامل نہیں کی گئی، نہ ہی اسے طلبہ کے لیے مطالعے کے نصاب میں شامل کیا گیا۔ موجودہ سیاسی، فکری اور جدوجہد کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے یہ کتاب ہمارے مدارس کے درجہ سابعہ (موقوف علیہ) میں ایک اہم نصابی کتاب کے طور پر شامل ہونی چاہیے تاکہ نئے فارغ ہونے والے علماء کو مسلمانوں کے فکری عروج اور زوال کے اسباب اور عوامل کا ایک واضح تصور مل سکے۔

اس مقصد کے لیے کہ میں اپنے علماء اور طلبہ کو علامہ ندوی رحمہ اللہ کے فکر سے روشناس کرا سکوں، ان کی چند دیگر اہم کتابوں کے نام ان کے تراجم کے ساتھ درج کر رہا ہوں:

١. العقيدة والعبادة والسلوك (عقیدہ، عبادت اور سلوک)
٢. السيرة النبوية (نبی کریم ﷺ کی سیرت)
٣. إذا هبت ريح الإيمان (جب ایمان کی بادِ بہاری چلتی ہے)
٤. في مسيرة الحياة (راہِ زندگی میں)
٥. المسلمون في الهند (ہندوستان میں مسلمان)
٦. الطريق إلى السعادة والقيادة للدول والمجتمعات الإسلامية الحرة (آزاد اسلامی ریاستوں اور معاشروں کے لیے سعادت اور قیادت کا راستہ)
٧. العقيدة والعبادة والسلوك في ضوء الكتاب والسنة والسيرة النبوية (عقیدہ، عبادت اور سلوک قرآن، سنت اور سیرت کی روشنی میں)
٨. الطريق إلى المدينة (راہِ مدینہ)
٩. الصراع بين الإيمان والمادية (ایمان اور مادیت کے درمیان کشمکش)
١٠. إلى قمة القيادة العالمية (عالمی قیادت کی بلندیوں تک)
١١. الإسلام أثره في الحضارة وفضله على الإنسانية (تمدن اور انسانیت پر اسلام کے اثرات اور احسانات)
١٢. نظرات في الأدب (ادبیات پر نظر)
١٣. أمريكا وإسرائيل كشف حقيقة صارخة وتنبيه على خطر داهم (امریکہ اور اسرائیل، ایک کھلی حقیقت اور بڑے خطرے سے آگاہی)
١٤. المدخل إلى دراسة الحديث النبوي الشريف (فہمِ حدیث کی کنجی)
١٥. قصص النبيين للأطفال (بچوں کے لیے انبیاء کی کہانیاں)
١٦. قصص من التاريخ الإسلامي (تاریخِ اسلام کے کچھ واقعات)
١٧. مختارات من الأدب العربي (عربی ادب کے منتخبات)
١٨. رجال الفكر والدعوة في الإسلام (اسلام میں دعوت وفکر کے رجالِ کار)
١٩. سيرة خاتم النبيين (سیرتِ خاتم النبیین ﷺ)
٢٠. تأملات في القرآن الكريم (قرآن کریم میں غور وفکر)
٢١. المدخل إلى الدراسات القرآنية (فہمِ علومِ قرآن)
٢٢. روائع إقبال (اقبال کے ادبی شاہکار)
٢٣. التفسير السياسي للإسلام (اسلام کی سیاسی تفسیر)
٢٤. الاجتهاد ونشأة المذاهب الفقهية (اجتہاد اور فقہی مذاہب کی ابتداء)
٢٥. النبوة والأنبياء (نبوت اور انبیاء)
٢٦. الأركان الأربعة (الصلاة، الزكاة، الصوم، الحج) في ضوء الكتاب والسنة مقارنة مع الديانات الأخرى (اسلام کے چار بنیادی ارکان (نماز، زکوۃ، روزہ، حج) کا قرآن وسنت کی روشنی میں دیگر مذاہب سے تقابلی جائزہ)
٢٧. النبوة والأنبياء في ضوء القرآن الكريم (قرآن کی روشنی میں نبوت اور انبیاء)
٢٨. سياسة التربية والتعليم السليمة (صحیح تعلیم وتربیت کی پالیسی)
٢٩. الداعية الكبير الشيخ محمد إلياس الكاندهلوي (بزرگ داعی شیخ محمد الیاس کاندھلوی)
٣٠. إلى الإسلام من جديد (اسلام کی طرف دوبارہ رجوع)

۳۱. المرتضى(سیرتِ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ)

۳۲. الإسلام والغرب(اسلام اور مغرب)

۳۳. ردة ولا أبا بكر لها(ارتداد تو ہے مگر ابو بکرؓ نہیں!)

۳۴. الحضارة الغربية الوافدة وأثرها في الجيل(مغربی تہذیب اور نئی نسل پر اس کے اثرات)

۳۵. من أعلام المسلمين ومشاهيرهم(مسلمانوں کی نامور شخصیات)

۳۶. مذكرات سائح في الشرق العربي (مشرقی عرب خطے میں ایک مسافر کے تاثرات)

۳۷. ربانية لا رهبانية(ربانیت نہ کہ رہبانیت)

۳۸. المسلمون تجاه الحضارة الغربية(مسلمان اور مغربی تہذیب کا مقابلہ)

۳۹. النبي الخاتم(آخری نبی ﷺ)

۴۰. المد والجزر في تاريخ الإسلام(تاریخ اسلام میں مد وجزر)

۴۱. العرب والإسلام(عرب اور اسلام)

۴۲. مع الإسلام(اسلام کے سائے میں)

۴۳. نحو التربية الإسلامية الحرة في الحكومات والبلاد الإسلامية(اسلامی حکومتوں اور ممالک میں آزاد اسلامی تعلیم کی طرف)

۴۴. القادياني والقاديانية دراسة وتحليل (قادیانی اور قادیانیت: تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ)

۴۵. مقالات حول السيرة النبوية(سیرتِ نبویؐ پر مضامین)

۴۶. إزالة أسباب الخذلان أهم وأقدم من إزالة آثار العدوان(ناکامی کے اسباب کو دور کرنا جارحیت کے اثرات ختم کرنے سے زیادہ اہم ہے)

۴۷. صورتان متضادتان لنتائج جهود النبي الأعظم الدعوية والتربوية وسيرة الجيل المثالي الأول عند السنة والشيعة الإمامية(اہل سنت اور شیعہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے اولین مثالی دور کے بارے میں دو متضاد تصورات)

۴۸. أضواء على الحركات والدعوات الدينية في الهند(ہند کی مذہبی تحریکوں اور دعوتی کوششوں پر ایک نظر)

۴۹. الإسلام والحكم(اسلام اور حکومت)

۵۰. من نهر كابل إلى نهر اليرموك جولة في غرب آسيا(کابل سے یرموک تک؛ مغربی ایشیا کا سفر نامہ)

۵۱. واقع العالم الإسلامي(عالمِ اسلام کے حالاتِ حاضرہ)

۵۲. الدعوة والدعاة، مسؤولية وتاريخ(دعوت اور داعیان؛ ذمہ داریاں اور تاریخ)

۵۳. مسؤولية العلماء في الأوضاع المتغيرة(بدلتے حالات میں علماء کی ذمہ داریاں)

۵۴. موقف العالم الإسلامي تجاه الحضارة الغربية(مغربی تہذیب کے مقابل عالم اسلام کا رویہ)

۵۵. المسلمون وقضية فلسطين(مسلمان اور مسئلہ فلسطین)

۵۶. أحاديث صريحة في أمريكا(امریکہ میں کھری کھری باتیں)

۵۷. الإسلام في عالم متغير(اسلام، بدلتی دنیا میں)

۵۸. بين الدين والمدنية(دین اور تہذیب کے درمیان)

۵۹. الأمة الإسلامية وحدتها ووسطيتها وآفاق المستقبل(اسلامی امت: اس کی وحدت، اعتدال اور مستقبل کے امکانات)

۶۰. اسمعوها صريحة مني أيها العرب(اے اہلِ عرب! یہ بات مجھ سے کھلے الفاظ میں سن لو)

۶۱. تساؤلات وتحديات على طريق الدعوة(دعوت کی راہ میں سوالات اور چیلنجز)

۶۲. حاجة البشرية إلى معرفة صحيحة للمجتمع الإسلامي(انسانیت کو اسلامی معاشرے کی صحیح پہچان کی ضرورت)

۶۳. من الجاهلية إلى الإسلام(جہالت سے اسلام تک)

۶۴. ترشيد الصحوة الإسلامية(اسلامی بیداری کی رہنمائی)

۶۵. ترجمة السيد الإمام أحمد بن عرفان الشهيد مجدد القرن الثالث عشر (سید احمد شہید، تیرھویں صدی کے مجدد)

۶۶. الإسلام فوق القوميات والعصبيات(اسلام قومیت اور تعصب سے بالاتر ہے)

استاد محمد قطب رحمہ اللہ

علامہ ابو الحسن علی ندویؒ کے علاوہ عالمِ اسلام کے دوسرے عظیم مفکر استاد محمد قطب ہیں۔ ان کی ولادت ۱۹۱۹ء میں مصر میں ہوئی اور انہوں نے ۲۰۱۴ء میں وفات پائی۔ استاد محمد قطب نہ صرف ایک بڑے اسلامی مفکر اور تعلیم و تربیت کے ماہر تھے، بلکہ انہوں نے انگریزی ادب کی فیکلٹی سے بھی سندِ فراغت حاصل کر رکھی تھی۔ اس تعلیم نے انہیں یہ صلاحیت عطا کی کہ وہ مغربی تہذیب کو اچھی طرح پہچانیں اور اس پر اسلام اور عقل کی روشنی میں تنقیدی نظر ڈال سکیں۔

استاد محمد قطب کو اسلام اور امتِ مسلمہ کو درپیش حالات، نیز مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب پر گہری بصیرت حاصل تھی۔ اسی بصیرت کی روشنی میں انہوں نے اسلامی فکر، کفار کے ساتھ فکری، اعتقادی، ثقافتی، تمدنی اور عسکری میدانوں میں درپیش معرکوں پر نہایت مؤثر اور گراں قدر تصانیف پیش کیں۔ انہوں نے کروڑوں مسلمانوں کی فکری بیداری کے لیے بیش بہا فکری سرمایہ فراہم کیا۔ ان کی چند اہم کتابیں درج ذیل ہیں، جن کے نام اور ان کے تراجم قارئین کی آگاہی کے لیے درج ہیں:

۱. واقعنا المعاصر (ہماری موجودہ حالت)

۲. دراسات في النفس الإنسانية (انسانی نفس پر تحقیقی مطالعہ)

۳. مفاہیم یجب أن تصحح (وہ نظریات جن کی اصلاح ضروری ہے)
۴. دروس من محنة البوسنة والهرسك (بوسنیا اور ہرسک کے سانحے سے حاصل شدہ اسباق)
۵. قضية تحرير المرأة (عورت کی آزادی کا مسئلہ)
۶. المسلمون والعولمة (مسلمان اور گلوبلائزیشن)
۷. قضية التنوير في العالم الإسلامي (عالمِ اسلام میں روشن خیالی کا مسئلہ)
۸. منهج التربية الإسلامية (اسلامی تربیت کا منہج)
۹. هل نحن مسلمون؟ (کیا ہم حقیقی مسلمان ہیں؟)
۱۰. مكانة التربية في العمل الإسلامي (اسلامی جدوجہد میں تربیت کی اہمیت)
۱۱. قبسات من الرسول (پیغمبر ﷺ کی حیات سے روشنی کی کرنیں)
۱۲. دروس تربوية من القرآن الكريم (قرآنِ کریم کے تربیتی اسباق)
۱۳. دراسات في القرآن الكريم (قرآنی تحقیقی مطالعات)
۱۴. منهج الدعوة في المرحلة المكية (عہدِ مکی میں دعوت کا طریقِ کار)
۱۵. كيف نكتب التاريخ الإسلامي؟ (اسلامی تاریخ کیسے لکھی جائے؟)
۱۶. التطور والثبات في الحياة البشرية (انسانی زندگی میں تغیر اور ثبات)
۱۷. رؤية إسلامية لأحوال العالم المعاصر (موجودہ دنیا پر اسلامی نقطۂ نظر)
۱۸. مذاهب فكرية معاصرة (عصرِ حاضر کے فکری رجحانات)
۱۹. العلمانيون والإسلام (سیکولرزم اور اسلام)
۲۰. الإنسان بين المادية والإسلام (انسان مادیت اور اسلام کے بیچ)
۲۱. جاهلية القرن العشرين (بیسویں صدی کی جاہلیت)
۲۲. هذا هو الإسلام (یہ ہے حقیقی اسلام)
۲۳. حول تطبيق الشريعة (شریعت کے نفاذ کے مسائل)
۲۴. ماذا يعطي الإسلام للبشرية؟ (اسلام انسانیت کو کیا دیتا ہے؟)
۲۵. ركائز الإيمان (ایمان کے ستون)
۲۶. شبهات حول الإسلام (اسلام کے بارے میں اعتراضات)
۲۷. المستشرقون والإسلام (مستشرقین اور اسلام)
۲۸. الجهاد الأفغاني ودلالاته (افغان جہاد اور اس کے اثرات)
۲۹. حول التفسير الإسلامي للتاريخ (تاریخ سے متعلق اسلامی تجزیے پر ایک نظر)
۳۰. نظام الإسلام السياسي (اسلام کا سیاسی نظام)
۳۱. كيف ندعو الناس؟ (لوگوں کو اسلام کی طرف کیسے بلائیں؟)
۳۲. الصحوة الإسلامية (اسلامی بیداری)
۳۳. هلم نخرج من ظلمات التيه (آؤ! گمراہی کے اندھیروں سے نکلیں)
۳۴. الصراع بين الفكر الغربي والفكر الإسلامي (اسلامی اور مغربی فکر کی کشمکش)
۳۵. صدأ القلوب (دلوں کا زنگ)
۳۶. لا إله إلا الله عقيدة وشريعة ومنهج حياة (لا إله إلا الله: عقیدہ، شریعت اور نظامِ حیات)
۳۷. في النفس والمجتمع (انسانی نفس اور معاشرہ)
۳۸. حول التأصيل الإسلامي للعلوم الاجتماعية (سماجی علوم کی اسلامی اساس)
۳۹. المخططات الصهيونية (صہیونی منصوبے)
۴۰. الرحمن عروس القرآن (سورۃ الرحمٰن: قرآن کی دلہن)
۴۱. لا يأتون بمثله (قرآن اپنی مثال آپ ہے)
۴۲. بيعة النساء للنبي ﷺ (خواتین کا نبی ﷺ سے بیعت)
۴۳. مغالطات (غلط فہمیاں)
۴۴. معركة التقاليد (روایات کی جنگ)
۴۵. العلمانية (سیکولرزم)

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مذکورہ تمام کتابیں انٹرنیٹ پر بہ آسانی دستیاب ہیں، جنہیں ہر عالم اور طالبِ علم ڈاؤن لوڈ کر سکتا ہے۔

استاد محمد قطب کی عظیم کتاب ”واقعنا المعاصر“ (ہمارے موجودہ حالات) امتِ مسلمہ کو درپیش موجودہ مسائل اور ان کے اسباب و علل کو سمجھنے کے لیے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے امتِ مسلمہ کی موجودہ حالت پر نہایت تفصیلی اور عمیق بحث کی ہے۔

وہ اس نکتہ کو واضح کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے فتوحات حاصل کیں، اپنی سلطنتیں وسیع کیں، عظیم الشان نظام قائم کیے، اور دنیا کو دین اور تہذیب کی روشنی عطا کی، تو اس وقت ان کا قرآن اور سنت کے ساتھ تعامل کس نوعیت کا تھا؟ کیا یہ تعامل محض نام کا اور روایتی تھا، جیسا کہ آج کے اکثر مسلمانوں کا طرزِ عمل ہے؟ یا یہ تعامل عقیدے اور عمل پر مبنی تھا؟

استاد محمد قطب وضاحت کرتے ہیں کہ اس دور کے مسلمانوں کا رویہ قرآنِ کریم، احادیثِ نبویہ، اور صحابۂ کرامؓ کے افکار، اعمال اور طرزِ حیات کے ساتھ خالص اعتقادی اور عملی تھا، نہ کہ محض قومی یا روایتی وابستگی پر مبنی خالی نعرے تھے۔

اسلام ان کے قلوب اور اذہان میں رچ بس گیا تھا۔ وہ دین کی حقیقت سے واقف تھے، اس کی حقانیت اور افادیت پر کامل یقین رکھتے تھے، اس کے دفاع کے لیے ہر قربانی کے لیے تیار رہتے تھے، اور اس کی راہ میں اپنی جان و مال تک نچھاور کرتے تھے۔ وہ اپنے عقائد پر مضبوطی سے قائم تھے، اور دین کے احکام کو دل سے بجالاتے تھے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۸ پر)

حربِ ظاہری کا حربۂ باطنی

ہندوستان میں بڑھتے الحاد و شرک کے تناظر میں ایک دعوتِ فکر

مولانا ابنِ عمر عمرانی گجراتی

اب تک تو اس نظام کے پس مناظر اور آغازی نکتوں تک بات تھی جس میں ضمنی طور پر مقاصد و اغراض کا بھی کچھ تذکرہ آگیا۔ اب بڑھتے ہیں اس بات کی طرف کہ تربیت و ذہنیت دینے میں اس نظام کا اصل طریقۂ کار کیا ہے؟ کن بنیادوں پر مغربی بلکہ الحادی و دجالی سوچ کی عمارت قائم ہوتی ہے؟

تغییرِ فکر (Paradigm Shifting)

کسی بھی فکر، تہذیب، قوم اور ملت کا انشاء و تخلیق فکر کے لیے بنیادی و ابتدائی اوزار ہوتا ہے Paradigm۔ اگرچہ اس کے علاوہ بھی کئی عناصر کارفرما ہوتے ہیں لیکن اساسی حیثیت کا حامل عنصر یہی ہے۔ یہاں تک کہ یوں کہا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی فرد یا قوم کے افکار کو سمجھنے کے لیے ان سے متعلق کتابوں کا بڑا ذخیرہ پڑھ لیا، معلومات کا وافر ڈیٹا جمع کر لیا لیکن اگر وہ ان کے پیراڈائم ناواقف رہا تو وہ بہت کچھ سمجھنے سے قاصر رہا۔ وہ اس حکیم یا طبیب کی طرح ہو گیا جو انسان کی صحت و بیماری کی واقفیت محض علامات و حالات جسم سے حاصل کرتا ہے لیکن نبض کا اسے کوئی علم نہیں کیونکہ پیراڈائم کی حیثیت اس معاملے میں نبض کی سی ہی ہے۔ اگر آپ مغرب و باطل قوموں کی نبض جاننا چاہتے ہیں اور ان کی بیماریوں کا جڑ سے علاج کرنا چاہتے ہیں تو یہ جاننا گویا ضروری ہے کہ پیراڈائم کی حقیقت کیا ہے اور ان کا پیراڈائم کیا ہے۔ آپ اہلِ باطل سے فکری جنگ کے میدان میں اصولی اسلحے کو جاننا چاہتے ہیں جس کو منقلب کر کے آپ ان کو پسپائی کی رسوائی سے دوچار کر سکیں تو ان کے پیراڈائم کا جاننا ضروری ہے۔ اسی طرح آپ اگر مغرب کے مادی و الحادی تعلیمی نظام کو اسلام کے روحانی و الوہیاتی تعلیمی نظام کا جامہ پہنانا چاہتے ہیں تو ان کے پیراڈائم کو سمجھنا لابدی ہے، ورنہ آپ کتابیں بدل دیں نصاب بدل دیں اساتذہ بدل دیں لیکن مغربیت نہیں بدل پائیں گے جب تک پیراڈائم نہیں بدلیں گے۔

اب آئیں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آخر یہ پیراڈائم کیا بلا ہے؟ اس میں ایسا کیا مغز پنہا ہے جو ایسی (مذکورہ بالا) اہمیتوں کا درجہ رکھتا ہے۔

پیراڈائم (Paradigm) اور Paradigm Shifting کسے کہتے ہیں؟ اس پر مختصر تعارف پیش ہے۔

اجمالاً لفظی اعتبار سے تو paradigm کہا جاتا ہے ایک مثال (model) اور ڈھانچے (framework) کو اور محاورۃً و عرفاً دیکھا جائے تو اس کا اطلاق ہوتا ہے زاویۂ نظر پر جسے کبھی نکتۂ نظر اور انگریزی میں worldview/point of view کے مفہوم سے جانا جاتا ہے۔ یعنی پیراڈائم ایک قسم کا فکری و علمی ماڈل اور فریم ورک ہے جس کے ذریعے سے انسان ایک خاص سمت و جانب اور حدود دائرے میں رہ کر اصولِ حیات و احساسات قائم کرتا ہے، پھر ان کی بنیادوں پر دنیا و حقائق عالم کو دیکھتا و سمجھتا ہے اور اس سمجھ کے مطابق اپنی زندگی اپنے عقائد و اعمال، اخلاق و کردار کی منزل متعین کرتا ہے، مقصد طے کرتا ہے اور اس منزل و مقصد کی طرف رخ کر کے اپنی رحلت دنیویہ میں پیش قدمی کرتا چلا جاتا ہے۔

اسے ایک مثال سے سمجھتے ہیں:

اہلِ مغرب کا اخلاقیات کے باب میں اصولی نکتۂ نظر (paradigm) یہ ہے کہ کسی چیز کا صحیح یا غلط ہونا، قابلِ مدحت یا مذمت ہونا عمومی عرف (societal norms) اور ثقافتی اقدار (cultural values) پر مبنی ہوتا ہے، جس کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی معاشرے میں زنا اچھا سمجھا جاتا ہے یا وہ کسی ملک و علاقے کا ثقافتی پہلو مانا جاتا ہے تو وہ غلط نہیں ہے اس میں کوئی جرم نہیں، جب تک کہ مزنی (جس کے ساتھ زنا ہو) وہ اس کے خلاف اعتراض (objection) نہ کرے۔ لہٰذا زنا بالجبر کو تو وہ مذموم اور غیر قانونی جانتے ہیں اور اسی اصول پر شوہر کا اپنی قانونی بیوی سے وطی بالجبر کرنے کو بھی جرم جانتے ہیں لیکن مطلق زنا ان کے یہاں کوئی قابلِ ملامت چیز نہیں۔ ہاں اگر کسی معاشرے و ثقافت میں مذموم ہے تو الگ بات، پھر بھی اہلِ مغرب نے چونکہ دنیا پر اپنے اصولوں کو دھونسنے و تھوپنے کی سعی کو لازم پکڑا ہوا ہے، اس وجہ سے آزاد خیالی اور لبرلزم کے نعرے اور سایے تلے وہ اپنے افکار سے متصادم معاشرتی رجحانات کی مذمت پر زور انداز سے کرتے ہیں اور اس کی مخالفت میں ہر طرح کا حربہ آزمانے کی کوشش کرتے ہیں ورنہ ان کے اصول کے اعتبار سے وہ چیز اس مخصوص ساج کے لیے ان کے حق میں ویسی ہی مانی اور چھوڑ دی جائے جیسا وہ سمجھنا و برتنا چاہتے ہیں۔ تو یہ ایک ادنیٰ مثال ہے، ایسے کئی تصورات و نظریات ہیں، تو جن اصولوں پہ یہ سب مبنی ہوتے ہیں انہیں پیراڈائم کہا جاتا ہے۔ عموماً قومیں صدیوں تک ایک پیراڈائم پر چلتی ہیں جس کی وجہ ایک اپنے انداز کا لائف اسٹائل، حکومتی نظام وغیرہ چلتا ہے۔ پھر تاریخ میں وہ لمحات آتے ہیں جن میں بیداری اور محرکات قائم ہوتے ہیں کہ اب یہ پیراڈائم پرانا ہو چکا اس میں تجدید ہو، انقلاب ہو لہٰذا کبھی کوئی شخصیت ایسی آتی ہے جو اس کو انجام دیتی ہے کبھی کوئی ادارے کبھی کوئی اور عوامل جو پیراڈائم کی تبدیلی کا باعث بنتے ہیں۔ ان لمحات تاریخیہ کو paradigm shift کہا جاتا ہے۔

ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اندازہ کر سکتے ہیں نکتہ نظر کیا چیز ہوتی ہے اور انسانیت کے دشمنوں نے کتنے باریک ذرے سے اپنی کاوش کا آغاز کیا۔

ایک حسی حقیقت ہے کہ انسان کا کسی چیز کو دیکھ کر سمجھنے میں اور اس کے ناپے، سمت وغیرہ کا اصل کردار ہوتا ہے۔ چاند کو کرۂ ارض سے عام مشاہدے سے دیکھا جاتا ہے تو وہ کبھی ایک

سفید چمکدار مدوّر بلب نظر آتا ہے اور کوئی اسے گیند سے بھی تعبیر کرتا ہے، پھر اگر telescope وغیرہ جیسے آلات سے دیکھا جاتا ہے تو ایک نوع کا سیارہ دکھتا ہے، اسی طرح خلاء سے دیکھیں تو الگ کیفیت، تو ناحیاتِ نظر نے ایک ہی چیز کو مختلف طور سے سمجھایا و بتایا۔

الغرض، انسانی فہم کا ایک اہم ترین بلکہ ابتدائی وسیلہ اس کا نظریہ یا point of view ہوتا ہے، جسے ''paradigm'' کہا جاتا ہے۔ عموماً ہر قوم و اربابِ تہذیب نے اپنی زندگی، علم، اخلاق، سیاست، اور معاشرت کو چلانے کے لیے ایک ایسا نظام قائم کیا جو اس کی سوچ، عقیدے، اور تجربات پر مبنی ہوتا ہے۔ مغربی تہذیب نے جدید دور میں ایک خاص طرزِ فکر کو فروغ دیا، اپنے انداز کے معیارات اور اصولِ نظریات قائم کیے جو فکری بربادی یعنی الحاد پر منتج ہوتے ہیں۔

یہ تو تھا پیراڈائم کا ایک عام فہم تعارف لیکن چونکہ یہ ایک وسیع فن اور فلسفی دنیا میں ایک شعبۂ رکین کا درجہ رکھتا ہے لہٰذا اس کا فنی و اصطلاحی اور قدرِ تفصیلی و تحقیقی تعارف لازم معلوم ہوتا ہے خاص کر ان اشخاص کے حق میں جو تقلیبِ فکر کے خواہاں ہیں اور فکری میدان میں کامیاب کارکردگی کے آرزومند ہیں، چنانچہ عرض ہے کہ:

لفظ Paradigm یونانی لفظ Paradeigma سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے ''نمونہ'' یا ''مثال''۔ جدید دور میں، خاص طور پر تھامس کُہن (Thomas Kuhn) کی کتاب The Structure of Scientific Revolutions کے بعد، پیراڈائم کا مطلب ہوا اصطلاحی طور پر عقائد، مفروضات، اقدار اور طریقوں کا مجموعہ جو انسان کو حقیقت سمجھنے کا ایک زاویہ دیتا ہے یعنی علم اور حقیقت کو دیکھنے کی عینک، مسائل کو حل کرنے اور تحقیق کو آگے بڑھانے کا بنیادی فریم ورک۔

تاریخِ انسانی میں دنیا پر پیش آنے والے وہ چند مشہور پیراڈائمز بطور تمثیل پیش کرتا ہوں جن کے ذریعے انسانی سوچ نے غیر معمولی تاثرات لیے:

نیوٹونین پیراڈائم: (Newtonian Paradigm)

سولہویں اور سترہویں صدی کے سائنسی انقلاب کے بعد آئزک نیوٹن (Isaac Newton) نے اپنی کتاب Principia Mathematica (۱۶۸۷ء) میں ایک ایسا ماڈل paradigm پیش کیا جس نے صدیوں تک سائنسی دنیا پر راج کیا، اس کے چند اصولی نکات ملاحظہ ہوں:

کائنات ایک مشین ہے

ہر چیز گھڑی کی سوئیوں کی طرح میکانکی اصولوں پر چل رہی ہے۔

میکانکی قوانین

حرکت اور قوت کے اصول (Laws of Motion & Gravitation)۔ طے شدہ اور قطعی ہیں۔

قطعیت (Determinism)

اگر ہمیں کسی وقت پر ہر ذرے کی پوزیشن اور رفتار معلوم ہو، تو ہم مستقبل کی یقینی طور پر پیش گوئی کر سکتے ہیں۔

وقت اور مکان (Time & Space)

یہ مطلق (Absolute) ہیں، سب کے لیے ایک جیسے۔

اس کے اثرات کیا ہوئے؟

انسان نے کائنات کو ایک مشین کی مانند سمجھنا شروع کیا، پھر سائنسی دنیا میں بڑی پیش رفت ہوئی، انجینئرنگ، مشینی آلات، نیوی گیشن، اور صنعت کا آغاز وغیرہ وغیرہ۔

فلسفہ اور سماجیات پر بھی اثر ہوا، یورپی ذہن میں یقین بیٹھ گیا کہ سب کچھ عقل اور قوانین سے قابو میں لایا جا سکتا ہے۔

آئن سٹائنین پیراڈائم (Einsteinian Paradigm)

انیسویں صدی کے آخر میں جب سائنسدانوں نے روشنی اور توانائی کے تجربے کیے تو نیوٹن کا ماڈل بہت سی چیزوں کو واضح کرنے میں ناکام ہو گیا جس کے بعد میں البرٹ آئن سٹائن (Albert Einstein) نے ۱۹۰۵ء میں Theory of Relativity پیش کی جس نے گزشتہ کے مقبول زمانہ نیوٹونین پیراڈائم کو جھنجھوڑ ڈالا۔ آئن سٹائنی پیراڈائم کے اصول یہ تھے:

نسبیت (Relativity)

وقت اور مکان مطلق نہیں بلکہ ناظر (Observer) کے حساب سے بدل جاتے ہیں، مثلاً اگر کوئی روشنی کی رفتار کے قریب سفر کرے تو اس کے لیے وقت آہستہ گزرے گا۔

توانائی اور مادہ کا اتحاد

مشہور فارمولا $E=mc^2$ نے بتایا کہ مادہ اور توانائی دراصل ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔

قطعیت کی نفی

کائنات اتنی سادہ اور مشینی نہیں جتنی نیوٹن سمجھتا تھا، اس میں پیچیدگی اور لچک ہے۔

اس کا مادی و ظاہری نتیجہ یہ ہوا کہ نیوکلیئر فزکس اور کوانٹم مکینکس کی بنیاد پڑی۔ وقت، مکان اور توانائی کے بارے میں انسان کی سمجھ بدل گئی۔

یہ پیراڈائم شِفٹ نہ صرف سائنس بلکہ فلسفے، ٹیکنالوجی اور حتیٰ کہ جنگ پر بھی (ایٹم بم کی صورت میں) اثرانداز ہوا۔

تو ان دونوں پیراڈائم اور ان کے بدلنے سے ایک قسم کا فکری انقلاب ظاہر ہوا اور اس انقلاب نے مادی و ترقیاتی دنیا میں الگ الگ تبدیلیوں evolutions کو انجام دیا۔

یہ ایک ہلکا سا تبصرہ تھا سائنسی پیراڈائمز کی تمثیل میں۔

اب ایک نظر سماجی پیراڈائمز کی مثال کی طرف ڈال لیتے ہیں اور اصل یہی ہمارا محل نزاع و موضوع ہے، پس یہاں ۳ انداز کے سماجی پیراڈائمز کے نمونے درج کرتا ہوں:

یورپ کا سماجی پیراڈائم

مذہبی سے سیکولر۔ قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں چرچ کا سماجی پیراڈائم غالب تھا، ہر چیز کو کلیسا کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، حتیٰ کہ سائنس بھی مذہب کے تابع تھی۔ اسی ذیل میں یہ چند پیراڈائمز مشہور و متعارف ہوئے تھے:

چرچ پیراڈائم

دنیا کی تشریح بائبل کے مطابق ہوتی تھی، جس کا معاشرتی اثر یہ ہوا کہ چرچ کی مخالفت بدعت یا جرم شمار ہوتا تھا، پھر نشاۃ ثانیہ (Renaissance) اور روشن خیالی (Enlightenment) کی تحریک نے ایک نیا سماجی پیراڈائم متعارف کرایا۔

سیکولر پیراڈائم

عقل اور تجربے کو اصل معیار مانا گیا یہ منتج ہوا اس پر کہ مذہب کو ذاتی معاملہ قرار دیا گیا، اور سیاست، تعلیم و سائنس کو مذہب سے الگ کر دیا گیا۔ یہی پیراڈائم آج مغربی معاشروں کی بنیاد ہے، جسے ''لبرل ڈیموکریسی'' اور ''سیکولر ہیومنزم'' کہا جاتا ہے۔

برصغیر کا سماجی پیراڈائم

برصغیر میں صدیوں تک اسلامی سماجی پیراڈائم غالب رہا جس میں اہم اقدار عدل، مساوات، خدمت خلق، تعلیم اور مذہب پر عمل مانے جاتے تھے۔ اسی لیے مدارس و مساجد صرف عبادت گاہ نہیں بلکہ سائنسی و فکری مراکز بھی تھے، لیکن انگریزوں کی آمد کے بعد ایک نیا سماجی پیراڈائم مسلط کیا گیا۔ ''استعماری پیراڈائم'' جو اصلاً مغربی تعلیم، مادیت پرستی، سیکولر قانون کے توسط سے داخل ہوا۔

اثر؟ نئی نسل میں ذہنی تقسیم پیدا ہوئی۔ ایک طبقہ دینی روایت کا حامل رہا جبکہ دوسرا طبقہ مغربی فکر سے وابستہ ہو گیا۔

ایران کا نام نہاد اسلامی انقلاب اور پیراڈائم شفٹ

۱۹۷۹ء سے پہلے ایران میں شاہ محمد رضا پہلوی کی حکومت تھی، یہ حکومت مغربی طاقتوں خصوصاً امریکہ اور برطانیہ کی حمایت یافتہ تھی، اس وقت ایران کا سماجی پیراڈائم کچھ یوں تھا:

- مغربی اقدار کی بالادستی۔ لباس، تعلیم، ثقافت، قانون سب سیکولر اور مغربی خطوط پر تھے۔
- سرمایہ دارانہ نظام اور مغربی معیشت سے جڑا ہوا ڈھانچہ۔
- دین کی حیثیت ذاتی معاملہ۔ ریاستی سطح پر مذہب کو ایک طرف کر دیا گیا تھا۔

یہ سب چیزیں مغرب کے لبرل سیکولر پیراڈائم کی علامت تھیں۔ پھر اس انقلاب کا پیراڈائم شفٹ ہوتا ہے چنانچہ ۱۹۷۹ء میں خمینی کی قیادت میں جو ظاہری انقلاب آیا، اس نے پورے نظام کو بدل دیا اور ایک نیا سماجی پیراڈائم قائم کیا۔

ولایت فقیہ کا نظریہ

انقلاب کا سب سے اہم پہلو ''ولایتِ فقیہ'' کا نظام تھا، جو شیعہ فقہی اور کلامی فکر پر مبنی ہے، جس کے ذریعے ایک قسم کا نیا تحریف شدہ اسلام سامنے آیا جو اپنے اصل تحریفی اور خرافاتی اصول پر قائم ہو۔ اس کے مطابق، غیبتِ امام مہدی کے دور میں ایک عادل فقیہ (اسلامی عالم) کو حکومت کی قیادت کرنی چاہیے۔

مذہب کی مرکزیت

ایران میں مذہب کو ریاستی سطح پر دوبارہ نافذ کیا گیا۔ قوانین و عدالتیں اور سماجی اقدار کو ''شیعی فقہ جعفریہ'' کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا۔

مغرب سے (ظاہری و تہذیبی نام نہاد) مزاحمت

اس انقلاب کا نعرہ تھا: ''نہ مشرقی، نہ مغربی، صرف اسلامی جمہوریہ''۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ نہ سرمایہ دارانہ پیراڈائم قبول کیا جائے گا اور نہ ہی کمیونسٹ / سوشلسٹ۔ بلکہ اپنے شیعی انداز کا اصول ہو گا اور اس کے مطابق معاشی اسالیب ہوں گے۔

اس پیراڈائم کے اثرات

ایران کے اندر

سیاست اور مذہب کا امتزاج ہوا، معاشرت میں شیعی فقہی اصولوں کی بالادستی ہوئی، خواتین کے لباس سے لے کر عدالتی قوانین تک سب کچھ شیعی اسلامی اصولوں پر ڈھالا گیا۔

خطے پر اثر

لبنان میں حزب اللہ جیسی نام نہاد مزاحمتی تحریک وجود میں آئی، جو فلسطین کے نام پر ہیرو بنی لیکن شام میں سنیوں کے بدترین قتل عام کی مرتکب ہوئی۔

عرب ممالک خصوصاً سعودی عرب اور ایران کے بیچ مسلکی و سیاسی کشیدگی بڑھی۔

خلاصہ یہ کہ ایرانی انقلاب کا پیراڈائم واقعی ایک شیعی اسلامی پیراڈائم تھا، جو ''ولایتِ فقیہ'' کے اصول پر کھڑا ہے۔ یہ پیراڈائم اہل سنت کے عمومی سیاسی نظریے سے مختلف رہا بلکہ نئے انداز کے رافضی کفریات کا مسبب رہا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۳ پر)

خیالات کا ماہنامچہ

معین الدین شامی

قلب و ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: اکتوبر ۲۰۲۵ء

تُو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اے اللہ! تو دونوں جہانوں کا مالک و عطا کرنے والا ہے، میں تیرا محتاج و فقیر بندہ ہوں۔ قیامت کے دن میرے عذر قبول فرمانا۔ اگر میرے اعمال کا حساب لینا ناگزیر ہی ہو، تو اسے میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا۔

اہلِ غزہ کے ساتھ یکجہتی کی خاطر مظاہرہ ضرور کیجیے

لیکن اس مظاہرے کے بعد شام کو گھر واپس لوٹنے پر آپ کو اہلِ غزہ کا حق ادا کر دینے کا احساس ہو، آپ کا ضمیر ایک فیصد بھی کچھ مطمئن ہو، تو جان لیجیے آپ نے کچھ کمایا نہیں، بلکہ سڑک پر ہونے والے اس مظاہرے میں مطلوب جذبہ چھوڑ آئے ہیں!

وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں: اقبالیات

ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں

عاشق نے عشق کے کوہِ طور پر کہا کہ اے محبوب میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں، حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ وہ محبوب کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ لیکن دراصل عاشق اتنا شوخ طبع ہے، عشق میں ایسا ڈوبا ہوا ہے کہ محبوب کی آواز بار بار سننے کے لیے ضد کرتا ہے کہ میں نے تجھے دیکھنا ہے۔ تاکہ محبوب جواب میں بار بار کہے 'لن ترانی' تُو مجھے دیکھنے کی سکت نہیں رکھتا اور عاشق اس انکار کی صورت محبوب کی آواز سن سن کر محظوظ ہوتا رہے۔

'قراردادِ مقاصد' سے 'یہ پاسپورٹ سوائے اسرائیل کے دنیا کے تمام ممالک کے لیے کارآمد ہے' تک

'قراردادِ مقاصد' میں درج ہے کہ اس ملک میں کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جاسکتا۔ لیکن شریعت بل، حسبہ بل ردی کی ٹوکری میں، حقوقِ نسواں بل، ٹرانس جینڈر ایکٹ آئین کا حصہ ہیں۔ (ہم سے بے جا بحث نہ کیجیے گا آئین کو پڑھ لیں)

پاسپورٹ پر درج ہے 'یہ پاسپورٹ سوائے اسرائیل کے دنیا کے تمام ممالک کے لیے کارآمد ہے' اور اس جملے کی بنیاد پر 'فیصلہ و فتویٰ' یہ ہے کہ ہم اسرائیل کو قائدِ اعظم کے قول کے موافق 'ناجائز' کہتے ہیں۔ لیکن #شرم_الشیخ جانے سے قبل و بعد ہم کہتے ہیں کہ ہم ۱۹۶۷ء کی سرحدوں کو مانتے ہیں، حالانکہ ۱۹۶۷ء کی سرحد کو ماننے کا مطلب اسرائیل کو ماننا ہی ہے۔ (ہم سے بے جا بحث نہ کیجیے گا ان حدودِ جغرافیہ کا مطالعہ کر لیجیے خود سے)

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

پاکستانی فوج اور امارتِ اسلامیہ کی جنگ

پاکستانی فوج و افغانستان کی جنگ کے کچھ پہلوؤں کو سمجھنا لازمی ہے۔

پاکستانی فوج نے افغانستان پر ظلماً حملہ کیا، عاصم منیر کے پچھلے اتنے ماہ کی امریکہ یاترا، نایاب معدنیات کی فروخت، امریکہ کو اڈوں کی پیش کش اور اس کے بدلے میں سرزمینِ افغانستان میں مجاہدین کی سرکوبی کے لیے امریکی اجازت، حمایت اور مدد ثم اس سب کے نتیجے میں ایک حساس وقت پر جب افغانستان کے وزیرِ خارجہ ہندوستان کے دورے پر تھے، سیاسی چال چلتے ہوئے پاکستان فوج کا کابل پر حملہ، امارتِ اسلامیہ کا پاکستان فوج پر جوابی حملہ وغیرہ۔

اللہ کی شریعت میں جو حلال ہے وہ حلال ہے اور جو حرام ہے وہ حرام ہے، سیاہی خشک ہو چکی اور قلم رکھا جا چکا ہے۔ تا قیامت اب اگر امام مہدیؒ ہی کیوں نہ آ جائیں وہ اللہ کی شریعت کے پابند و تابع ہوں گے، معاشرت سے تجارت و معیشت تک اور جہاد و خلافت تک۔

امارتِ اسلامیہ نے اگر ہندوستان کے ساتھ تعلق بنایا ہے تو اس کی نوعیت اصولاً تجارتی ہے، اب سوال یہاں سیاسی اٹھتا ہے نہ کہ شرعی، شرعی نکیر امارت پر تب ہو سکتی ہے جب امارت ہندوستان کے کفری اتحاد کا حصہ بن جائے (حاشا و کلّا) اور ان کی اتحادی بن کر مسلمانوں کے خلاف ظلم و تعدی پر آمادہ ہو جائے (فأعاذنا اللہ منہ)۔ جبکہ پاکستانی فوج پچھلے پچیس سال سے امریکہ کی فرنٹ لائن اتحادی ہے اور کابل میں حملہ ہو یا ٹرمپ سے معدنیات و اڈوں کے بدلے عاصم منیر کی ڈیل، یہ سب امریکہ کے مفاد کی خاطر، اس کا اتحادی بن کر مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد کے زمرے میں داخل ہے۔

لہٰذا پاکستانی فوج کا اس جنگ میں جرم بہت واضح اور بہت بڑا ہے، خاص کر کہ جب پاکستانی فوج افغانستان کے عوامی مقامات، گھروں اور بازاروں کو نشانہ بنا رہی ہے۔ اب اس جنگ میں پاکستانی فوج کی اندھی حمایت، وطنی تعصب پر مبنی ہے، یہ جہالت اور عصبیت کی آواز ہے چاہے اس آواز کو اہلِ دین ہی آج کیوں نہ اٹھا رہے ہوں! مدینہ طیبہ میں انصار و مہاجرین

کے درمیان ایک ناخوشگوار واقعے پر رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جہالت و عصبیت ہی سے تعبیر فرمایا تھا، حالانکہ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا۔

ساتھ ہی کچھ افغانوں کا اس جنگ کو نظامِ اسلامی اور شرعی حدود کے دفاع کے بجائے پنجابیوں کے خلاف جنگ کا رخ دینا اور پاکستان جو اہلِ افغانستان کا دارِ ہجرت، جہاد میں پاکستانی عوام جو افغانوں کے انصار رہے اور چھ لاکھ مسلمانوں کی شہادتوں کے نتیجے میں بننے والے ملک (اگرچہ وہاں اسلام نافذ نہ ہوا) کو سیدھا سیدھا اسرائیل کہہ دینا بھی ظلم ہے۔

پاکستانی ہو یا کوئی افغانی ہو، دونوں کو اللہ اپنی شریعت کا اتباع اور شریعت کے نفاذ کا حکم دے رہا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ○

”اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کیا کرو، یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرو، یقین جانو کہ اللہ تمہارے کاموں سے خوب واقف ہے۔“

بی بی سی ایک مغربی ابلاغی ادارہ!

بی بی سی، ”نیوز“ یا ”خبروں“ کا کوئی ادارہ نہیں، بلکہ ایک نہایت منظم ابلاغی/مشنری/پروپیگنڈا کا ادارہ ہے۔ جس کا بنیادی مقصد رائے سازی، ذہن سازی اور جدید مغربی نظام کی تبلیغ و ترویج ہے۔ بی بی سی اپنے مقاصد کے حصول کے لیے حالاتِ حاضرہ اور خبروں کو استعمال کرتے ہوئے تہذیبِ جدید کے افکار، عقائد اور مبادیات کو ”خبروں“ کی شکل میں بیان کرتا ہے، اور بس!

ہماری دیسی فیمنسٹس بھی کمال ہیں

یہ اعلانیہ نہ سہی تو خفیہ تو ضرور ہی ’میرا جسم میری مرضی‘ کی قائل ہیں۔ لیکن ان Gender Equality کی چیمپئن اور پدر شاہی نظام کی باغی فیمنسٹس کو کوئی ہاتھ لگا دے، تو یہ ’بہن بیٹی‘ بنتے اور ’عورت‘ کی عزت ہونی چاہیے کی قائل ہوتے دیر نہیں لگاتیں۔

وہی قمیض..... قصہ یوسف ویعقوب علیہما السلام

وہی قمیض جو کل اُن کے لیے خون آلود ہو کر پیغامِ غم لائی تھی، ایک دن ان کے لیے ان کے محبوب کی خوشبو اور بینائی لوٹنے کا سامان بھی بنی۔

اللہ سے حسن ظن رکھیے، وہ غم و حزن کو ختم کرنے والا، دنوں کو پلٹنے والا اور مومنوں کو ضائع نہ کرنے والا ہے! (ایک عربی دعوتی صفحے سے منقول وماخوذ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: اصلاحِ معاشرہ

آیت شریفہ کا اختتام اللہ تعالیٰ کی جن صفات پر ہو رہا ہے، اس سے یہ حقیقت واضح کی جا رہی ہے کہ تقویٰ دل کے اندر کی ایک کیفیت ہے، ظاہر میں انسان کتنے ہی تقویٰ کا اظہار کرے مگر اللہ کے نزدیک وہی ظاہر معتبر ہے جو باطن کا ترجمان ہو، اور وہ دل کی گہرائیوں سے واقف ہے، باریک سے باریک تر اور مخفی سے مخفی تر اشیاء اور حقائق کو وہ جانتا ہے، دنیا میں ایک انسان انسانوں کو دھوکہ دے سکتا ہے، مگر کوئی اپنے مالک کو دھوکہ نہیں دے سکتا، صاف صاف کہہ دیا گیا:

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

”بلاشبہ اللہ خوب خوب جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔“

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: مدرسہ و مبارزہ

مسلمان کیوں زوال پذیر ہوئے؟

استاد محمد قطب کے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ امت نے اپنے دین کے ساتھ تعامل کی نوعیت بدل ڈالی۔ امتِ مسلمہ اور اس کے افراد نے انفرادی واجتماعی سطح پر دین، قرآنِ کریم، نبی اکرم ﷺ، احادیثِ مبارکہ، اور مجموعی طور پر شریعتِ اسلامی کے ساتھ تعلق کو اعتقادی و عملی وابستگی سے نکال کر صرف نام اور نسبت کی شکل میں باقی رکھا۔

یعنی مسلمان اسلام پر صرف اپنے انتساب پر قانع ہو گئے۔ ”لا إله إلا الله“ کو محض مسلمانی کا نعرہ سمجھ لیا، نہ کہ زندگی کا مکمل نظام۔

مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے تصور اور عمل کے میدانوں میں خود کو جمہوریت پسند، کمیونسٹ، عقلیت پرست، قوم پرست بنایا، فکری و سماجی میدانوں میں گلوبلائزیشن کے حامل نظریات کو قبول کیا، اور فیصلے کرنے میں شریعت کی بجائے وضعی قوانین اور اقوامِ متحدہ کے احکام کو معیار بنایا۔ معاشرتی زندگی میں مغربی اقدار کو اپنایا، اور عسکری و دفاعی نظام میں نئے عالمی نظام کے پرچم تلے کھڑے ہو گئے۔

انہوں نے ”لا إله إلا الله“ کو اس مفہوم میں قبول نہ کیا کہ ”لا إله“ کا مطلب یہ ہو کہ میں کسی دوسرے ”الٰہ“ کو تسلیم نہیں کرتا، نہ اس کے قانون کو مانتا ہوں، نہ اس کے وضع کردہ اخلاقی اصولوں اور معیاروں کو قبول کرتا ہوں، نہ اس کی تعلیمات پر قائم تہذیب کو تسلیم کرتا ہوں۔ اور ”إلا الله“ کا مطلب یہ ہو کہ میں عقیدے، عبادت، سیاست، عسکریت، معیشت، اخلاق اور زندگی کے ہر شعبے میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو مانتا ہوں۔ یعنی حق الٰہ اور باطل آلہہ کے مطالبات میں کوئی آمیزش نہیں کرتا۔

استاد محمد قطب فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کا دین کے ساتھ تعلق بدل گیا، تو وہ مغرب کے ساتھ جاری جنگ کے تمام میدانوں میں شکست سے دوچار ہوئے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

اخباری کالموں کا جائزہ

شاہین صدیقی

[اس تحریر میں مختلف موضوعات پر کالم نگاروں و تجزیہ کاروں کی آراء پیش کی جاتی ہیں۔ ان آراء اور کالم نگاروں و تجزیہ کاروں کے تمام افکار و آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)]

'I Love Muhammad' تحریک کے خلاف حکومتی کارروائی

یوں تو ہندوستان کے مسلمانوں پر ہندو انتہا پسندوں کے ڈھائے جانے والے ظلم کی خود پوری ایک تاریخ ہے لیکن مودی اور اس کے ہندتوا نظریے نے اسلام و مسلمانوں اور ان کے عقیدے کو ماضی میں جس طرح نشانہ بنایا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ سیکولر اور جمہوری کہلانے والی مودی حکومت نے ایک طرف مسلمانوں کے آئینی و شہری حقوق غصب کیے (شہریت ترمیمی ایکٹ کے ذریعے)، مسلمانوں کی مساجد و اوقاف کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کر کے انھیں مندر بنایا۔ وقف ترمیمی ایکٹ کے ذریعے وقف بورڈز میں ہندوؤں کی تقرریاں کیں، یکساں سول کوڈ کے ذریعے مسلمانوں کے شادی، طلاق اور وراثت کے قوانین ختم کیے (یہ ابھی صرف اتراکھنڈ میں نافذ ہے جبکہ ریاستی سطح پر نفاذ کی کوشش جاری ہے)، گائے ذبیحہ کے خلاف سخت سزائیں دی گئیں اور مذہبی آزادی کے نام پر (anti conversion act) نافذ کیا گیا تاکہ لوگوں کو قانونی طور پر اسلام قبول کرنے سے روک سکیں۔ یہ صرف ان اقدامات کی ایک جھلک ہے جو مودی حکومت قانونی طور پر مسلمانوں کو کمزور اور بے اختیار کرنے کے لیے کر رہی ہے، جبکہ مسلمانوں اور دین اسلام پر حملوں کی تفاصیل اس قدر وسیع اور تکلیف دہ ہیں کہ ان کا احاطہ یہاں ممکن ہی نہیں۔

ان میں ہندوؤں کے جانب سے مسلمانوں کی ماب لنچنگ، ''لو جہاد'' کے نام پر مسلمان نوجوانوں پر تشدد، ان کا قتل، ان کا معاشی بائیکاٹ، یوگی اور اس جیسے بھگوا حکومتی غنڈوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے گھروں اور املاک کو بلڈوزر کے ذریعے مسمار کرنا، خصوصاً ہندو مذہبی تہواروں کے مواقع پر مسلمانوں کی مساجد اور مسلمان آبادی پر منظم انداز میں حملے کرنا۔ یہیں پر بس نہیں بلکہ مسلمانوں کے دین و ایمان پر، ان کے عقائد و عبادات پر حتیٰ کہ ہر مسلمان کے دل کی دھڑکن نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔

یہ پہلا موقع نہیں کہ بھگوا ہندوؤں نے شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی کر کے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہو۔ اس سے پہلے بھی انتہا پسند ہندتوا لیڈر اور ان کے ناپاک مذہبی پیشوا توہین رسالت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ۲۰۲۲ء میں ملعونہ نوپور شرما نے اپنی نجس زبان سے نبی پاک ﷺ کے خلاف زہر اگلا تھا۔ اس ملعونہ کی حمایت میں ایک ہندو درزی نے سوشل میڈیا پر ایک توہین آمیز پوسٹ کی جس کے بعد دو غیرت مند مسلمان نوجوانوں نے اس کا سر قلم کر کے اسے کیفر کردار تک پہنچایا۔ اکتوبر ۲۰۲۴ء میں ایک ہندو پنڈت توہین رسالت کا مرتکب ہوا تھا، جبکہ آر ایس ایس کے جنوبی ہندو وقتاً فوقتاً عزت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر کے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچاتے رہتے ہیں۔ فداک ابی و امی

''آئی لو محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' مہم کیا ہے اور کیسے شروع ہوئی؟

ستمبر ۲۰۲۵ء بارہ ربیع الاوّل کے دن مسلم کمیونٹی میں دینی تقریبات منعقد کی گئیں جن میں اتر پردیش کے شہر کانپور میں ایک لائیٹ بورڈ پر لکھا ہوا آئی لو محمد (I love Muhammad) کو متشدد بھگوا ہندوؤں نے نفرت انگیز کہہ کر اس کے خلاف ایف آئی آر درج کروائی جس کے نتیجے میں درجنوں مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا۔ جب اس سادہ سے اظہارِ عقیدت و محبت کو بلاوجہ متنازع بنایا گیا تو ہندوستان کے مختلف شہروں اور سوشل میڈیا پر اس نے ایک مہم کی صورت اختیار کر لی اور مختلف شہروں میں ''آئی لو محمد'' اور مذہبی آزادی پر حکومتی حملے کے خلاف احتجاج شروع ہوئے جو ستمبر اور اکتوبر میں جاری رہے۔ میڈیا پر آنے والی رپورٹس کے مطابق بھگوا حکومت نے ڈھائی ہزار مسلمانوں کے خلاف ایف آئی آر درج کر کے کارروائیاں کی گئیں۔ بریلی میں نماز جمعہ کے بعد احتجاج کو روکنے کے لیے مسلمان نمازیوں پر تشدد، لاٹھی چارج اور گرفتاریاں کی گئیں جبکہ سزا کے طور پر مسلمانوں کے گھروں کو بھی بلڈوزر سے مسمار کر دیا گیا۔

الجزیرہ پر ایک تحریر ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ صورتحال کی صحیح عکاسی کرتے ہے:

Are We Muslims or Mujrims? How hate become India's daily entertainment | Ismail Salahuddin

> ''وہ معاشرے جہاں مظالم چھپے ہوئے نہیں بلکہ اس قدر معمول کا حصہ بن چکے ہیں کہ وہ اب حیران نہیں کرتے، یہ آج کا ہندوستان ہے۔ دن دہاڑے مسلمان قتل ہوتے ہیں، لیکن اکثریت کی نظر میں یہ پس منظر میں مچے شور سے زیادہ کچھ نہیں۔
>
> اس کے ساتھ اب نفرت خاموشی سے نہیں کی جاتی، یہ ایک تماشہ بن چکی ہے۔ جب کانپور میں مسلمانوں نے کتبے اٹھائے جن پر لکھا تھا 'I Love Muhammad'، تو پولیس نے ان کو تحفظ فراہم نہیں کیا بلکہ ۱۳۰۰ کے خلاف ایف آئی آر کاٹی گئی اور بڑے پیمانے پر گرفتاریاں

کی گئیں۔ اظہارِ محبت ہی جرم قرار دے دیا گیا۔ لیکن جب مہاراشٹر یا مدھیہ پردیش میں ہندوتوا بلوائی اکٹھے ہوتے ہیں اور کھلم کھلا نسل کشی کے نعرے لگاتے ہیں، تو ٹیلی ویژن کا عملہ یا تو ان کی تعریفوں کے پل باندھنے لگتا ہے یا پھر خاموشی سے نظر انداز کر دیتا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف تشدد ایک طرح کا ڈرامہ بن چکا ہے، ایک ایسا سکرپٹ جہاں مسلمان ہمیشہ ملزم ہوتے ہیں، اور ہندوتوا قوتیں تہذیب کے محافظین کا کردار ادا کرتی ہیں۔

......وزیر اعلیٰ یوگی ادتیہ ناتھ اس تماشائی ثقافت کی علامت ہے۔ اپنے سرکاری سٹیج سے وہ مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتا ہے، انہیں 'گھس بیٹھیے' اور 'دہشت گردوں کے ہمدرد' کہتا ہے۔ یہ کسی ایرے غیرے کی باتیں نہیں ہیں، یہ حکمران اشرافیہ ہے۔ لیکن پھر بھی نام نہاد اپوزیشن جماعتیں اس پر غم و غصے کا اظہار نہیں کرتیں بلکہ اپنے نرم کیے گئے ہندوتوا کے ورژن کو پیش کرتی ہیں، اس مقابلے میں لگی ہیں کہ کون زیادہ 'ہندو نواز' نظر آتا ہے، جبکہ مسلمانوں کے خوف کو دبا دیا جاتا ہے۔ اس دو جماعتی اتفاق رائے نے یہ واضح کر دیا ہے کہ مسلمان اب ہندوستان میں سیاسی رعایا نہیں ہیں بلکہ سیاسی نمائشی سامان ہیں۔

مسلمانوں کے لیے اس کی قیمت صرف جسمانی نہیں، یہ نفسیاتی اور بقا سے بھی جڑی ہے۔ آج مسلمان کی حیثیت سے جینا مستقل مشتبہ شخص کی حیثیت سے جینا ہے، مسجد میں نگرانی، بازار میں بد گمانی، کلاس روم میں شک۔ ہر جمعہ کی نماز خطرہ لگتی ہے۔ لاؤڈ سپیکر پر دی جانے والی ہر اذان کی آواز کچھ لوگوں کے لیے اشتعال انگیز ہوتی ہے، حالانکہ یہ ایک طبقے کی دل کی دھڑکن ہے۔"

[Al-Jazeera English]

اترپردیش کے شرپسند وزیر اعلیٰ یوگی ادتیہ ناتھ نے مسلمانوں کو کھلے عام دھمکی دی:

"یاد رکھو! جب بھی تم نے (آواز اٹھانے کی) جرأت کی، تو تمہیں اسی طرح مارا پیٹا جائے گا جیسے تمہیں بریلی میں مارا پیٹا گیا...... ہم تمہیں ایسا سبق سکھائیں گے کہ تمہاری آنے والی نسلیں بھی احتجاج کرنے کی جرأت نہیں کریں گی۔"

جہاں ایک طرف ہندوؤں کو اپنے کفریہ نعرے (جے شری رام وغیرہ) لگانے کی اور اپنے مذہبی تہواروں میں شور و غل اور فساد مچانے کی آزادی ہے تو وہیں مسلمانوں کی بے ضرور مذہبی تقریبات کے خلاف بھی کریک ڈاؤن کیا جا رہا ہے، اور بھگوا غنڈوں کو I Love Muhammad کا نعرہ بھی مذہبی اشتعال انگیزی کا باعث محسوس ہو رہا ہے۔

اس حوالے سے ایک لکھاری افروز عالم ساحل لکھتے ہیں:

Beyond Islamophobia: India cracks down on 'I Love Muhammad' posters | Afroz Alam Sahil

"بہت سے شہروں میں، ہندو تہواروں کے دوران گلیاں باقاعدگی سے 'جے شری رام' کے نعروں سے گونجتی ہیں، جلوس بغیر کسی رکاوٹ کے نکلتے ہیں اور شہر کے ہر کونے میں سیاسی بینر آویزاں ہوتے ہیں۔ مگر جب مسلمان پر امن طور پر اپنے جذبات کا اظہار بینرز کے ذریعے کرتے ہیں تو حکام فوری طور پر ایف آئی آر کاٹتے ہیں، گرفتاریاں کرتے ہیں اور الزامات عائد کرتے ہیں۔ یہ دوہرا معیار اب صرف 'قانون کی حکمرانی' کا معاملہ نہیں رہا، بلکہ گہرائی میں موجود مسلمان دشمنی کی علامت بن چکا ہے۔ ریاستی اداروں کی خاموشی، یا بعض اوقات ملی بھگت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اکا دکا واقعات نہیں ہیں، بلکہ یہ واضح پیغام اور ہندوتوا گروہوں کی خاموش منظوری کا منظم نمونہ ہیں۔

سوال یہ نہیں کہ مسلمان بینر کیوں لگاتے ہیں، بلکہ یہ ہے کہ کیا بھارت میں مذہبی اظہار کی آزادی تمام شہریوں کے لیے یکساں طور پر محفوظ ہے؟ اگر جواب ہاں ہے تو ایک سادہ بینر پر مسلمانوں کو خاص طور پر نشانہ کیوں بنایا جا رہا ہے؟ یہ صرف ایک پوسٹر کا معاملہ نہیں، یہ آئین پر اور اپنے عقائد پر عمل کرنے کے لیے تمام شہریوں کے مساوی حقوق کے بارے میں کلیدی سوالات اٹھاتا ہے۔"

[Daily Sabah]

ہندوستانی میڈیا کا ردِ عمل

بات جب مسلمانوں کے حقوق کی آتی ہے تو "گودی میڈیا" دنیا کو "سب اچھا" اور "سب کا ساتھ، سب کا وکاس" کے جھوٹے دعووں کی نقلی تصویر دکھاتا ہے، اس لیے اس سے کسی قسم کی امید رکھنا بے کار ہے۔ لیکن ہم نے جب ہندوستان کے مسلم دانشوروں اور صحافیوں کی تحریروں کو کھنگالا تو جو آراء سامنے آئیں ان کی ایک جھلک قارئین ملاحظہ کریں:

"آئی لو محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کے خلاف یوگی حکومت کی نفرت | میگزین ڈیسک

"اس پورے منظر نامے میں سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو ہو رہا ہے۔ ان کے دلوں میں خوف اور عدم تحفظ پیدا کیا جا رہا ہے ان کی نوجوان نسل کو یہ پیغام دیا جا رہا ہے کہ اگر وہ اپنے عقیدے کے ساتھ وفادار ہیں تو ان پر ظلم ہو گا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ حقیقت بھی ہے کہ ظلم جتنا بڑھتا ہے مزاحمت اتنی ہی جنم لیتی ہے۔ 'آئی لو محمد' تحریک پر ہونے والے ظلم نے لاکھوں مسلمانوں کے دلوں میں یہ احساس پیدا کر

دیا ہے کہ انہیں اپنے دین اور اپنی شناخت کے تحفظ کے لیے پر امن لیکن مضبوط انداز میں کھڑا ہونا ہوگا۔ یوگی حکومت کے مظالم وقتی ہیں۔ لیکن عشقِ رسول دائمی ہے اور یہی طاقت مسلمانوں کو ہر دور میں جرأت اور حوصلہ عطا کرتی ہے۔

یوں 'آئی لو محمد' تحریک کے خلاف کارروائی نے ایک بار پھر یہ ثابت کر دیا کہ ہندوستانی حکومت کی پالیسی مسلمانوں کو کمزور کرنے اور دبانے کی ہے۔ لیکن تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ ظلم زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتا۔ مسلمانوں پر ڈھائے گئے مظالم ایک دن حکومت کے لیے سوالیہ نشان بنیں گے۔ اور محبت رسول ﷺ کی طاقت ہمیشہ مسلمانوں کو زندہ اور متحد رکھے گی۔ یوگی حکومت کی چیرہ دستی اگرچہ اس وقت طاقتور دکھائی دیتی ہے لیکن یہ سچائی کبھی نہیں بدل سکتی کہ مسلمانوں کی اصل طاقت ان کا ایمان اور ان کا عشقِ رسول ہے جسے کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔"

[اردو ٹائمز]

راج کرنا ہے کرو، آگ نہ لگایا کرو|رشید الدین

"آئی لو محمد ﷺ کا نعرہ یقیناً ایمانی حرارت پیدا کرتا ہے لیکن ہمیں سوچنا ہوگا کہ اس نعرے کی اگر کوئی مخالفت کرے تو وہ بلواسطہ طور پر توہین رسالت کے زمرے میں آئے گا۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مقدس نام کو سیاسی اغراض کے لیے استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے۔ بی جے پی اور سنگھ پریوار کے پاس فی الوقت کوئی متنازع مسئلہ نہیں ہے جسے ایجنڈا بنا کر وہ ملک میں نفرت کا ماحول پیدا کر سکیں۔ سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس ڈی وائی چندر چوڑ کو اچانک میدان میں اتارا گیا جنہوں نے بابری مسجد اور گیان واپی کے بارے میں متنازع بیانات دیتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ دونوں مساجد پر ہندوؤں کی دعویداری درست ہے۔ جسٹس چندر چوڑ کے اس بیان کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی جا رہی ہے اور گودی میڈیا کے مختلف چینلوں میں ان کے انٹرویوز کا سلسلہ جاری ہے۔ سنگھ پریوار اور بی جے پی منظم سازش کے تحت 'آئی لو محمد ﷺ' کے نعرے پر مسلمانوں کو مشتعل کرنا چاہتے ہیں تاکہ سارے ملک میں ماحول کو فرقہ ورانہ رنگ دیا جائے۔ مسلمان بنیادی طور پر جذباتی ثابت ہوا ہے۔ لیکن اسوہ حسنہ میں ہمیں حکمت کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ جذباتی فیصلوں کے بجائے اگر حکمت سے حالات کو نمٹا جائے تو مخالفین کے منصوبوں کو شکست دی جا سکتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے محبت و عقیدت کے بارے میں ایک مسلمان کو اظہار کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ایمان کا جز لاینفک ہے۔ بی جے پی اور سنگھ پریوار کے سامنے محبت رسول ﷺ کے اظہار سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ جو ازلی طور پر دشمن اسلام ہوں، ان سے احترام کی امید کرنا فضول ہے۔ راہول گاندھی کی مخالف ووٹ چوری مہم نے بہار میں بی جے پی کی کشتی کو بھنور میں پھنسا دیا ہے۔ ملک گیر سطح پر بی جے پی کی جانب سے الیکشن کمیشن کی مدد سے کی گئی ووٹ چوری نے عوام کو باشعور بنا دیا ہے اور بہار میں شکست بی جے پی کے لیے نوشتہ دیوار بن چکی ہے۔ ان حالات میں 'آئی لو محمد ﷺ' کو فرقہ ورانہ رنگ دے کر مخالف ووٹ چوری مہم کے اثرات کو زائل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اتر پردیش کے حالات کے بعد ووٹ چوری مخالف مہم سے عوام کی توجہ ہٹانے میں کسی حد تک کامیابی ضرور ملی ہے۔ وقف ترمیمی قانون، لداخ میں نوجوانوں کا احتجاج، منی پور تشدد اور دیگر مسائل سے توجہ ہٹانے کے لیے بی جے پی اس مہم کو مزید ہوا دے سکتی ہے۔ اتر پردیش کے بعد بہار میں بھی فرقہ ورانہ کارڈ کھیلنے کی تیاری ہے تاکہ الائنس کی مہم کمزور ہو اور ہندوتوا ووٹ بنک کو متحد کیا جائے۔ نریندر مودی اور نتیش کمار کے پاس کوئی ایسا کارنامہ نہیں جس کی بنیاد پر بہار میں ووٹ مانگ سکیں۔ لہٰذا فرقہ ورانہ ایجنڈا ہی کام آ سکتا ہے۔ مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی قیادت کے علاوہ سماجی جہت کاروں کو نازک حالات میں صحیح رہنمائی کرنی چاہیے تاکہ زعفرانی سازش کا شکار ہونے سے مسلمان بچ جائیں۔ بی جے پی نے مسلمانوں کو 'آئی لو محمد ﷺ' پر بھڑکانے کے لیے یوگی ادتیہ ناتھ اور دوسرے نفرت کے سوداگروں کو میدان میں اتار دیا ہے لیکن مسلمان ہوش اور حکمت کے ذریعے صورتحال کا مقابلہ کریں کیونکہ فراست کو مسلمانوں کی میراث اور اثاثہ کہا گیا ہے۔ موجودہ وقت اور حالات مسلمانوں کی مومنانہ فراست کا امتحان ہیں۔"

[روزنامہ سیاست]

انڈیا میں دن بدن بڑھتے مسلمانوں پر حملے، ان کے عقائد کو نشانہ بنانا خصوصاً پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بار بار گستاخی کرنا ایک سوچے سمجھے ہندوتوا ایجنڈے کا حصہ ہے۔ جس کا اصل مقصد مسلمانوں کو کمزور کرنا، ان میں خوف اور مایوسی پھیلانا اور انہیں اسلام اور نبی اکرم ﷺ کے خلاف ہونے والی ہر بات یا حرکت پر اتنا امیون (immune) کر دینا ہے کہ وہ اس متعلق بالکل ہی بے حس ہو جائیں۔ اسی لیے اس وقت ہندوستان میں مسلمان دو طرح کے طبقات میں بٹے نظر آتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۳ پر)

”

ان (صہیونی و صلیبی مصنوعات) کا ضرور بائیکاٹ کریں کیونکہ یہ (صہیونی و صلیبی) ہمارے ہی پیسوں سے ہمیں ہی قتل کرتے ہیں۔

شیخ حمود بن عقلاء الشعيبي رَحِمَهُ اللّٰه

“

حمود بن عقلاء الشعيبي

قبلۂ اوّل سے خیانت کی داستان

(متحدہ عرب امارات)

نعمان حجازی

متحدہ عرب امارت(UAE) بطور ملک جب دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا تب تک فلسطین پر اسرائیل کے قبضے کو چوتھائی کے قریب صدی گزر چکی تھی۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل مغربی کنارے، غزہ سمیت پورے فلسطین اور مصر کے جزیرہ نما سینا پر بھی قبضہ کر چکا تھا۔ اس لیے ۱۹۷۱ء میں برطانیہ سے آزاد ہو کر یہ ریاست وجود میں آئی تو اس کے حکمرانوں کے لیے فلسطین پر اسرائیلی قبضہ ایک جغرافیائی حقیقت تھا بنسبت ان عرب حکومتوں کے جنھوں نے اپنے سامنے ایک مسلم عرب سرزمین کو اسرائیل کے قبضے میں جاتے دیکھا۔ یہی وجہ تھی کہ شروع سے ہی متحدہ عرب امارات کا مسئلۂ فلسطین کے ساتھ تعلق و تعامل بس رسمی حیثیت میں ہی رہا اور اگر فلسطین کے حق میں یا اسرائیل کے خلاف کچھ کہا بھی تو وہ بھی خالص اپنے سیاسی مفادات کے لیے۔ اور جب اس نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات شروع کیے تو اسرائیل سے اپنی محبت میں باقی سب عرب ریاستوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور آج متحدہ عرب امارات کے اسرائیل کے ساتھ باقی تمام مسلم ریاستوں کی نسبت سب سے گہرے اور سب سے قریبی تعلقات ہیں۔

قبلۂ اوّل سے خیانت کی داستان میں اس خائن ریاست کا کردار اگرچہ دیگر ریاستوں کی نسبت تاخیر سے شروع ہوا لیکن یہ اہلِ فلسطین کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے اور اپنے معاشی اور سیاسی مفادات کی خاطر اسرائیل کا فلسطین پر قبضہ مستحکم کرنے میں دیگر خائن ریاستوں کے ساتھ پیش پیش ہی رہی ہے۔ آج جب متحدہ عرب امارات اور اسرائیل کے تعلقات اپنی پوری بے شرمی کے ساتھ عروج پر ہیں، تو یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ ان کی قبلۂ اوّل سے خیانت کا آغاز ابراہیمی معاہدوں کے وقت سے شروع نہیں ہوتا بلکہ مال و جاہ کے پجاری اس کے حکمران خاندان اپنے معاشی مفادات کی خاطر خیانت کی بھی ایک طویل تاریخ رکھتے ہیں۔

پس منظر

متحدہ عرب امارات دراصل درج ذیل سات اماراتوں ابو ظہبی، دبئی، شارجہ، راس الخیمہ، عجمان، ام القوین اور فجیرہ، پر مشتمل ایک اتحاد کا نام ہے۔

راس الخیمہ اور شارجہ کی اماراتوں پر آل قاسمی خاندان کی حکومت ہے، ابو ظہبی پر بنی یاس کی ذیلی شاخ آل نہیان کی حکومت ہے، دبئی پر بنی یاس کی ایک اور ذیلی شاخ آل مکتوم کی حکومت ہے، عجمان پر آل نعیمی کی حکومت ہے، ام القوین پر آل معلّا کی حکومت ہے جبکہ فجیرہ پر آل شرقی کی حکومت ہے۔

انیسویں صدی کے آغاز میں ان تمام خاندانوں کی معیشت کا دارومدار موتیوں کی تجارت اور ماہی گیری پر تھا۔ آل قاسمی ان خاندانوں میں سب سے مضبوط تھا اور خلیج میں بحری راستے اور بحری تجارت پر زیادہ تر کنٹرول اسی خاندان کے ہاتھ میں تھا۔ بنی یاس کے دونوں ذیلی خاندان آل نہیان اور آل مکتوم آل قاسمی کے بعد معاشی طور پر مضبوط خاندان تھے لیکن آل قاسمی کی طاقت سے حسد کرتے تھے اور ان کے ساتھ ان کے تنازعات چلتے رہتے تھے۔ عجمان اور ام القوین کی اماراتیں معاشی طور پر کمزور، رقبے، آبادی اور وسائل میں چھوٹی تھیں لیکن اپنی جداگانہ حیثیت برقرار رکھتی تھیں اور انہیں باقی چاروں بڑی اماراتوں سے ہمیشہ یہ خدشہ لاحق رہتا تھا کہ ان میں سے کوئی انہیں ہڑپ کر جائے گا۔ فجیرہ کی امارت ان باقی اماراتوں سے دور خلیج عمان کے ساحل پر ایک کمزور اور چھوٹی امارت تھی جس کا زیادہ تر علاقہ پہاڑی اور صحرائی تھا اور اس کی آبادی اور وسائل باقی اماراتوں سے بھی کم تھے۔ انیسویں صدی کے آغاز میں یہ امارت عمان کے زیرِ اثر تھی۔

انیسویں صدی کے آغاز میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے خطے میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانا شروع کیا اور اس کے تجارتی جہاز خلیج کے سمندر میں بھی آنے جانے لگے تو آل قاسمی نے ان کے خلاف مزاحمت کا آغاز کیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہازوں پر حملے شروع کیے۔ اس مزاحمت میں آل قاسمی تقریباً تنہا تھے باقی امارات ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں سوائے اس کے کہ جب کسی بحری جہاز پر حملہ کرنا ہوتا تو آل قاسمی کے تحت دیگر امارات کے لوگ بھی مالِ غنیمت کے حصول کے لیے حملے میں شریک ہو جاتے۔

متصالح ساحلی ریاستوں کا قیام

تجارتی جہازوں پر حملوں کے نتیجے میں برطانیہ نے ان امارات کے خلاف جنگ شروع کر دی، لیکن یہ جنگ بھی آل قاسمی کو اکیلے ہی لڑنی پڑی اور باقی کسی امارت نے آل قاسمی کا ساتھ نہیں دیا بلکہ برطانیہ کے ساتھ معاہدے کر لیے۔ تنہا رہ جانے کے سبب آل قاسمی جلد ہی شکست کھا گئے اور ۱۸۲۰ء میں ساتوں اماراتوں نے برطانیہ کے ساتھ اپنی علیحدہ علیحدہ حیثیت میں معاہدہ کر لیا جسے عمومی بحری معاہدہ ۱۸۲۰ء (General Maritime Treaty of 1820) کہا جاتا ہے۔ جس کے تحت یہ ”متصالح ساحلی ریاستیں“ (Trucial States) کہلائیں۔ اس معاہدے کے تحت یہ ریاستیں برطانیہ کے بحری تجارتی راستے کی حفاظت کرنے کی پابند تھیں اور بدلے میں برطانیہ ان اماراتوں کی حفاظت کرے گا جس میں یہ بھی شامل ہے کہ ان امارات میں سے کوئی امارت کسی دوسری امارت پر حملہ آور نہیں ہو گی۔

باقاعدہ برطانوی تسلط

جب نہر سوئز کا راستہ کھلا اور برطانیہ کو اس پر کنٹرول حاصل ہوا تو خلیج کے تجارتی راستے کی اہمیت میں کمی آ گئی اور برطانیہ کو اپنے بحری راستے کی حفاظت کی ضرورت نہ رہی۔ اسی عرصے میں برطانیہ کو یہ خبریں بھی ملنا شروع ہوئیں کہ یہ امارتیں برطانیہ سے بغاوت کی منصوبہ بندی کر رہی ہیں۔ اس کے سد باب کے لیے برطانیہ نے ۱۸۹۲ء میں ان امارات کے ساتھ ایک اور معاہدہ کیا جس کے ذریعے یہ امارتیں براہ راست برطانوی تسلط میں آ گئیں۔ اس معاہدے میں تین نکات طے ہوئے کہ یہ امارتیں:

۱. برطانیہ کے سوا کسی بھی اور طاقت کے ساتھ کسی بھی قسم کا معاہدہ نہیں کر سکتیں نہ ہی ان سے کوئی تعلق رکھ سکتی ہیں۔

۲. برطانوی حکومت کی اجازت کے بغیر کسی بھی اور حکومت کے نمائندے کو اپنی سرزمین پر رہنے کی اجازت نہیں دے سکیں۔

۳. برطانوی حکومت کے علاوہ اپنی سرزمین کا ایک انچ ٹکڑا بھی کسی بھی بیرونی عنصر کے قبضے میں کسی بھی ذریعے سے نہیں دے سکتیں، چاہے وہ بیچنے کے ذریعے سے ہو، رہن رکھنے کے ذریعے سے ہو یا کسی بھی اور ذریعے سے۔

جب تیل کی دریافت کا کام شروع ہوا تب برطانیہ نے معاہدے میں مزید اضافہ کروایا کہ یہ امارتیں برطانوی حکومت کی اجازت کے بغیر کسی باہر کی کمپنی کے ساتھ قدرتی وسائل نکالنے کے معاہدے نہیں کریں گی۔

برطانوی راج کا خاتمہ

۱۹۶۶ء تک برطانوی راج اس قدر کمزور ہو چکا تھا کہ وہ مزید ان امارات کا انتظام نہیں سنبھال سکتا تھا نہ ہی اس خطے میں برطانوی افواج کو رکھنے کا خرچہ برداشت کر سکتا تھا۔ اس لیے پہلے جنوری ۱۹۶۸ء میں اور پھر حتمی طور پر مارچ ۱۹۷۱ء میں برطانیہ نے ان امارات کے ساتھ اپنے معاہدے ختم کرنے اور ان کی "متصالح ساحلی ریاستوں" کی حیثیت ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے تحت یہ معاہدے دسمبر ۱۹۷۱ء میں ختم ہو جانے تھے۔

برطانیہ کی طرف سے اعلان کے چند دن بعد ابو ظہبی کے امیر شیخ زاید بن سلطان آل نہیان نے برطانویوں سے اپنے معاہدوں پر قائم رہنے کی درخواست کی اور بدلے میں پیش کش کی کہ برطانوی افواج کو امارات میں رکھنے کے تمام اخراجات یہ امارات خود اٹھائیں گی۔ لیکن برطانیہ نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ان تمام امارتوں اور قطر اور بحرین کے شیوخ (ان امارات میں امارت کے سربراہ کو شیخ کہا جاتا ہے) مل بیٹھے اور نو امارتوں (سات متصالح ساحلی ریاستیں، قطر و بحرین) کا متحدہ نظم بنانے کی تجویز پر غور کیا جانے لگا۔ لیکن کئی ماہ گزر جانے کے باوجود ان کے درمیان اس اتحاد کی نوعیت اور طریقہ کار پر اتفاق نہ ہو سکا۔ بحرین نے اس سے علیحدہ ہو کر اگست ۱۹۷۱ء میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا جبکہ قطر نے ستمبر ۱۹۷۱ء میں اپنی آزادی کا اعلان کیا۔

باقی سات امارات کو خطرے کی سنگینی کا احساس تب ہوا جب معاہدہ ختم ہونے سے ایک روز قبل ایران نے آل قاسمی کے زیر تسلط جزائر پر حملہ کر دیا اور جزائر طنب پر قبضہ کر لیا۔ ایک برطانوی جنگی بحری جہاز وہیں قریب میں موجود تھا لیکن اس نے ایرانی بحریہ کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کے بعد ایرانی بحریہ جزیرہ ابو موسیٰ کی طرف بڑھ رہی تھی کہ شارجہ کے امیر شیخ خالد بن محمد القاسمی نے ایران کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور جزیرہ ابو موسیٰ ایران کو تیس لاکھ ڈالر سالانہ کی لیز پر دے دیا۔ دوسری طرف سعودی عرب نے بھی ابو ظہبی کی حدود میں موجود علاقوں پر دعویٰ کر دیا۔

متحدہ عرب امارات کا قیام

معاہدے کے خاتمے کے ایک دن بعد ۲ دسمبر ۱۹۷۱ء کو راس الخیمہ کی علاوہ باقی کی چھ ریاستوں نے متحد ہو کر "متحدہ عرب امارات" کے قیام کا اعلان کر دیا اور ابو ظہبی کے امیر شیخ زاید بن سلطان آل نہیان کو اس کا سربراہ بنا دیا گیا۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو راس الخیمہ بھی متحدہ عرب امارات کا حصہ بن گیا۔

اس سارے پس منظر کا براہ راست متحدہ عرب امارات کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات کے ساتھ کوئی ربط نہیں لیکن اسے بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر آج متحدہ عرب امارات اسرائیل کے ساتھ اتنی پینگیں بڑھا رہی ہے اور پوری ڈھٹائی سے مسئلہ فلسطین کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اپنے داخلی مفادات کو اہمیت دے رہی ہے تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں، ان امارتوں میں غیرت کا مادہ پہلے بھی کبھی نہیں رہا، اگر آل قاسمی میں کچھ تھا بھی تو وہ بھی دیگر امارتوں کی بے وفائی کے نتیجے میں ملنے والی شکست کے بعد ختم ہو گیا۔

شیخ زاید بن سلطان آل نہیان (۱۹۷۱ء تا ۲۰۰۴ء)

شیخ زاید کو دیگر عرب بادشاہوں کی نسبت ایک لبرل حکمران مانا جاتا تھا۔ اس نے آغاز ہی سے نجی میڈیا اداروں کو آزادانہ کام کرنے کی اجازت دی۔ ان پر بس اتنی پابندی تھی کہ وہ شیخ زاید اور حکمران خاندان کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتے۔ تمام مذاہب کو اپنے مذاہب پر کھل کر عبادت کرنے کی اجازت تھی اور جزیرۃ العرب کی حدود میں ہونے کے باوجود انہیں اپنی عبادت گاہیں بنانے کی بھی کھلی اجازت تھی۔ اس کے علاوہ عورتوں کے حوالے سے بھی وہ لبرل نظریات کا حامل تھا۔ اس نے اپنے اقتدار کی ابتدا ہی میں العین یونیورسٹی کی بنیاد رکھی جہاں مخلوط تعلیم کا نظام تھا اور یہ پورے خطے میں اپنی نوعیت کی پہلی یونیورسٹی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے اقتدار میں آتے ہی سرکاری محکموں میں ملازمت کے دروازے بھی عورتوں کے لیے کھول دیے۔

چوتھی عرب اسرائیل جنگ اور تیل کی برآمدات پر پابندی

متحدہ عرب امارات کے قیام کے ساتھ ہی یہ عرب لیگ کا حصہ بھی بن گیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد ۱۹۷۳ء میں چوتھی عرب اسرائیل جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ کے وقت شیخ زاید

نے اسرائیل کو عربوں کا دشمن ملک قرار دیا۔ اور سعودی عرب کے شاہ فیصل کی تجویز پر عرب پیٹرولیم کی تنظیم اوپیک (OPAIC) نے اس جنگ میں اسرائیل کی بھرپور مدد کرنے والے دونوں ممالک امریکہ اور نیدرلینڈ کو تیل کی برآمدات بند کر دیں اور باقی مغرب کے لیے بھی تیل کی قیمتوں میں چار گنا اضافہ کر دیا۔ شیخ زاید نے بھی اس پابندی کی حمایت کی اور اس موقع پر کہا کہ ”عرب تیل عرب خون سے مہنگا نہیں“۔ یہ پابندی پانچ ماہ تک جاری رہی اس کے بعد جب امریکی ثالثی میں مصر اور اسرائیل کے درمیان مذاکرات شروع ہوئے اور جنگ بندی ہوئی تو اوپیک نے پابندی اٹھالی۔

اسرائیل کے حوالے سے پالیسی میں نرمی کا آغاز

۱۹۷۹ء میں دو ایسے واقعات ہوئے جو آنے والے وقتوں میں متحدہ عرب امارات سمیت تمام عرب ممالک کے لیے اسرائیل کے حوالے سے اپنی سوچ میں تبدیلی لانے کا باعث بنے۔

ان میں سے ایک مصر اسرائیل رسمی تعلقات کا قیام تھا جس کے نتیجے میں عرب لیگ سے مصر کی رکنیت معطل ہوئی لیکن ۸۰ کی دہائی کے آخر تک مصر نے نہ صرف عرب لیگ میں اپنی رکنیت بحال کروالی بلکہ عرب ممالک کا اسرائیل کے حوالے سے سوچ کا زاویہ بھی بدل دیا۔

دوسری طرف ۱۹۷۹ء میں ہی ایران میں خمینی انقلاب آیا اور خمینی نے آنے والے سالوں میں کھل کر اپنے ارادوں کا اظہار کیا کہ ایران عرب ممالک میں بھی اسی طرح کا انقلاب چاہتا ہے اور عرب بادشاہتوں کا تختہ الٹنا چاہتا ہے۔ اس دھمکی کی وجہ سے عرب حکمرانوں کو اپنے اقتدار اور عیاشیوں کی فکر لاحق ہو گئی اور چونکہ یہ عرب ریاستیں خلافت عثمانیہ سے الگ ہونے کے بعد مستقل عالمی طاقتوں کے غلام رہیں اور انہیں کی پیدا کردہ تھیں اس لے انہیں اپنی عافیت بھی امریکہ کے زیرِ سایہ نظر آئی، اور چونکہ امریکی خوشنودی کا راستہ اسرائیل سے ہو کر گزرتا ہے اس لیے بھی ان ممالک نے اسرائیل کے حوالے سے اپنی پالیسیوں پر نظر ثانی کی۔

یہی وجہ تھی کہ ۸۰ کی دہائی میں اسرائیلی تاجر کسی تیسرے ملک کے پاسپورٹ کے ذریعے تجارت کے لیے دبئی کی ہیرے کی منڈی میں آنے لگے اور اس عمل میں انہیں متحدہ عرب امارات کی حکومت کی طرف سے تعاون حاصل ہوتا تھا۔ انہی تاجروں کے پس پردہ سفارتی و انٹیلی جنس اہلکار بھی آتے اور متحدہ عرب امارات کے حکام سے خفیہ ملاقاتیں کرتے۔ اس طرح ۸۰ء کی دہائی سے ہی متحدہ عرب امارات اور اسرائیل کی حکومتوں اور انٹیلی جنس اداروں کے درمیان خفیہ روابط کا آغاز ہو گیا تھا۔

پہلی خلیج جنگ میں متحدہ عرب امارات کا کردار

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ عرب ریاستوں نے برطانیہ کے بعد امریکہ کو اپنا آقا بنالیا تھا تو یہ معاملہ سارے ہی برطانیہ سے آزاد ہونے والے مسلم ممالک کے ساتھ رہا، فرق بس اتنا تھا کہ ترقی پذیر غیر عرب ریاستیں، جیسے اگر پاکستان جیسی ریاستیں امریکہ کی غلامی کرتی ہیں، یا اس کی چاپلوسی کرتی ہیں یا امریکہ یا کسی اور کے کہنے پر اپنی فوجیں کسی خوشنما نعرے کے تحت کرایے پر دیتی ہیں تو اس کے بدلے انہیں کسی بخشش کی امید ہوتی ہے، لیکن ان عرب ریاستوں کا معاملہ ایسا نہیں ہے، یہ صرف امریکہ کی غلام نہیں بنیں بلکہ انہوں نے امریکہ کو قریب قریب اپنا خدا ہی بنالیا ہے، یہ امریکہ سے بخشش کی خواہشمند نہیں ہوتیں الٹا امریکہ پر اپنا مال بے دریغ لٹاتی ہیں۔

اس کی مثال ۱۹۹۰ء کی پہلی خلیج جنگ ہے۔ پہلی خلیج جنگ میں امریکہ نے ۴۲ ممالک کی افواج پر مشتمل ایک اتحادی فوج بنائی جس نے جنگ میں شمولیت کی۔ اس اتحادی فوج میں متحدہ عرب امارات کی فوج بھی شامل تھی۔ اس کے علاوہ امارات نے ابو ظہبی کے قریب اپنی الظفرہ ائیر بیس مستقل طور پر امریکہ کے حوالے کر دی جو آج تک امریکہ کے پاس ہے جس پر ہر وقت ساڑھے تین ہزار امریکی فوجی ہر وقت تعینات رہتے ہیں۔

الظفرہ ائیر بیس کے علاوہ پہلی خلیج جنگ کے دوران امارات نے امریکہ کو ابوظہبی کی مینا زاید بندرگاہ، فجیرہ کی نیول بیس، دبئی انٹرنیشنل ائیر پورٹ اور شارجہ انٹرنیشنل ائیر پورٹ استعمال کرنے کی کھلی چھوٹ دیے رکھی۔ ان میں سے بھی مینا زاید بندرگاہ اور فجیرہ نیول بیس ۲۰۰۸ء میں مستقل امریکہ کے حوالے کر دی گئیں۔

یہیں پر بس نہیں بلکہ پہلی خلیج جنگ کا پورا کا پورا خرچہ جو کہ تقریباً اکسٹھ (۶۱) بلین ڈالر بنتا ہے تقریباً سارا کا سارا ہی عرب ممالک نے اٹھایا جس میں سے سولہ (۱۶) بلین ڈالر متحدہ عرب امارات نے ادا کیے۔

اوسلو مذاکرات کے پس پردہ خفیہ ملاقاتیں

جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ اسرائیل اگرچہ اصل میں تو برطانیہ کی ناجائز اولاد ہے اور امریکہ کی لے پالک ہے مگر پھر بھی اس کی لاڈلی اور اکلوتی اولاد ہے، جس کی ہر خواہش پوری کرنا اور اس کے ناز نخرے اٹھانا امریکہ اپنا اوّلین فریضہ سمجھتا ہے چاہے اس کے لیے امریکہ کو اپنی ہی عوام کے منہ سے نوالا کیوں نہ چھیننا پڑ جائے۔ اس لیے ایسا نا ممکن ہے کہ کوئی امریکہ کے آگے سجدہ ریز ہو، اس کا غلام ہو یا اس کی خوشنودی اور رضامندی کا خواہش مند ہو لیکن اسرائیل سے دشمنی رکھتا ہو، مسئلہ فلسطین کے ساتھ مخلص ہو یا کم از کم وقت آنے پر فلسطینی کاز کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے سے اجتناب کرے۔

یہی وجہ ہے کہ جب خلیج جنگ کے بعد اسرائیل فلسطین تنازع کے حل کے لیے امریکہ نے سپین میں میڈرڈ کانفرنس منعقد کروائی، جس کے نتیجے میں آنے والے سالوں میں اسرائیل اور فلسطینی تنظیم پی ایل او کے درمیان اوسلو معاہدے طے پائے، تو امریکی ایما پر تمام عرب ریاستوں نے کسی نہ کسی درجے میں اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کرنا شروع کر دیے تھے۔

اوسلو معاہدوں کے مذاکرات کے دوران جب واشنگٹن میں اسرائیلی اور پی ایل او کے وفود کی ملاقاتیں ہوتی تھیں تو اسی کے پس پردہ متحدہ عرب امارات اور اسرائیلی وفود کی بھی امریکی ثالثی میں ملاقاتیں شروع ہوئیں۔ ان ملاقاتوں میں نہ صرف باہمی تجارت کو وسعت دینے پر اتفاق ہوا بلکہ یہیں سے مشترکہ دشمنوں بشمول ایران کے خلاف خفیہ روابط کا آغاز ہوا۔

F-16 طیاروں کی خریداری کے لیے 'اسرائیل کی اجازت'

۱۹۹۴ء میں متحدہ عرب امارات امریکہ سے F-16 جیٹ طیارے خریدنا چاہتی تھی اور امریکہ اس پر رضامند بھی تھا لیکن دونوں ملکوں کو خدشہ تھا کہ ''کہیں اسرائیل ناراض نہ ہو جائے''۔ امریکی حکام نے واشنگٹن میں اسرائیلی سفارت خانے کو اس کی اطلاع دی تو اس وقت وہاں موجود سفارتی اہلکار جیریمی اساکروف (اس وقت جرمنی میں اسرائیلی سفیر) نے جواب دیا کہ وہ اس معاملے پر اماراتی وفد سے براہ راست بات کرنا چاہتا ہے تاکہ جان سکے کہ ''امارات یہ امریکی طیارے کس مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں''۔ اس کے بعد اماراتی وفد کی جیریمی اساکروف سے ملاقات ہوئی اور اماراتی وفد نے یقین دہانی کروائی کہ وہ یہ طیارے ایرانی خطرے کے سدباب کے لیے خریدنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے درمیان ایران کے خلاف تعاون پر تفصیلی بات چیت ہوئی جس کے نتیجے میں پہلی بار باضابطہ طور پر متحدہ عرب امارات اور اسرائیل کے درمیان انٹیلی جنس شیئرنگ کا آغاز ہوا۔ اس ملاقات کے بعد اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابن نے کلنٹن انتظامیہ کو مطلع کر دیا کہ اسے امریکہ کے امارات کو F-16 طیارے بیچنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

تھنک ٹینک ادارے کا قیام اور اس کے پس پردہ یہودی لابی کا امارات کا دورہ

۱۹۹۴ء ہی میں متحدہ عرب امارات کے موجودہ سربراہ اور اُس وقت اماراتی افواج کے چیف آف سٹاف محمد بن زاید نے ابوظہبی میں ایک تھنک ٹینک ادارے "Emirates Center for Strategic Studies and Research (ECSSR)" کی بنیاد رکھی۔ اگرچہ رسمی طور پر اس ادارے کے قیام کا مقصد قومی، علاقائی اور بین الاقوامی معاملات سے متعلق تحقیق کرنا اور اسٹریٹیجک تجزیات پیش کرنا بتایا گیا جس کے ذریعے سے متحدہ عرب امارات اپنی پالیسی بنا سکے، لیکن اس ظاہری مقصد کے پیچھے بنیادی مقصد اس پلیٹ فارم کے پس پردہ اسرائیلی وفود کو امارات بلانا اور ان کے ساتھ بات چیت تھا۔

اسی ادارے کے پلیٹ فارم سے ادارے کے قیام کے کچھ ہی عرصہ بعد محمد بن زاید نے امریکہ کی یہودی لابی کے بااثر افراد کو امارات مدعو کیا اور ان سے تفصیلی ملاقات کی۔ اس ملاقات میں اس نے اپنی اس خواہش کا اعادہ کیا کہ وہ ایران کے خلاف اسرائیل کے ساتھ اتحاد کا خواہاں ہے۔ اسی ملاقات میں محمد بن زاید نے کہا تھا:

''میں تصور کر سکتا ہوں کہ ہم اسرائیل کے ساتھ مل کر ایران کے خلاف اکٹھے مورچوں میں لڑ رہے ہیں۔''

نومبر ۲۰۰۴ء میں شیخ زاید بن سلطان آل نہیان کے مرنے تک آنے والے سالوں میں دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی اور ان کے خفیہ تجارتی تعلقات، انٹیلی جنس شیئرنگ اور خفیہ ملاقاتیں اسی طرح سے چلتی رہیں۔

خلیفہ بن زاید آل نہیان (۲۰۰۴ء تا ۲۰۲۲ء)

۲۰۰۴ء میں زاید بن سلطان آل نہیان کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا خلیفہ بن زاید آل نہیان متحدہ عرب امارات کا سربراہ بنا جس کے بعد امارات کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات میں نمایاں تبدیلی آنا شروع ہو گئی۔

دوسری لبنان جنگ ۲۰۰۶ء

۲۰۰۶ء میں جب اسرائیل اور حزب اللہ کے درمیان دوسری لبنان جنگ ہوئی تو متحدہ عرب امارات نے حزب اللہ کی کھل کر مذمت کی اور اسے جنگ کا ذمہ دار قرار دیا۔ متحدہ عرب امارات نے سعودی عرب، مصر، اردن، کویت، عراق، فلسطینی اتھارٹی اور بحرین کے ساتھ مل کر ایک مشترکہ بیان جاری کیا جس میں حزب اللہ کی کارروائیوں کو نامناسب، غیر ذمہ دارانہ اور عرب مفادات کے خلاف قرار دیا۔ اس کے علاوہ اس بیان میں حزب اللہ کو علاقائی استحکام کے لیے خطرہ قرار دیا گیا۔ متحدہ عرب امارات نے بیان میں کہا کہ حزب اللہ کی کارروائیوں نے پورے عرب خطے کو غیر ضروری خطرے میں ڈال دیا ہے اور یہ بھی کہا کہ اسرائیلی جارحیت کا بھی اصل ذمہ دار حزب اللہ ہی ہے۔

وکی لیکس دستاویزات: ۲۰۰۷ء میں امریکی وفد سے محمد بن زاید کی ملاقات

وکی لیکس کی افشاء کردہ مشہور امریکی خفیہ کیبلز میں سے ایک امریکی حکام کی اس وقت کے ولی عہد محمد بن زاید سے خفیہ ملاقات کے حوالے سے ہے۔

یہ خفیہ ملاقات ۲۲ جنوری ۲۰۰۷ء کو ابوظہبی میں ہوئی جس میں امریکی وفد میں امریکی انڈر سیکریٹری برائے سیاسی امور نیکولس برنز (Nicholas Burns) اور مشرق وسطیٰ کے لیے امریکی سفیر جیمز جیفری (James Jeffrey) جبکہ امارات کی طرف سے اماراتی ولی عہد محمد بن زاید آل نہیان اور اماراتی وزیر خارجہ عبد اللہ بن زاید آل نہیان شامل تھے۔

ایران کے حوالے سے:

گفتگو کا آغاز محمد بن زاید نے اپنے دورۂ تہران کی رپورٹ دیتے ہوئے کہا کہ اسے ''یہ بات انتہائی مضحکہ خیز لگی کہ ایران میں زیادہ تر لوگوں کا خیال ہے کہ امریکہ ایران سے جنگ کا خواہاں ہے''۔ ایران پر لگائی جانے والی پابندیوں کے حوالے سے نیکولس برنز نے پوچھا کہ ''کیا ایران کو درست پیغام مل گیا ہے، اور کیا وہ خود کو تنہا محسوس کر رہا ہے؟'' اس پر محمد بن

زاید نے کہا کہ ”کافی حد تک لیکن ابھی کام پورا نہیں ہوا۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایران ابھی خود کو تنہا محسوس کرتا ہے“۔ محمد بن زاید نے مزید کہا کہ اسے ”بہت خوشی ہوئی کہ فرانس نے تہران کا دورہ منسوخ کر دیا ہے، پڑوس میں مشرق وسطیٰ کے کسی ملک کے کسی وزیر کا دورہ کرنا ایک بات ہے اور کسی یورپی کا دورہ کرنا بالکل مختلف بات ہے“۔ نیکولس برنز نے رائے دی کہ اگر ایران میں رفسنجانی کی حکومت آ جائے تو وہ نیوکلیئر معاہدہ کر سکتی ہے، اس کے جواب میں محمد بن زاید نے کہا کہ ”اس سے فرق نہیں پڑتا کہ عوام اپنے ووٹوں سے کس کو ملک چلانے کے لیے منتخب کرتی ہے، ایران علاقائی سپر پاور بننا چاہتا ہے اور وہ ایٹمی ہتھیار چاہتا ہے اور وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک وہ ایٹمی صلاحیت حاصل نہیں کر لیتا“۔ محمد بن زاید نے مزید کہا کہ وہ چاہتا ہے کہ ”ایران کے ساتھ جلد از جلد نمٹ لیا جائے اور اس میں تاخیر نہ کی جائے“۔ پھر فوراً وضاحت دیتے ہوئے کہا کہ ”میرے کہنے کا لازمی مطلب یہ نہیں ہے کہ فوجیں اتاری جائیں“۔ محمد بن زاید کے بقول امریکہ ایران کو اتنا سخت پیغام نہیں بھیج رہا جتنا کہ بھیجنا چاہیے اور کہا کہ ایران کے خلاف ”سخت اقدامات اٹھانا انتہائی ضروری ہے، بہت سے ایرانی شمالی کوریا آ جا رہے ہیں اور بالآخر ہمیں خبر مل رہی ہو گی کہ ایران نے ایٹمی تجربات کر لیے ہیں“۔ نیکولس برنز نے اس کے جواب میں کہا کہ اسرائیلی بھی اس معاملے میں آپ سے اتفاق رکھتے ہیں، لیکن اگرچہ ہمیں ایران پر دباؤ بڑھانے کی ضرورت ہے لیکن امریکہ جنگ نہیں چاہتا اگرچہ ہمیں ایران کو اپنی سوچ بدلنے کے لیے قائل کرنے کی ضرورت ہے۔

اس کے جواب میں محمد بن زاید نے کہا کہ ”مغرب تب ہی کوئی قدم اٹھائے گا جب شہاب میزائل لانچ ہو جائیں گے اور انہیں خطرہ محسوس ہو گا، لیکن خلیج ممالک ایران کو ایک مستقل خطرے کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اور مجھے نہیں لگتا کہ ایران آپ سے بات چیت کرے گا۔ آپ کو کسی ایسے فرد کو چیلنج نہیں کرنا چاہیے جس کے پاس کھونے کے لیے کچھ نہ ہو“۔

جمہوریت اور انتخابات کے حوالے سے

اس کے بعد موضوع متحدہ عرب امارات میں آزاد انتخابات کے انعقاد کی طرف چلا گیا۔ جس کے جواب میں محمد بن زاید نے کہا کہ امریکہ فلسطین میں آزاد انتخابات کے نتیجے میں حماس کے جیتنے کو دیکھ کر بھی مشرق وسطیٰ میں انتخابات کی حمایت کیوں کرتا ہے۔ اس کے بقول اگر ہم امن چاہتے ہیں تو وہ انتخابات کو ترویج دینے کا قائل نہیں۔ اس نے کہا:

> ”مشرق وسطیٰ کیلیفورنیا نہیں ہے۔ گیارہ ستمبر کے بعد کی دنیا میں کسی بھی مسلم ملک میں آپ کو ملتے جلتے نتائج ہی نظر آئیں گے ...... مشرق وسطیٰ کی عوام اپنے دل کی آواز کو سنے گی اور بڑے پیمانے پر اخوان المسلمون، حزب اللہ اور حماس جیسے جہادیوں کو ووٹ دے گی۔ اس صورتحال کو بہتر بنانے کے لیے تعلیم کی ضرورت ہے۔ اور اس عمل کو پچیس سے پچاس سال لگ سکتے ہیں تاکہ اس ثقافتی رجحان کو بدلا جا سکے۔

> ابوظہبی کے مغربی حصے میں امارات کی حکومت نے ۲۶۲ نام نہاد ’طالبانی قرآنی مدارس‘ میں سے ۸۰ فیصد بند کر دیے ہیں۔ یہ وہ مدارس ہیں جن میں اپنے بیٹوں کو بھیجنے سے کوئی اماراتی انکار نہیں کرتا۔“

اس کے جواب میں نیکولس برنز نے کہا کہ تمام امریکی حکومتیں جمہوریت کو ترویج دیتی ہیں لیکن مختلف ممالک میں اس کا طریقہ مختلف ہے۔ اس نے کہا کہ امریکہ ممالک کو تفصیلی بلیو پرنٹ نہیں دینا چاہتا بلکہ ان ممالک کو جمہوری مستقبل کی جانب اپنا راستہ خود تلاش کرنا چاہیے۔

اس کے جواب میں محمد بن زاید نے کہا:

> ”مشرق وسطیٰ میں آزاد انتخابات کا مطلب یہ ہو گا کہ امریکہ کو ایک کروڑ ستر لاکھ بیرل یومیہ تیل حاصل کرنے کے لیے کوئی اور علاقہ تلاش کرنا ہو گا۔“

اس نے مزید کہا کہ عراق میں انتخابات کے نتائج تباہ کن تھے۔ اس کے نتیجے میں اسلامی بنیاد پرستی کو اور ایرانی پشت پناہی میں جہادیوں کو فروغ ملا۔ اس نے مزید کہا کہ وہ ”متحدہ عرب امارات کے حوالے سے فکر مند نہیں، ایرانیوں کے لیے یہاں قدم جمانا بہت مشکل ہے لیکن ہم لبنان اور فلسطین جیسے عرب ممالک ایران کے ہاتھ کھو بیٹھیں گے۔ شکر ہے مصر میں حسنی مبارک ہے، جو آل نہیان کا خاندانی دوست ہے۔ لیکن اگر مصر میں آزاد انتخابات کروائے جائیں تو وہ اخوان المسلمون کو ہی منتخب کریں گے۔“ محمد بن زاید کے مطابق تین بڑے مسلم ممالک ہیں جہاں یہ خطرہ موجود ہے۔ مصر، سعودی عرب اور پاکستان۔

محمد بن زاید نے مزید کہا کہ ملک کو انتخابات کے قابل بنانے کے لیے مزید کم از کم بیس سال درکار ہوں گے۔ ملک کا حال یہ ہے کہ ہماری مسلح افواج کے ساٹھ ہزار فوجیوں میں سے پچاس یا ۸۰ فیصد ایسے ہوں گے جو مکہ سے کسی مقدس آدمی کی پکار پر فوراً لبیک کہیں گے۔ اس نے مزید کہا کہ اگر میں بعض موضوعات پر ابھی کھل کر بات کرنے لگوں تو مجھے میرے اپنے لوگ ہی سنگسار کر دیں گے۔ اس نے کہا کہ ہم اس مسئلے کے تعلیمی پہلو پر کام کر رہے ہیں اور سرکاری تعلیمی اداروں کی نجکاری کر رہے ہیں اور ہمارا ہدف یہ ہے کہ اگلے پانچ سال میں یہاں ”طالبانی قرآنی مدارس“ میں سے کوئی ایک بھی نہ بچے۔

حماس اور حزب اللہ کے حوالے سے

حماس کے حوالے سے بات کرتے ہوئے محمد بن زاید نے کہا کہ جب تک حماس موجود ہے امن قائم نہیں ہو سکتا۔ حزب اللہ کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا کہ حزب اللہ بہت خطرناک ہے اور اس نے اسرائیل کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ جس پر نیکولس برنز نے کہا کہ اس موضوع کو خلیج تعاون تنظیم (GCC) کے اجلاس میں اٹھانا چاہیے تاکہ ایران اور حزب اللہ جیسے متشدد گروہوں کو لگام ڈالنے کے لیے مل کر کام کیا جائے۔ جواب میں محمد بن

زاید نے کہا کہ متحدہ عرب امارات خلیج تعاون تنظیم کے تمام ارکان کے سامنے کھل کر بات نہیں کر سکتی بلکہ امارات صرف بحرینیوں، سعودیوں اور اردنیوں کے سامنے ہی کھل کر بات کر سکتی ہے۔

امریکی یہودی تنظیموں کے صدور کے ابو ظہبی کے دورے کے حوالے سے

نیکولس برنز نے آخر میں امریکہ کی بڑی یہودی تنظیموں کے صدور کے ایک وفد کے ابو ظہبی دورے کے حوالے سے پوچھا تو محمد بن زاید کے مشیر یوسف العتیبہ نے کہا کہ یہ دورہ فی الحال مؤخر کر دینا چاہیے کیونکہ حال ہی میں مشہور امریکی یہودی ہفتہ وار اخبار "دی فارورڈ" میں مارک پیرل مین نے اس دورے کے حوالے سے لکھا ہے جس کی وجہ سے سکیورٹی خدشات پیدا ہو گئے ہیں۔ یوسف العتیبہ نے مزید کہا کہ یہ وفد اس اقدام سے متحدہ عرب امارات کے مشورے کے خلاف گیا ہے کہ اس دورے کو خفیہ رکھا جائے اور اس کی تشہیر نہ کی جائے۔ اس پر نیکولس برنز نے کہا کہ میں اسرائیل میں اس گروپ کے افراد سے ملا تھا اور وہ اس دورے کے حوالے سے بہت خوش تھے اور مزید کہا کہ اسے خوشی ہے کہ کہ یہ دورہ مؤخر ہی ہوا ہے منسوخ نہیں۔ جس پر محمد بن زاید نے متحدہ عرب امارات کی مذہبی رواداری کی پالیسیوں کی وضاحت کی اور آخر میں کہا:

"متحدہ عرب امارات اسرائیل کو ایک دشمن کے طور پر نہیں دیکھتی۔"

ممکنہ ایران امریکہ جوہری معاہدے کے خلاف مشترکہ مؤقف

جنوری ۲۰۰۹ء میں جب اوباما امریکی صدر بنا تو اس کے فوراً بعد اس نے ایران کو مذاکرات کی دعوت دی۔ اس کے بعد امریکہ میں اسرائیلی سفیر سیلائی میریڈور (Sellai Meridor) اور امریکہ میں موجود اماراتی سفیر یوسف العتیبہ نے امریکی حکومت کے مشرق وسطیٰ کے لیے مشیر ڈینس راس (Dennis Ross) سے ملاقات کی جہاں دونوں سفیروں نے مشترکہ طور پر مطالبہ کیا کہ امریکہ ایران کے جوہری پروگرام اور خطے (عراق، لبنان اور فلسطین) میں مداخلت کے خلاف سخت مؤقف اپنائے۔ اس ملاقات میں کہا گیا کہ ایران کی جوہری صلاحیت نہ صرف اسرائیل بلکہ پورے خلیج کے استحکام کو خطرے میں ڈال دے گی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسرائیل اور متحدہ عرب امارات نے یوں کھل کر مشترکہ طور پر ایک مؤقف اپنایا۔

اسرائیلی کھلاڑی کی دبئی ٹینس ٹورنامنٹ میں شرکت

۲۰۰۹ء میں دبئی ٹینس چیمپئن شپ کے دوران متحدہ عرب امارات نے اسرائیلی ٹینس کھلاڑی اینڈی رام کو ٹورنامنٹ میں شرکت کی اجازت ایک خصوصی ویزا کی صورت میں دی۔ یہ تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ کوئی اسرائیلی کھلاڑی متحدہ عرب امارات میں کھیلنے کے لیے داخل ہوا۔

اسرائیلی وزیر کی سربراہی میں اسرائیلی وفد کی ابو ظہبی آمد

جنوری ۲۰۱۰ میں متحدہ عرب امارات نے ابو ظہبی میں انٹرنیشنل ری نیو ایبل ایزجی ایجنسی (IRENA) کے ہیڈ کوارٹر کے قیام کی کانفرنس منعقد کی۔ اور اس کانفرنس میں اسرائیلی وفد کو بھی مدعو کیا گیا۔ اسرائیلی وفد کی قیادت اسرائیلی وزیر برائے قومی انفراسٹرکچر اوزی لینڈاؤ (Uzi Landau) کر رہا تھا جبکہ اس وفد میں وزارت خارجہ اور توانائی کے شعبے سے تعلق رکھنے والے افسران بھی شامل تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی اسرائیلی حکومتی وفد، بالخصوص ایسا کہ جس کی قیادت ایک اسرائیلی وزیر کر رہا تھا، نے متحدہ عرب امارات کا سرکاری دورہ کیا۔

موساد کے ہاتھوں دبئی میں حماس کے رہنما کی شہادت

اس دورے کے تین دن بعد اسرائیلی موساد نے حماس کے ایک اہم رہنما اور قسام بریگیڈ کے بانی رکن محمود المبحوح کو دبئی کے ایک ہوٹل میں شہید کر دیا۔ رپورٹس کے مطابق اس کارروائی میں دبئی میں موساد کے ۲۹ ارکان نے شرکت کی جو برطانیہ، آئرلینڈ، فرانس، جرمنی، آسٹریلیا اور دیگر یورپی ممالک کے پاسپورٹس پر دبئی آئے تھے۔ اس کارروائی کی وجہ سے متحدہ عرب امارات ایک مشکل صورتحال کا شکار ہو گیا جس کی وجہ سے دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات وقتی طور پر کشیدہ ہو گئے۔

لیکن ۲۰۱۱ء میں شروع ہونے والی عرب بہار نے دونوں ملکوں کو پھر سے قریب کر دیا اور دونوں ملکوں کے درمیان سکیورٹی تعاون اور انٹیلی جنس شیئرنگ میں مزید اضافہ ہوا۔

نیتن یاہو کی اماراتی وزیر خارجہ سے ملاقات

۲۰۱۲ء میں اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو نے امارات کے وزیر خارجہ عبد اللہ بن زاید آل نہیان سے خفیہ ملاقات کی۔ یہ ملاقات اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کے دوران ہوئی جب دونوں رہنما نیویارک میں موجود تھے۔ ملاقات کو اتنا خفیہ رکھا گیا تھا کہ یہ ملاقات لوئرز جنسی ہوٹل میں نیتن یاہو کے سویٹ میں ہوئی اور ملاقات کے لیے اماراتی وزیر خارجہ عبد اللہ بن زاید اور امریکہ میں اماراتی سفیر یوسف العتیبہ ہوٹل کی زیر زمین پارکنگ میں داخل ہوئے اور وہاں سے خصوصی سروس لفٹ سے اوپر پہنچے۔ ملاقات میں نیتن یاہو کے ساتھ اس کا قومی سلامتی کا مشیر یعقوب امیدرور اور عسکری سیکریٹری میجر جنرل جوہانن لاکر بھی موجود تھا۔ اس ملاقات میں دونوں رہنماؤں نے ایران کے جوہری پروگرام کے خلاف مشترکہ لائحہ عمل اپنانے پر اتفاق کیا۔

اسرائیلی ڈرونز کو امارات کی فضائی حدود میں اڑنے کی اجازت

۲۰۱۳ء میں متحدہ عرب امارات نے خفیہ طور پر اسرائیلی فضائیہ کو اپنے ڈرونز امارات کی فضائی حدود میں اڑانے کی اجازت دے دی۔ تاکہ اسرائیل ایران کی ایٹمی تنصیبات، میزائل ٹیسٹنگ اور بحری جہازوں کی نگرانی کر سکے۔ اس سے اسرائیل براہ راست ایران کی

حدود میں داخل ہوئے بغیر امارات کی حدود سے ہی محفوظ طریقے سے ایران کی جاسوسی کرنے کے قابل ہو گیا۔

محمد بن زاید آل نہیان (۲۰۱۴ء تا ۲۰۲۲ء-۲۰۲۲ء تا حال)

جنوری ۲۰۱۴ء میں خلیفہ بن زائد آل نہیان کو دل کا دورہ پڑا جس کے بعد وہ ملکی معاملات سے علیحدہ ہو گیا۔ اس کے بعد سے خلیفہ بن زاید کے مرنے تک ولی عہد محمد بن زاید متحدہ عرب امارات کا عملی طور پر حکمران رہا۔ محمد بن زاید کے حکومت سنبھالتے ہی متحدہ عرب امارات کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات میں بہت تیزی آ گئی۔

محمد بن زاید کے دور کے اہم واقعات

محمد بن زاید کے حکومت سنبھالتے ہی اسرائیل امارات تعلقات اس قدر تیزی سے آگے بڑھے کہ جہاں سالوں میں کوئی پیش رفت ہوتی تھی تو اب سال میں متعدد بار اہم پیش رفت ہونے لگی جو ابراہام معاہدوں پر منتج ہوئی۔ اس عرصے کے اہم واقعات درج ذیل ہیں:

- ۲۰۱۴ء تک اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کے درمیان تجارت کا حجم ایک ارب ڈالر سالانہ تک پہنچ چکا تھا، جس میں سے پچاس فیصد دفاعی ٹیکنالوجی کے شعبے میں تھا۔ یہ ساری تجارت امریکی اور یورپی ممالک کی مدد سے ہوتی تھی تاکہ براہِ راست تجارت کو خفیہ رکھا جا سکے۔
- ۲۰۱۴ء ہی میں ابو ظہبی کے حکام نے اسرائیلی زرعی مشیر اسحاق ایالون کو خفیہ طور پر ابو ظہبی مدعو کیا تاکہ وہ اسرائیلی ٹیکنالوجی کے ذریعے سے سبزیوں کی کاشت کے لیے گرین ہاؤسز بنانے کی تربیت دے۔
- اس سال تل ابیب اور ابو ظہبی کے درمیان ایک پرائیوٹ جیٹ ہفتے میں دو بار پرواز کر رہا تھا۔ یہ پروازیں خفیہ تجارتی وفود اور اسرائیلی حکومتی وفود کی آمد ورفت کے لیے چلائی جا رہی تھیں۔
- اسی سال متحدہ عرب امارات نے اسرائیل سے ایران کی جاسوسی اور نگرانی کرنے کے لیے ڈرونز اور جاسوسی آلات خریدے۔ ڈرونز میں ہیرون ٹی پی اور آربٹر تھری ڈرونز شامل تھے جبکہ جاسوسی کے آلات میں فالکن آئی سرویلنس سسٹم بھی شامل تھا جو ۲۰۱۵ء میں ابو ظہبی میں انسٹال کیا گیا۔ یہ ایک بڑے پیمانے پر نگرانی (Mass Surveillance) کا نظام ہے جو شہریوں کی نگرانی، چہرے کی شناخت (Facial Recognition) جیسی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ الیکٹرانک وار فیئر اور انٹیلی جنس سسٹمز بھی خریدے جو ڈرونز کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں اور سگنلز انٹیلی جنس اور میزائل ٹریکنگ میں کام آتے ہیں۔
- اسی سال متحدہ عرب امارات نے اسرائیلی کمپنی NSO Group سے پیگاسس (Pegasus) نامی سپائی ویئر بھی خریدا جو موبائل فونز کی جاسوسی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جسے متحدہ عرب امارات نے اپنے مخالفین، انسانی حقوق کے کارکنوں اور صحافیوں کی نگرانی کے لیے استعمال کیا۔
- ۲۰۱۴ء ہی میں اسرائیل کی غزہ پر مسلط کردہ پچاس روزہ جنگ کے بعد متحدہ عرب امارات سے پچاس ڈاکٹروں کی ایک ٹیم غزہ پہنچی جسے مصر نے جانے دیا حالانکہ اس سے پہلے کسی میڈیکل ٹیم کو مصر غزہ جانے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ یہ افراد غزہ میں ایک فیلڈ ہسپتال قائم کرنے کے نام پر آئے تھے لیکن اچانک ایک دن اپنا سب ساز و سامان چھوڑ کر غزہ سے چلے گئے۔ غزہ میں موجود حماس کی سیکورٹی فورس کے مطابق یہ سب افراد جو ڈاکٹروں کے بھیس میں آئے تھے اصل میں متحدہ عرب امارات کی طرف سے اسرائیل کے لیے جاسوسی کرنے کی غرض سے آئے تھے اور ان کا مقصد القسام بریگیڈ کے حوالے سے معلومات جمع کرنا اور ان کے راکٹ لانچنگ مقامات کا کھوج لگانا تھا۔ ان میں سے بعض 'ڈاکٹر' متحدہ عرب امارات کے مرکزی انٹیلی جنس ادارے کے اعلیٰ افسران بھی تھے۔
- ۲۰۱۵ء میں بھی اسرائیل اور امارات کے درمیان انسدادِ دہشت گردی کے شعبے میں اور ایران کے خلاف سیکورٹی تعاون کے کئی خفیہ معاہدے ہوئے۔
- متحدہ عرب امارات نے یمن میں حوثیوں کے خلاف سعودی اتحاد کی قیادت کی اور اس میں اسرائیلی ڈرونز اور سرویلنس ٹیکنالوجی کا استعمال کیا گیا جبکہ اس کے علاوہ بھی اسرائیل نے خفیہ طور پر حوثیوں کے خلاف انٹیلی جنس تعاون فراہم کیا۔
- نومبر ۲۰۱۵ء میں اسرائیل نے ابو ظہبی میں انٹرنیشنل ری نیو ایبل انرجی ایجنسی (IRENA) کے ہیڈ کوارٹر میں اپنا پہلا سفارتی دفتر کھولا۔ یہ دفتر خفیہ طور پر انسدادِ دہشت گردی اور ایران مخالف انٹیلی جنس شیئرنگ کا پلیٹ فارم بنا۔ یہ اسرائیل کی متحدہ عرب امارات میں باضابطہ موجودگی کا آغاز تھا۔
- اگست ۲۰۱۶ء میں امریکی ریاست نیواڈا میں اسرائیلی ایئر فورس اور متحدہ عرب امارات کی ایئر فورس نے مشترکہ ریڈ فلیگ مشقیں کیں۔ ان مشقوں میں سپین اور پاکستان سے بھی پائلٹس نے شرکت کی۔ یہ مشقیں خفیہ رکھی گئی تھیں۔
- ۲۰۱۷ء میں متحدہ عرب امارات اور اسرائیل کی فضائیہ نے یونان کی میزبانی میں Iniohos 2017 نامی مشترکہ فوجی مشقوں میں حصہ لیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دونوں ممالک کی فضائیہ ایک ہی مشق میں کھلے عام نظر آئی۔ ان مشقوں میں متحدہ عرب امارات، اسرائیل اور میزبان ملک یونان کے علاوہ امریکہ اور اٹلی نے بھی شرکت کی۔ یہ مشترکہ فوجی مشقیں بالواسطہ طور پر دونوں ملکوں کے درمیان عسکری تعاون کا اظہار تھیں۔
- مارچ ۲۰۱۸ء میں امریکہ میں متحدہ عرب امارات کے سفیر یوسف العتیبہ اور امریکہ میں بحرین کے سفیر سے اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو نے ملاقات کی۔ اس ملاقات کا مقصد بھی ایران کے خلاف تینوں ملکوں کا باہمی تعاون بتایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اکتوبر ۲۰۱۸ء میں امریکہ میں امارات کے سفیر یوسف العتیبہ سے اسرائیلی سفیر رون

ڈیمر نے بھی ملاقات کی۔ یہ ملاقات امریکی قومی سلامتی کے یہودی ادارے (Jewish Institute of National Security of America) کے سالانہ عشائیے میں ہوئی۔

- ستمبر ۲۰۱۸ء میں متحدہ عرب امارات نے ابو ظہبی میں اسرائیل اور ترکی کے درمیان ثالثی کا کردار ادا کرتے ہوئے دونوں ملکوں کے حکام کی خفیہ ملاقات کا انتظام کروایا۔ اس ملاقات کا مقصد متحدہ عرب امارات کی ثالثی میں دونوں ملکوں کے تعلقات کی بحالی تھا۔
- اکتوبر ۲۰۱۸ء میں ہی اسرائیل کی ثقافت اور کھیل کی خاتون وزیر میری راگوٗ نے ابوظہبی میں ہونے والے جوڈو مقابلوں کو دیکھنے کے لیے امارات کا دورہ کیا۔ اس دورے کے دوران وہ شیخ زاید جامعہ مسجد بھی دیکھنے گئی۔ ان جوڈو مقابلوں کے بعد تاریخ میں پہلی بار متحدہ عرب امارات میں اسرائیل کا قومی ترانہ چلایا گیا۔
- ۲۰۱۸ء میں ہی اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو نے متحدہ عرب امارات کا خفیہ دورہ کیا اور محمد بن زاید سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں نیتن یاہو کے ساتھ موساد کا سربراہ یوسی کوہان بھی موجود تھا۔
- جنوری ۲۰۱۹ء میں متحدہ عرب امارات نے فٹ بال کے ایشئن کپ کی میزبانی کی۔ اس ٹورنامنٹ کے دوران متحدہ عرب امارات نے اسرائیلی میڈیا چینل کو براہ راست کوریج کرنے کی اجازت دی۔
- اپریل ۲۰۱۹ء میں متحدہ عرب امارات نے دبئی ایکسپو ۲۰۲۰ء کا انعقاد کیا اور اس میں اسرائیل کو باضابطہ طور پر مدعو کیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب سرکاری سطح پر اسرائیل کو کسی حیلے بہانے کے بغیر براہ راست متحدہ عرب امارات مدعو کیا گیا۔
- اسی سال امارات کے وزیر خارجہ عبد اللہ بن زاید نے اسرائیل کے ساتھ سکیورٹی تعاون اور فوجی اتحاد کو باضابطہ طور پر تسلیم کیا۔
- دسمبر ۲۰۱۹ء میں وائٹ ہاؤس میں امریکہ، اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کے حکام کی ملاقات ہوئی جس میں ایران کے خلاف تینوں ملکوں کے درمیان تعاون کو بڑھانے پر اتفاق ہوا۔ اس ملاقات میں اسرائیلی قومی سلامتی کے مشیر میر بین شبات اور متحدہ عرب امارات کے امریکہ مین سفیر یوسف العتیبہ نے شرکت کی۔
- ۱۳ اگست ۲۰۲۰ء کو امریکہ کی ثالثی میں متحدہ عرب امارات اور اسرائیل نے تعلقات کی بحالی کے معاہدے کا اعلان کیا جسے ابراہام اکورڈز (ابراہیمی معاہدہ) کہا جاتا ہے۔
- ۱۵ ستمبر ۲۰۲۰ء کو اس معاہدے پر وائٹ ہاؤس میں دستخط ہوئے جس کے بعد متحدہ عرب امارات اسرائیل کو تسلیم کرنے والا مصر اور اردن کے بعد تیسرا عرب ملک بن گیا۔
- اس کے بعد جنوری ۲۰۲۱ء میں اسرائیل نے ابو ظہبی میں اپنا سفارت خانہ کھولا جس کے افتتاح کے لیے اسرائیلی وزیر خارجہ یئیر لیپڈ نے متحدہ عرب امارات کا دورہ کیا جبکہ متحدہ عرب امارات نے تل ابیب میں اپنا سفارت خانہ مئی ۲۰۲۱ء میں کھولا۔
- ابراہیمی معاہدوں کے بعد ابو ظہبی میں ایک ''ابراہیمی خاندان کا گھر'' (Abrahamic Family House) کھولا گیا جس میں ایک مسجد، ایک چرچ اور ایک یہودی سیناگوگ ایک ساتھ تھے۔
- نومبر ۲۰۲۰ء میں دونوں ملکوں کے درمیان پروازوں کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ جو تجارتی معاہدے پہلے خفیہ طور پر چل رہے تھے ان سمیت نئے تجارتی معاہدوں کو رسمی شکل دے دی گئی اس کے علاوہ دونوں ملکوں کے درمیان شہریوں کی آمد و رفت کے لیے ویزہ پالیسی میں نرمی لائی گئی۔ ان تجارتی معاہدوں کے نتیجے میں اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کے درمیان تجارت ۲۰۲۳ء تک ۳ بلین ڈالر تک پہنچ گئی۔ جبکہ امارات نے اگلے دس سال میں اسرائیل میں دس بلین ڈالر کی سرمایہ کاری کرنے کا اعلان کیا۔
- اس معاہدے کے بعد ایک سال میں دو لاکھ اسرائیلی شہری متحدہ عرب امارات سیاحت کے لیے آئے۔
- جو سکیورٹی تعاون اور انٹیلی جنس شیئرنگ برسوں سے خفیہ طور پر جاری تھی ۲۰۲۰ء میں انہیں بھی باضابطہ شکل دے دی گئی اور ان کا اعلان کر دیا گیا۔
- دسمبر ۲۰۲۱ء میں اسرائیلی وزیر اعظم نفتالی بینٹ کے متحدہ عرب امارات کا پہلا باضابطہ سرکاری دورہ کیا اور محمد بن زائد سے ملاقات کی۔
- ۱۳ مئی ۲۰۲۲ء کو خلیفہ بن زاید آل نہیان ۷۳ سال کی عمر میں مر گیا جس کے بعد محمد بن زاید آل نہیان ملک کا باضابطہ طور پر صدر منتخب ہو گیا۔
- ۳۱ مئی ۲۰۲۲ء کو اسرائیل اور امارات کے درمیان فری ٹریڈ معاہدہ طے پایا اور دونوں ملکوں کے درمیان چھیانوے فیصد مصنوعات کی تجارت پر ڈیوٹی ختم کر دی گئی۔
- جنوری ۲۰۲۲ء میں اسرائیلی صدر آئیزک ہیر زوگ نے امارات کا پہلا سرکاری دورہ کی اور محمد بن زائد سے ملاقات کی۔
- فروری ۲۰۲۳ء میں ابو ظہبی میں موسیٰ بن میمون سائناگوگ کا افتتاح کیا گیا۔

غزہ کی حالیہ جنگ میں متحدہ عرب امارات کا کردار

لاجسٹک سپورٹ

غزہ میں جنگ کے آغاز کے بعد جب بحیرۂ احمر میں حوثیوں نے اسرائیلی اور امریکی بحری جہازوں پر حملے شروع کیے تو متحدہ عرب امارات نے اسرائیلی تجارت کو سہولت فراہم کرنے کے لیے زمینی راستہ فراہم کیا۔ انڈیا اور مشرقی بعید کے ممالک سے آنے والا تجارتی سامان پہلے دبئی کی بندرگاہ پر پہنچتا تھا جس کے بعد وہاں سے زمینی راستے پر ٹرکوں کے ذریعے

سعودی عرب اور اردن سے گزر کر اسرائیل پہنچتا تھا۔ یہی طریقہ اسرائیلی تجارتی مواد کی برآمدات کے ساتھ بھی کیا جاتا رہا۔ اس طریقے سے اسرائیل کے لیے ان ممالک کے ساتھ اپنے تجارتی مال کی نقل و حمل کے اخراجات میں ۸۰ فیصد کمی آئی۔

زمینی راستے کے علاوہ متحدہ عرب امارات نے اس جنگ کے دوران اسرائیل کو فضائی کارگو سپورٹ بھی فراہم کی اور اس جنگ کے دوران امارات اسرائیل کا اسٹریٹیجک فضائی مرکز رہی۔ جنوری ۲۰۲۴ء سے نومبر ۲۰۲۴ء تک تل ابیب اور دبئی کے درمیان ۲۳۳ کارگو فلائٹس نے سفر کیا جن میں سے ۱۴۹ فلائٹس دبئی سے تل ابیب جانے والی تھیں۔ یہ فلائٹس اسرائیل کی لاجسٹک اور عسکری ضروریات بشمول اسلحے کی ترسیل کے لیے چلائی جا رہی تھیں۔

دورانِ جنگ تجارت میں اضافہ

غزہ کی جنگ کے دوران اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کے درمیان تجارت نہ صرف معمول کے مطابق جاری رہی بلکہ اس میں اضافہ بھی ہوا۔ ایک رپورٹ کے مطابق ۲۰۲۴ء میں ۲۰۲۳ء میں جنگ شروع ہونے سے قبل کی نسبت دونوں ملکوں کی باہمی تجارت میں گیارہ فیصد اضافہ ہوا۔

حماس مخالف مسلح گروہوں کی فنڈنگ

سکائی نیوز کی ایک رپورٹ کے مطابق غزہ جنگ کے دوران غزہ میں چار مسلح گروہ لانچ کیے گئے تاکہ حماس کے خلاف داخلی جنگ شروع کی جائے۔ جہاں ان گروپوں کی عسکری تربیت اسرائیل نے کی وہیں ان گروپوں کے حوالے سے تمام مالی اخراجات متحدہ عرب امارات نے اٹھائے۔

مغربی کنارے کے حوالے سے اپنے مؤقف سے پسپائی

ابراہام معاہدہ کرتے وقت متحدہ عرب امارات نے اسرائیل کو تسلیم کرنے کی یہ شرط رکھی تھی کہ اسرائیل مغربی کنارے کو اسرائیل کا حصہ نہیں بنائے گا۔ جب اگست ۲۰۲۵ء میں اسرائیلی وزیر مالیات بیزالیل سموٹریچ نے ایک یہودی بستی بنانے کا اعلان کیا جو مغربی کنارے کو تقسیم کردے گی اور مشرقی بیت المقدس کو مکمل طور پر مغربی کنارے سے کاٹ دے گی جس کی وجہ سے فلسطینی ریاست کا قیام ناممکن ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ سموٹریچ نے یہ بھی کہا کہ مغربی کنارے کو اسرائیل کا حصہ بنانے کے لیے نقشے تیار کر لیے گئے ہیں۔ اس کے جواب میں متحدہ عرب امارات نے اسرائیل کو تنبیہ کی کہ مغربی کنارے کا الحاق ایک سرخ لکیر ہے اگر اسرائیل نے ایسا کیا تو اس سے نارملائزیشن معاہدے کو ”شدید نقصان“ پہنچے گا۔ لیکن اکتوبر ۲۰۲۵ء میں جب اسرائیلی پارلیمنٹ نے مغربی کنارے کو اسرائیل کا حصہ بنانے کی قرارداد منظور کی تو متحدہ عرب امارات نے انتہائی بے شرمی سے کہا کہ اگر اسرائیل ایسا کر بھی لے تو بھی ہمارے تعلقات اسرائیل کے ساتھ ختم نہیں ہوں گے۔

اختتامیہ

بالآخر قبلۂ اوّل سے خیانت کی اس داستان کا ایک اور کردار بے نقاب ہوا۔ جس بھی خائن کی داستان پڑھ لیں ایسا لگتا ہے کہ اس سے بڑی خیانت کسی اور نے نہیں کی ہوگی، اپنے قبلۂ اوّل سے، اپنے تیسرے حرم سے، دنیا کے تیسرے مقدس ترین مقام سے، اپنے مسلمان بھائیوں کے خون سے، بے گناہ عورتوں اور بچوں سے کوئی اور اس قدر غداری کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلم ممالک پر مسلط یہ خائن حکمران اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے اور اپنے دو کوڑی کے ذاتی مفادات کے لیے کسی اور ملک میں موجود اپنے مسلمان بھائی کو تو کیا وہ اپنے ہی ملک کی عوام کو بے دریغ قتل کر سکتے ہیں اور کرتے آئے ہیں، ان کی نظر میں اپنے مفادات کے علاوہ اور کوئی چیز حرمت والی نہیں، نہ ہماری مقدسات، نہ خونِ مسلم کی حرمت نہ عفیفہ مسلمان بہنوں کی عصمت، ان کے لیے سب بے معنی ہے۔ اگر ان کے لیے کچھ معنی رکھتا ہے تو جاہ و اقتدار اور اس کو بچانے کی خاطر وہ ہر حد سے گزر سکتے ہیں۔

لیکن امتحان ان مسلط خائنین کے تحت رہنے والے ہم لوگوں کا ہے۔ ہم سب اپنی محدود سطح کے ذاتی مفادات کی خاطر چپ ہیں، کوئی اپنے کاروبار کے لیے، کوئی اپنے بیوی بچوں کے مستقبل کے لیے، کوئی دینی مصلحت کے نام پر اپنے مدارس، اپنی جماعتوں اور تنظیموں کے لیے۔ کسی نے خود کو ”اجتماعی مصلحت“ یا ”گریٹر گڈ“ کا ڈھکوسلہ دے رکھا ہے، کبھی ضمیر کچھ زیادہ ملامت کر دیتا ہے تو کوئی اپنے سوشل میڈیا پر احتجاجی و مذمتی پوسٹ کر کے اپنے ضمیر کو لوری دے لیتا ہے کہ ہم نے اپنے حصے کا کام کر دیا اس سے زیادہ ہمارے بس میں کچھ نہیں۔ لیکن کیا ہم نے یہ فیصلہ کرنے سے قبل کہ ہمارے بس میں کچھ نہیں اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھا ہے؟ خود سے سوال پوچھ کر دیکھا ہے کہ کیا ہم نے اپنی آخری حد تک سب کچھ آزما کر دیکھ لیا ہے؟ اپنی پوری توانائیاں بروئے کار لاتے ہوئے جو کچھ ہم سے بن پڑا وہ کر کے دیکھ لیا اس کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کے بعد ہمارے بس میں کچھ نہیں؟ یا اس سے پہلے ہی اپنی بے حسی، خود غرضی اور مفاد پرستی کو چھپانے کے لیے یہ بہانہ تراش کر بیٹھ گئے ہیں؟

ہم سب کو خود سے سوال کرنا چاہیے! کیا ہم واقعی بے بس ہیں یا قبلۂ اوّل سے خیانت کی داستان کے کرداروں میں سے ایک اور خائن کردار؟

☆☆☆☆☆

غزہ کے مشہور صحافی صالح الجعفراوی رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت اور آخری پیغام

صالح عامر فواد الجعفراوی ایک مشہور فلسطینی صحافی، سوشل میڈیا انفلوئنسر، ملٹی میڈیا آرٹسٹ اور ایک مزاحمتی کارکن تھے۔ ان کا اس جنگ کے دوران اہل غزہ کی جدوجہد، ان کی تکالیف اور ثابت قدمی کو دستاویزی شکل دینے اور پوری دنیا کے سامنے پیش کرنے میں بہت اہم کردار تھا۔ اپنے مختصر مگر پر اثر کیریئر کے دوران وہ اسرائیلی جارحیت کی بے خوف رپورٹنگ کے سبب پوری دنیا میں مشہور ہوئے۔

فروری ۲۰۲۴ء میں ایک ہسپتال سے انخلاء کی رپورٹنگ کرتے ہوئے اسرائیلی ڈرون حملے میں وہ زخمی ہو گئے، لیکن اپنے زخموں کی پرواہ کیے بغیر انہوں نے رپورٹنگ جاری رکھی اور کہا: ”ہم ان کے سامنے کبھی نہیں جھکیں گے، ان شاء اللہ۔“

صالح الجعفراوی ایک خوش الحان قاری بھی تھے اور ان کی قرآن کی تلاوت کی ویڈیوز سوشل میڈیا پر بہت مشہور ہوئیں۔ وہ ایک اچھے آرٹسٹ بھی تھے۔ وہ نہ صرف تباہی کی تصاویر بناتے بلکہ اہل غزہ کی خوشی اور امید کے لمحات کی تصاویر بھی دنیا کے سامنے پیش کرتے۔

۱۲ اکتوبر ۲۰۲۵ء کو جنگ بندی کے بعد غزہ شہر کے علاقے صبّار میں حماس اور اسرائیل کی حمایت یافتہ دغمش خاندان کی ملیشیا کے درمیان جھڑپوں کی رپورٹنگ کرتے ہوئے دغمش خاندان کے غنڈوں نے انہیں اغوا کر لیا اور ان پر بے پناہ تشدد کیا اور ان کے ناخن تک اکھاڑ دیے اس کے بعد ان کے جسم پر سات گولیاں مار کر ان کی جسد کو ایک ٹرک میں پھینک دیا۔ شہادت کے وقت ان کی عمر ۲۸ سال تھی۔

اللہ تعالیٰ صالح الجعفراوی کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کا شمار شہداء و صالحین میں فرمائے، آمین۔

ذیل میں صالح الجعفراوی کی وصیت کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے جو انہوں نے شہادت کے دن ہی لکھ کر اپنے ساتھیوں کو دی تھی، جسے ان کے ایکس (ٹوئٹر) اکاؤنٹ پر ان کی شہادت کے بعد نشر کیا گیا۔

(ادارہ)

یہ میری وصیت اور آخری پیغام ہے

تمام تعریفیں اس رب العالمین کے لیے ہیں جس کا فرمان ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ (سورۃ آل عمران: ۱۶۹)

”اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے۔“

میں صالح ہوں! میں یہ وصیت الوداعی طور پر نہیں چھوڑ رہا بلکہ اس راستے کے تسلسل کے طور پر چھوڑ رہا ہوں جو میں نے مکمل یقین کے ساتھ چنا۔

اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں نے اپنا سب کچھ، اپنی تمام تر کوششیں، اپنی پوری طاقت، اپنے لوگوں کے لیے ایک سہارا اور ان کی آواز بننے کے لیے وقف کر دی۔

میں نے درد اور ظلم کو پوری تفصیل میں جیا ہے، میں نے کئی بار دکھ اور اپنے پیاروں کے چھن جانے کا مزہ چکھا ہے۔

لیکن، اس سب کے باوجود میں سچائی کو اس کی اصلی شکل میں بیان کرنے سے کبھی نہیں رکا۔ وہ سچائی جو ہر بزدل اور خاموش رہنے والے کے خلاف دلیل بنے گی اور ہر اس شخص کے لیے باعثِ عزت ہو گی جو اہل غزہ، سب سے عظیم اور عزیز لوگوں، کے ساتھ کھڑا ہوا، ان کی حمایت کی اور ان کا دفاع کیا۔

اگر میں شہید ہو جاؤں، تو جان لیں کہ میں فنا نہیں ہوا! میں جنت میں ہوں، ان لوگوں کے ساتھ جو مجھ سے پہلے چلے گئے، انس، اسماعیل اور ان تمام پیاروں کے ساتھ جو اللہ کے ساتھ اپنے عہد میں سچے رہے۔

میری درخواست ہے کہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، اور میرے بعد اس سفر کو جاری رکھیں۔ مجھے صدقہ جاریہ کے ذریعے یاد کریں، اور جب بھی آپ اذان کی آواز سنیں، اور جب غزہ کی راتوں میں افق پر پو پھٹتے دیکھیں تو مجھے اس وقت یاد کریں۔

میری التجا ہے کہ اس مزاحمت پر، اس راستے پر جس پر ہم چلے ہیں، اس مقصد پر جس پر ہم نے یقین کیا ہے ثابت قدم رہیں۔ اس لیے کہ ہمارے لیے کوئی اور راستہ نہیں ہے، اور نہ ہی اس مقصد پر ثابت قدم رہنے کے سوا ہماری زندگی کا کوئی معنی ہے۔

میں اپنے والد کو آپ کے سپرد کرتا ہوں، میرے محبوب، میرے رول ماڈل۔ وہ جن میں مجھے اپنا آپ نظر آتا ہے اور جن کو مجھ میں اپنا آپ نظر آتا ہے۔

آپ اس ساری جنگ کے اور اس کی ساری آزمائشوں کے دوران میرے ہمراہ تھے۔ میرے سر کے تاج میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں اکٹھا کر دے جہاں آپ مجھ سے راضی ہوں۔

میں آپ کو دیکھنا چاہتا تھا، آپ کو گلے لگانا چاہتا تھا، آپ سے پھر سے ملنا چاہتا تھا، لیکن اللہ کا وعدہ حق ہے، اور جنت میں ہماری ملاقات آپ کی سوچ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

میں اپنی والدہ کو آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ میری ماں! آپ کے بغیر زندگی بے معنی ہے۔ آپ وہ دعا تھیں جو کبھی نہیں تھمی، وہ آرزو تھیں جو کبھی فنا نہیں ہوئی۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفایاب کرے اور آپ کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ میں نے خواب میں آپ کو علاج کے لیے سفر کرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے لوٹتے دیکھا تھا۔

میں اپنے بھائیوں اور بہنوں کو آپ کے سپرد کرتا ہوں۔

میرا مقصد، اللہ کی رضا اور پھر آپ لوگوں کو راحت دینا تھا۔ میری اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ پر برکتیں نازل کرے اور آپ کی زندگیوں کو اتنا ہی پاکیزہ اور خوبصورت بنا دے جتنے آپ کے نرم دل ہیں۔ وہ دل جن میں خوشیاں بھرنے کی میں نے ہمیشہ کوشش کی۔

میں ہمیشہ کہتا تھا: ”لفظ گرتے نہیں، نہ ہی تصویر“۔ لفظ ایک امانت ہے اور تصویر ایک پیغام۔ اسے دنیا تک پہنچائیں جیسے ہم نے آپ سے پہلے اسے دنیا تک پہنچایا۔

میری شہادت کو اختتام مت سمجھیں بلکہ یہ تو آغاز ہے، آزادی کے ایک طویل راستے پر۔ میں اس پیغام کا پیغامبر ہوں جو میں دنیا تک پہنچانا چاہتا تھا، اس دنیا تک جس نے اپنی آنکھیں موندے رکھیں، اور ان تک جو سچائی کے سامنے خاموش بیٹھے رہے۔

اگر آپ کو میری موت کی اطلاع ملے تو میرے لیے رونا مت۔ میں اس لمحے کی تمنا ایک زمانے سے کرتا آرہا ہوں اور ہمیشہ اللہ سے دعا کرتا رہا ہوں کہ وہ مجھے یہ عطا کر دے۔

ساری تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے میری مراد کے لیے چن لیا۔

اور اس اس شخص سے میں کہتا ہوں، جس نے مجھ پر ظلم کیا، توہین کے ذریعے، بہتان کے ذریعے یا جھوٹ کے ذریعے، میں اب بطور شہید اللہ کے پاس جارہا ہوں، ان شاء اللہ، اور اللہ ہی کے سامنے تمام تنازعات حل ہوں گے۔

میں فلسطین کو آپ کے سپرد کرتا ہوں...... مسجد اقصیٰ سمیت......

میری خواہش تھی کہ اس کے صحن میں جاؤں، اس مسجد میں نماز ادا کروں، اس کی مٹی کو چھوؤں۔ اگر میں اس دنیا میں وہاں نہیں پہنچ پایا، تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو اپنی ابدی جنتوں میں جمع کر دے۔

اے اللہ! مجھے شہداء میں قبول فرمالے۔ میرے ماضی اور مستقبل کے گناہ معاف فرمادے۔ میرے خون کو ایک ایسا نور بنادے جو میرے لوگوں اور میری سرزمین کے لیے آزادی کی راہ کو روشن کر دے۔

اگر مجھ سے کوئی کمی کوتاہی ہوگئی ہو تو مجھے معاف کر دیں اور میرے لیے رحمت اور مغفرت کی دعا کریں۔ کیونکہ میں اپنے وعدے پر سچا رہا، نہ ہی کبھی بدلا اور نہ ہی ڈگمگایا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا بھائی، شہید باذن اللہ

صالح عامر فواد الجعفراوی

۱۲ اکتوبر ۲۰۲۵ء

☆☆☆☆☆

ہم قدس کو بھلا کیوں چھوڑ دیں؟ بے شک وہ ہر وقت اور ہر زمانے میں ہماری ہی زمین ہے اور اسی طرح ہمیشہ کے لیے رہے گی۔ وہ ہمارے مقدس شہروں میں سے ایک ہے اور ایک اسلامی سرزمین پر واقع ہے۔ لازم ہے کہ قدس ہمیشہ ہمارا ہی رہے!

سلطان عبدالحمید ثانی رحمۃ اللہ علیہ
امیر المومنین

العثمانيون في التاريخ و الحضارة

اسرائیلی قید سے رہائی کے بعد ایوان رڈلی کا پیغام

ایوان رڈلی (Yvonne Ridley) ایک مشہور برطانوی صحافی، مصنفہ اور سیاست دان ہیں جو عالمِ اسلام میں اپنی شناخت اور طالبان کی قید میں رہنے کی وجہ سے مشہور ہیں۔ گیارہ ستمبر کے حملوں کے بعد ۲۰۰۱ء میں ایوان رڈلی نے سنڈے ایکسپریس اخبار کی نمائندہ کے طور پر پاکستان سے افغانستان کی سرحد عبور کی جہاں انہیں طالبان نے گرفتار کر لیا۔ وہ دس دن تک طالبان کی قید میں رہیں۔ جس کے بعد طالبان نے انہیں رہا کر دیا۔ رہائی کے وقت طالبان نے ان سے وعدہ لیا کہ وہ واپس جا کر اسلام کو سمجھنے کی کوشش کریں گی۔

ایوون رائڈلی نے اپنا وعدہ نبھایا اور اسلام کے متعلق علم حاصل کرنا شروع کیا جس کے نتیجے میں انہوں نے ۲۰۰۳ء میں اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے طالبان میں قید سے لے کر اپنے اسلام قبول کرنے تک کی داستان اپنی مشہور کتاب "In the Hands of the Taliban" میں لکھی ہے۔

اکتوبر ۲۰۲۵ء میں ایوان رڈلی گلوبل صمود فلوٹیلا میں شامل تھیں اور عمر مختار نامی کشتی میں سوار تھیں۔ اسرائیلی فورسز نے انہیں بین الاقوامی پانیوں سے گرفتار کر لیا اور جیل میں بند کر دیا جہاں ان پر ذہنی اور جسمانی تشدد بھی کیا گیا جس میں گھٹنوں تک انہیں اکڑوں بھی بٹھائے رکھا گیا۔ واضح رہے کہ قید کے وقت ان کی عمر ۶۷ سال تھی۔

اسرائیلی قید سے رہائی پانے کے بعد ترکی کے شہر استنبول پہنچ کر انہوں نے ایک ویڈیو پیغام ریکارڈ کروایا جس کا ترجمہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

(ادارہ)

آپ سب کو السلام علیکم!

میں ایوان رڈلی ہوں اور اب آزاد ہوں۔

میں بس آپ سب کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں، ہر ایک کا جس نے میری اور میرے فلوٹیلا کے عملے کی رہائی کے لیے مہم چلائی یا اس کے لیے دعا کی۔

اس بھیانک جیل سے دور ہونے کا احساس بہت فرحت بخش ہے۔

میں اب اپنے شوہر کے ساتھ استنبول میں ہوں اور بے تابی کے ساتھ اپنے گھر...... اور اپنے بیٹوں کے پاس جانے کی منتظر ہوں۔

تو بس ایک چھوٹا سا پیغام ان سب کے لیے جنہوں نے میرے لیے دعا کی۔

میرے دل میں غزہ میں موجود اس چھوٹی سی بچی کے لیے بہت دکھ ہے جو ہر روز ساحلِ سمندر پر ہماری کشتیوں کے بادبان دیکھنے کی منتظر رہتی تھی، ہماری منتظر رہتی تھی۔ وہ بس ایک چاکلیٹ چاہتی تھی جو ہم اسے نہیں دے پائے۔ اور میں اس کے لیے اور غزہ کے تمام بچوں کے لیے بہت دکھی ہوں۔

یہی ہمارے اس مشن کا مقصد تھا، ہم بحیرۂ روم میں ایک راہداری کھولنا چاہتے تھے۔ ایک انسانی ہمدردی کی راہداری تاکہ ہم غزہ میں امداد پہنچا سکیں۔

میں بہت شرمندہ ہوں کہ میں نے آپ (اہلِ غزہ) کو مایوس کیا۔

لیکن آپ کو پتہ ہے نیلسن منڈیلا نے کہا تھا:

"اپنی ناکامیوں کو دیکھو، اور یہ کہ کس طرح تم بعد میں خود کو دوبارہ کھڑا کرتے ہو۔"

اس لیے ہم نے اب پھر سے دوبارہ بحری سفر شروع کرنے کی بات شروع کر دی ہے اور چاہے کچھ بھی ہو جائے، بھلے اسرائیلیوں نے ہمارے ساتھ بہت بھیانک سلوک کیا، لیکن پھر بھی ہم پہلے سے بھی زیادہ پرعزم ہو کر غزہ میں بحری راستے سے داخل ہو کر رہیں گے۔

ایک اور بات کہتی چلوں!

بہت سے لوگ جو مجھے جانتے ہیں وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں نے ۲۰۰۱ء میں طالبان حکومت کے تحت گیارہ دن جیل میں گزارے تھے۔ میں آپ کو اب کچھ کہنا چاہتی ہوں! اور یہ بات میں اپنے دل کی گہرائیوں سے کر رہی ہوں۔ میں طالبان کی قید میں دو مہینے تو گزار سکتی ہوں لیکن اسرائیلیوں کے ساتھ دو دن بھی نہیں گزار سکتی۔

اسرائیلی وحشی درندے تھے، وہ بے رحم تھے، وہ عورت دشمن تھے، اور جیل کی خواتین افسران بھی اسی عورت دشمن ماحول کا حصہ تھیں اور انہوں نے ہماری زندگیوں کو مکمل طور پر جہنم بنا دیا تھا۔

تو یہ بات غور طلب ہے کہ میں افغانستان میں دو مہینے گزارنے کو تو تیار ہوں لیکن اسرائیل میں ایک مزید دن بھی نہیں۔

بہر حال اس پیغام کے ساتھ!

سب کے لیے سلامتی اور محبت کی طلبگار

ایوان رڈلی

☆☆☆☆☆

اِک ذرا صبر!

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

ٹرمپ ۲۰ نکاتی پلان خبروں کا مرکزی نکتہ رہا۔ نیتن یاہو کی خوشی اس پر دیدنی تھی۔ مسلم ممالک خصوصاً پاکستان کا بھی اس میں جوش و خروش سے ساتھ دینے پر تو گویا منہ مانگی مراد پوری ہوگئی۔ فلوٹیلا کا جانا اور اسرائیل کا ان پر ظلم، قید و بند ہر ملک میں فلسطینی جدوجہد سے ہمدردی کے جذبات کو مزید شدت اور تندی دینے کا باعث بنے۔ میڈیا کے داؤ پیچ ناکام ہو جاتے ہیں، دھوکا فراڈ فوراً کھل جاتا ہے۔ کیمپ ڈیوڈ، ۱۹۷۸ء، میڈرڈ ۱۹۹۱ء، اوسلو ۱۹۹۳ء سبھی امن معاہدے ہمارے سامنے ہیں۔ اس کی حقیقت فلسطینی مصنف غسان کنعانی نے ۱۹۷۰ء میں لکھی: (جو آج تک حرف بہ حرف جوں کی توں بلکہ بدتر، بدترین ہو چکی ہے۔)

”یہ امن مذاکرات نہیں ہوتے۔ اس کا مطلب ہتھیار ڈالنا، شکست تسلیم کرنا، اطاعت قبول کرنا ہوتا ہے!“

۱۱ اکتوبر کو نوبل انعام کا اعلان ہونا تھا جسے حاصل کرنا ٹرمپ کا دیرینہ خواب رہا۔ ریپبلیکن ہاتھی کے کھانے کے دانت بعد ازاں دیکھیے گا! سہانے وعدے، خواب دکھا کر امن معاہدے کے پیچھے اربوں ڈالر کا چمکتا دمکتا نیا غزہ پلان ٹرمپ، مسک، نیتن یاہو، کشنر، ٹونی بلیئر کے اپنے معاشی خوابوں کی تعبیر ہے۔ اس پر دستاویزات سامنے آنے کی رپورٹ ہے۔ Matt Kim، جس کی مہارت حقائق کھولنے کی ہے، اس نے بھی غزہ تعمیر نو پر بات کی ہے۔ غزہ میں Riviera جزائر، ہوٹل، پر تعیش ریزارٹ (تفریح گاہ)، ای لون مسک کا سمارٹ پیداواری (ٹیسلا نوعیت کی) زون، معاشی تیز روی اور سر تاپا مکمل تبدیلی، سرمایہ داروں کی سرمایہ کاری!

جنوری کے جنگ بندی معاہدے کے بعد لگاتار بمباری، مکمل فاقہ کشی بھگت چکے ہیں۔ نیتن یاہو، ٹرمپ کہہ مکرنیاں، فریب آزمودہ ہیں۔ یرغمالیوں کی رہائی کے بعد کیا ہوگا؟ سب غیر متعین اور غیر واضح ہے! حماس نے مشکل ترین حالات میں اسرائیل کے مکمل انخلا تک اپنی مسلح تنظیم برقرار رکھی اور فلسطینی مقاصد پر ثابت قدم ہے۔ وگرنہ تو یہ امن پلان کا کتبہ ہو گا دو سالہ فلسطینی اجتماعی قبروں پر۔ یہ کھیل نیا نہیں۔

اوسلو معاہدے کے ۳۰ سال گواہ ہیں کہ صرف امن معاہدوں پر انحصار حماقت ہے۔ اوسلو کے بعد ۱۵ جنگیں غزہ میں ہو چکی ہیں۔ ۱۶ سال سے یہ ساحل سمندر غزہ کے مسلمانوں کے لیے محاصرے کا ایک بند، ایک دیوار تھی جسے فلوٹیلاؤں نے جب توڑنے کی جرأت کی اس کا انجام اچھا نہ ہوا۔ یہ خوبصورت ساحل، یہ بے پناہ معاشی، تجارتی وسائل سے بھرپور قطعۂ زمین، اس پر ان غریب، مسکین دبے پسے فلسطینیوں کا کیا حق؟ سو اب یہ مسئلہ حل کیا جا رہا ہے۔ حقیقی وارث اہل غزہ کسی کونے میں منہ چھپا کر ٹرمپ کی سربراہی، ٹونی بلیئر (عراق میں خونریزی کا ذمہ دار) اور اسرائیل کے قید خانے کی صورت رہ پائیں گے۔ کھانے کو روٹی دے دی جائے گی۔ ان کی بے چارگی اور قرار نہ کرنے والی حریت پسندی، مزاحمت پرستی، اقصیٰ پر جان لٹانے کی مجبوری جو ان کی نسل در نسل کی جبلت بن چکی، اس پر غیر عرب مسلمان فوجیں پہرہ دے کر انھیں ٹھنڈا کرنے کی خدمت بجالائیں گی۔ اگرچہ ان کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ یہودیوں، صہیونیوں کی خاطر تو ہٹلر کے خلاف ۵۰ سال مقدمے چلتے رہے۔ بڈھے آئیک مان کو ۱۹۶۰ء میں ارجنٹائن میں چھپے کو، موساد ڈھونڈ لائی۔ (ایسے ہر یہود دشمن کو دنیا کے ہر کونے کھدرے میں موت دی گئی۔) مگر اب ۶ لاکھ ۸۰ ہزار (درست اعداد و شمار کے مطابق) مرد، عورتوں، بچوں کا خون ٹرمپ کی ساحلی تفریح گاہ 'Riviera' میں رنگ بھرے۔ ارب پتی سٹیو وٹکوف بھی حصہ دار ہو۔ (ٹرمپ کا خصوصی نمائندہ مشرقِ وسطیٰ میں!) اسرائیلی فوج غزہ میں رہے، جبکہ ایک امن بورڈ ٹرمپ کی سربراہی اور بلیئر کی نگرانی میں عبوری حکومت چلائے جو نا قابل عبور ہی ہو۔

گارڈین (۴ اکتوبر) نے ٹرمپ کے بارے میں فکر انگیز خبریں دی ہیں۔ اگرچہ یو این میں ٹرمپ کی تقریر بھی کچھ کم حیران کن نہ تھی۔ امریکیوں نے بوچھاڑ ہی کر دی۔ پے در پے واقعات ہوئے۔ برطانیہ کے دورے میں بھی گڑبڑ کی اور چارلی کرک میموریل میں بھی خود کو بہت عالی شان ظاہر کرنے کی اوچھی حرکت۔ ایک امریکی نے لکھا کہ یو این میں یہ بہت تکلیف دہ تھا کہ ٹرمپ کی نہایت احمقانہ، بے ترتیب، الجھی، شرمسار کر دینے والی غیر متعلقہ گفتگو، یہ بے کار ٹرانا خاموشی سے ان کے نمائندے سنتے رہے۔ اظہارِ ناپسندیدگی کی بجائے۔ اُن کا کہنا تھا:

”بائیڈن، فہم، ادراک کے مسائل کی بنا پر اچانک خاموش ہو جاتا تھا کچھ دیر کے لیے۔ ٹرمپ کو مگر (ذہنی ابتری) بے ترتیب، درہم برہم، ابتر گفتگو کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے۔“ (ایلیسن کاٹلر)

گارڈین رپورٹ میں ٹرمپ کی ذہنی حالت مشکوک ہونے کے بارے میں لکھا ہے۔ آن لائن رویہ بھی عجیب ہے۔ الجھے ہوئے تبصرے وآراء۔ نسل پرستانہ، خطرناک، لائق مذمت، سیاہ فام اقلیتی لیڈر کا مذاق اڑانے والی پوسٹوں پر ہسپانوی گروپ نے غم و غصے کا اظہار کیا۔

گزشتہ چند ماہ سے اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت، دماغی حالت پر سوال اٹھائے جا رہے ہیں۔ ٹرمپ نے ملک کے چوٹی کے فوجی کمانڈروں کو ورجینیا بلایا تھا۔ جہاں وہ اپنی خود ساختہ خوش فہمیوں کی بنیاد پر اپنے منہ میاں مٹھو بنتا رہا۔ کئی پیراگراف ایسے بول گیا جس پر سابق فوجیوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ ایک نے کہا: وہ ٹھیک نہیں ہے۔ صدر، بے قابو، پریشان حال، پاگل سا دکھائی دیتا ہے۔ میکفرے، ایک ریٹائرڈ جنرل نے کہا، ٹرمپ کی کارکردگی

شدید بے سروپا، بے ہنگم تھی۔ عجیب وغریب گفتگو کرتا رہا۔ بے ربط لب ولہجہ۔ دیوانگی کی حد تک متعصب، بعض اوقات حماقت خیز، ہر وادی میں منہ مارتی، غیر مرتکز سوچ! یہ فکر والی بات ہے۔ یاد رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ’رہنماؤں‘ کی خبر ہمیں دے دی ہے۔

> ”یقیناً دجال کی آمد سے پہلے سالوں میں جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا۔ امانتدار کو خائن سمجھا جائے گا اور خیانت کار کو امین۔ اور اس زمانے میں رُوَیبضہ کلام کرے گا۔ پوچھا کہ ’رویبضہ‘ کیا ہے؟ تو فرمایا نہایت ہی فاسق اور راہِ حق سے انحراف کرنے والا شخص، عامۃ الناس کے معاملات میں کلام کرے گا، یعنی ان کے فیصلے کرے گا اور نمٹائے گا۔“(مسند احمد)

یہ ہم بچشم سر دیکھ رہے ہیں۔ المیہ تو یہ ہے کہ تمام شرائط پوری کرنے والے رویبضہ کی تائید وتصدیق، خود امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنما کرتے، اس پر داد وتحسین کے ڈونگرے برساتے، ہمنوا ہیں۔ جبکہ اس دیوانے شخص کے ہاتھوں جس پر خود امریکی متوحش ہیں، دنیا میں بدترین جنگی جرائم کا مسلسل مرتکب نتین یاہو پورے خطے بلکہ بالآخر پوری دنیا میں امن کے لیے خود کسی ایٹم بم سے کم نہیں۔ رعونت، تکبر، کج فہم، بدزبان، بدلحاظ نہ صرف نیتن یاہو ہے بلکہ اس کا وزیر جنگ اتمار بن گنوار! ۴۵ ملکوں کے چنیدہ انسان دوست، سنجیدہ فہمیدہ، اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر جب غزہ کی مدد کو بچوں کا دودھ، کھلونے، ادویات لے کر نکلے تو ان سے بدسلوکی کی ہر حد توڑ دی۔ اسرائیلیوں کی نفرت دنیا کے ہر رنگ، نسل، کے باشعور انسان کے رگ وپے میں اتر چکی ہے۔ صرف مسلم ممالک میں بے حسی (حکمرانوں کی سطح پر بالخصوص) ہے۔

امریکہ اور اسرائیل وکئی یورپی ممالک دنیا بھر میں اس قتل وغارتگری کے براہ راست ذمہ دار ہیں۔ دنیا ایک بڑے پاگل خانے میں تبدیل ہو چکی ہے۔ خود اسرائیلی فوجی (افغانستان میں امریکی فوجیوں ہی کی طرح) ذہنی مریض بنے ہوئے ہیں۔ اسرائیلی میڈیا سے بھی تصدیق ہو جاتی ہے۔ دھاڑیں مار کر روتے IDF فوجی کس طرح نفسیاتی دوائیوں کے پلندے پارلیمنٹ اور افسروں کے سامنے پٹختے ہیں۔ غزہ جانے سے انکاری ہیں۔ راتوں کو حماس کے خوف سے ہڑبڑا کر چیخیں مارتے اٹھ بیٹھتے ہیں۔ جنگ ڈرونز لڑ رہے ہیں یا ہوائی جہاز۔ برسر زمین تو یہ چوہا دیکھ کر بھی چھلانگ مار دیتے ہیں۔ فلوٹیلا کے جہاز پر گرفتار کرنے آئے تھے۔ تیونسی کپتان نے بتایا کہ جب انجن ان سے چل نہ پایا تو تیونسی نے آگے بڑھ کر چلایا۔ ساتھ ہی الارم، سائرن بج اٹھے اور جہاز چل پڑا۔ اسرائیلی فوجی دہشت سے فوت ہونے والے ہو گئے۔ ایک بیچارے کی پینٹ گیلی ہو گئی جہاز ناپاک کر دیا۔ پوری دنیا میں تہلکہ برپا ہے۔ اٹلی میں سارے شہروں میں ۳ لاکھ مظاہرین اسرائیل کی جان کو آئے پڑے ہیں۔ تھائی لینڈ تک اٹھ کھڑا ہوا۔ یورپ میں تو پہلے ہی آگ لگی ہے جذبات کو! اس نازک مرحلے پر حماس کا رب ان کی بہترین رہنمائی اور حفاظت فرمائے (آمین)۔ زمین جن پر تنگ کر دی گئی۔ اپنوں نے بدترین غداری کی! دنیا بھر سے محبت اور سجدے، دعائیں باذن اللہ انھیں مضبوط رکھیں گی۔ ایسی محبت کالے گورے کی تفریق سے ماورا کب اہل غزہ کے سوا کسی کے حصے میں آئی ہو گی۔

وہ صبح تو آئے گی جس کا وعدہ ہے!

اک ذرا صبر کہ اب جبر کے دن تھوڑے ہیں! ان شاء اللہ

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔(ادارہ)]

☆☆☆☆☆

خوش اخلاقی اور اصول کی سختی

”ایک شخص تھے۔ ان کو علم تو تھا، نہیں کتابیں مختلف مذاہب کے دیکھنے کا شوق تھا۔ شیعوں کی، قادیانیوں کی، عیسائیوں کی۔ انہوں نے مجھ کو لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ”انک لعلی خلق عظیم“ ارشاد ہے مگر آپ ﷺ نے تلوار چلائی، کیا یہ اخلاق کے خلاف نہیں؟

میں نے لکھا کہ اسلام کی حفاظت کے واسطے تلوار چلائی گئی تاکہ کفار کا غلبہ اسلام پر نہ ہو۔ ان کے غلبے سے اسلام کو بچانے کے لیے تلوار چلی، تو فسادِ اخلاق کے انسداد کے لیے تلوار چلانا عین خوش اخلاقی ہے۔ ایک شبہ اخلاق کے متعلق اس کے مدمقابل جانب بھی ہو سکتا ہے، یعنی اوپر سختی کو خلاف اخلاق سمجھا گیا اور آئندہ شبہ کا حاصل ایک خاص نرمی پر خلاف اخلاق ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے۔

اس حسن اخلاق پر اپنا واقعہ یاد آیا جب میں حیدرآباد دکن گیا تھا، وہاں تقریباً چودہ روز قیام رہا۔ اس میں دار الضرب بھی دیکھنے گیا۔ وہاں کا مینجر ایک انگریز دکھلانے والا تھا۔ جب سب دیکھ چکے تو وہ انگریز رخصت کرنے کے لئے تھوڑی دور ہمراہ آیا۔ اس وقت میں نے اس سے کہا کہ آپ کے اخلاق سے بڑا جی خوش ہوا۔ آپ کے اخلاق تو مسلمانوں کے سے اخلاق ہیں۔ اس پر بہت خوش ہوا کہ مذہبی شخص نے میری تعریف کی اور ایک صاحب ارکانِ ریاست میں سے ہمراہ تھے، وہ دور آکر کہنے لگا کہ آپ نے عجیب طرز سے تعریف کی کہ اس کا دل بھی خوش کر دیا اور اس کو گھٹا بھی دیا۔ میں نے واقعہ بیان کیا کہ یہ اخلاق تمہارے گھر کی چیز نہیں کہ کبھی تم کو اس پر ناز ہو، بلکہ یہ مسلمانوں کے گھر کی چیز ہے جو تم نے اختیار کر رکھی ہے۔ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو معلوم نہیں کہ ان کے گھر میں کیا کیا دولتیں مخزون ہیں۔ اس لیے جب دوسروں کے سامنے گداگری کرتے ہیں تو افسوس ہوتا ہے۔“

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(ملفوظاتِ حکیم الامت، ج ۳)

غزہ کا رنگ تاحدِ نگاہ مٹیالا ہے

وسعت اللہ خان

قاسم ولید ڈاکٹر ہیں اور غزہ میں ہی دو برس سے دربدر ہیں۔ قاسم نے چند دن پہلے ان دو برسوں کا احوال یوں تصویر کیا۔

’’جب اسرائیل نے سات اکتوبر دو ہزار تیئس کے حملے کا بدلہ لینے کی کارروائی شروع کی تو ہم جانتے تھے کہ یہ وقت گذشتہ تمام ادوار سے زیادہ کڑا ہو گا۔ مگر کسی کے تصور میں نہیں تھا کہ یہ دو برس پر محیط ہو جائے گا اور دنیا اسے ٹالنے کے لیے کچھ بھی نہیں کرے گی۔

غزہ پر دو ہزار چودہ کا اسرائیلی حملہ اکیاون دن جاری رہا۔ تب لگتا تھا کہ یہ اکیاون دن نہیں اکیاون برس ہیں۔ مگر پچھلے دو برس سے جو ہو رہا ہے اس کے آگے تو دو ہزار چودہ کی کارروائی محض پلک جھپکنے کے برابر مدت لگتی ہے۔

شروع کے دنوں میں مجھے محسوس ہوتا تھا کہ نسل کشی کی خون آشام پیاس ال اہلی اسپتال پر ہونے والے اسرائیلی میزائل حملے میں سیکڑوں لوگوں کی ہلاکت سے شائد بجھ جائے، یا پھر غزہ کے سب سے بڑے الشفا اسپتال کو کھنڈر بنانے کے بعد معاملہ تھم جائے، یا پورے رفاہ شہر کو ملبے میں بدل کے کچھ تسلی ہو جائے، یا پھر شمالی غزہ کو ملیامیٹ کرنے سے اسرائیلی انتقام کی حسرت کو قرار آ جائے۔

مگر اس سال جنوری میں ہونے والی عارضی جنگ بندی بھی سراب نکلی۔ یہ جنگ بندی اسرائیل کی جانب سے یک طرفہ طور پر توڑے جانے کے بعد غذائی ناکہ بندی، فاقوں سے موت اور نسل کشی کا اگلا باب کھل گیا تو یوں لگا کہ رواں برس کے مقابلے میں گذرا سال قدرے غنیمت تھا۔ گذشتہ برس سات اکتوبر کی پہلی برسی کے موقع پر میں خان یونس میں پناہ گیر تھا کہ اچانک المواسی کی ’محفوظ پٹی‘ کی جانب ایک اور ہجرت کا فوجی فرمان جاری ہو گیا اور ہزاروں لوگ ایک بار پھر اٹھ کے چل پڑے۔

ہم آج بھی ایک اور جنگ بندی کے بعد المواسی کے ایک خیمے میں بھوک کاٹ رہے ہیں۔ پچھلے آٹھ ماہ میں صرف موت اور تباہی کے پنجے ہی دراز نہیں ہوئے بلکہ اسرائیل نے نت نئے انہوں نے پھندے اور جال ہمارے سامنے بچھا دیے تاکہ ہم اپنی پسند کی موت کا آزادی و آسانی سے انتخاب کر سکیں۔

دو مارچ کو جب اسرائیل نے ہم پر دانہ پانی مکمل بند کر دیا اور ساتھ ہی بھوکے لوگوں پر مسلسل بم برسنے لگے تو ہم نے سوچا کہ شائد یہ ابلیسیت کی آخری حد ہے۔ مگر ہم غلط تھے۔ غذائی ناکہ بندی تو محض ایک نئے کھیل کا آغاز تھا۔

یہ کھیل مئی میں غزہ ہیومینٹیرین فاؤنڈیشن کے اسٹیج پر شروع ہوا۔ جہاں خوراک دینے کے نام پر فلمی کے بجائے اصلی ’ہنگر گیم‘ کھیلی گئی۔ شکاری شکار کی جانب خوراک کے چند ڈبے پھینکتے تھے۔ چھینا جھپٹی سے محظوظ ہوتے تھے اور جب اکتانے لگتے تو چن چن کے نشانے باندھتے اور شکار کے ٹھنڈا ہونے تک اس کے تڑپنے سے لطف کشید کرتے۔

جب بھوک سے بڑی تعداد میں بچوں کے مرنے کی خبر دنیا میں پھیلنے لگی تو اسرائیلیوں نے ایک اور گیم شروع کر دی۔ غذائی امداد سے بھرے کمرشل ٹرک غزہ میں داخل ہونے دیے گئے۔ ان پر لدے پھلوں اور سبزیوں کی نمائش کر کے یہ تاثر دیا گیا کہ غزہ میں بھک مری محض اسرائیل دشمن پروپیگنڈہ ہے۔ مگر ان اشیا کی قیمتیں اس قدر زیادہ تھیں کہ پتھرائی آنکھوں والے بچے اور ان کی مائیں محض انہیں دور سے دیکھ سکتے تھے۔ چھو بھی نہیں سکتے تھے۔

جب اسرائیل نے غزہ شہر فتح کرنے کے لیے دو ہفتے قبل بھرپور فوج کشی کی تو نسل کشی میں تیزی کے لیے بڑی بڑی متروک فوجی گاڑیوں میں ٹنوں بارود بھر کے رہائشی عمارات کے عین نیچے کھڑا کر کے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے یہ بارودی گاڑیاں پھاڑ دی جاتیں۔ یوں محلے کے محلے چشم زدن میں مکینوں سمیت تحلیل ہو گئے۔

ادیب اور نقاد ٹی ایس ایلیٹ لکھتا ہے کہ انسان بہت زیادہ حقیقت بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر ہم تو دو برس سے ہر آن ناقابلِ برداشت خالص حقیقی عذاب سے گزر رہے ہیں۔ جتنا قتلِ عام ان آنکھوں نے دیکھا اس سے زیادہ وہ ہے جو یہ آنکھیں نہیں دیکھ سکیں۔

میرے دوست جواں سال ادیب محمد حامو سمیت اس کے خاندان کے تمام دو سو افراد مار ڈالے گئے۔ یا وہ ایک سو بارہ بھوکے لوگ جو آٹے کی قطار میں تھے اور پھر اس قطار میں کوئی زندہ نہ بچا۔ اٹھارہ مارچ کا دن بھی شائد تاریخ کے کسی پنے پر محفوظ ہو جائے جب ایک سو بچوں سمیت ایک ہی دن میں چار سو سے زائد انسان لاشیں بن گئے۔

اور وہ پندرہ طبی رضاکار کیسے بھلائے جائیں گے جن کی امدادی ایمبولینسیں رفاہ کے قریب ویرانے میں روک کے ایک ایک کے سر میں گولی ماری گئی۔ غزہ کے سویلینز اور دہشت گرد میں کوئی تمیز نہیں بچی۔ محفوظ اور غیر محفوظ علاقوں کی اصطلاح نے بہت پہلے ہی دم توڑ دیا۔ ڈاکٹر اور مریض، صحافی و عینی شاہد، استاد اور شاگرد، عورت اور پیٹ میں موجود بچہ سب کے سب نشانے پر ہیں، سب دہشت گرد ہیں۔ زندگی کے معنی بس یہ رہ گئے کہ ہر آن ہر طرف سے ہر قسم کی برستی موت سے لحہ بہ لحہ کیسے بچنا اور بچانا ہے۔

میں اور میرا خاندان تو صرف نو بار اجڑے ہیں۔ ایسے ہزاروں خاندان ہیں جو غزہ کے پنجرے میں بیس بیس بار ایک سے دوسری جگہ نقل مکانی پر مجبور کیے گئے۔ جہاں بھی رکتے سورج کی تمازت اور تیز ہوا سے بچنے کے لیے دو چادریں تان کے ایک تصوراتی گھر بنا لیتے۔ بیت الخلا کے نام پر گڑھا کھود لیتے اور پھر حکم ملتا کہ یہاں سے کہیں اور چلے جاؤ۔ یہ 'کہیں اور کا حکم' بھی کب کا معنی کھو چکا ہے۔

آپ کے لیے غزہ شائد ایک ریتیلی ساحلی پٹی ہے کیونکہ آپ نے اس کے بارے میں بس یہی سنا ہے۔ اسے دیکھا نہیں۔ غزہ شہر میں بلند و بالا عمارتیں تھیں، انسانی چہل پہل سے لبریز بازار تھے، مسکراتی یونیورسٹیاں تھیں، ماضی کو حال سے جوڑنے والے سیکڑوں برس پرانے ضعیف گھر، گرجے اور مساجد تھیں۔

غزہ کے مضافات میں بیت ہنون اور بیت لاہیا کی وضع قطع دیہقانی اور ہرے بھرے کھیت تھے۔ جنوب میں خان یونس اور رفاہ شہر کے چاروں طرف پھل دار باغات اور زیتون کے ہزاروں درخت تھے۔ جبالیہ، بریج اور خان یونس اسی برس پرانے فلسطین کا نمونہ تھے۔ وہ تاریخی فلسطین جہاں سے انیس سو اڑتالیس کے نقبہ میں ہجرت کرنے والوں اور ان کے بچوں اور پھر ان کے پوتوں نواسوں نے ان کیمپوں کو بھی شاندار ماضی سے ایسے جوڑے رکھا جیسے آئینے کے مقابل ایک اور آئینہ رکھ دیا جائے۔

اب ایک ہی رنگ بچا ہے زندگی کا اور وہ ہے مٹیالا۔ ملبہ سرخ، سفید، سبز، نیلا نہیں ہوتا بس مٹیالا ہوتا ہے اور یہ رنگ تاحدِ نگاہ ہے۔ اس ملبے میں کبھی کوئی خودرو کونپل پھوٹ پڑے تو ہم آنکھیں مل مل کے دیکھتے ہیں کہ یہ سبزہ کہاں سے اترا۔

آپ کو تو سہولت ہے کہ تباہی کے مناظر ٹی وی اسکرین یا موبائیل فون پر دیکھتے دیکھتے ناقابلِ برداشت ہو جائیں تو چینل بدل لیں یا موبائیل سکرول کر لیں۔ ہمیں تو یہ منظر مسلسل دیکھنا ہی نہیں اس میں رہنا بھی ہے۔

ہم نے ان دو برسوں میں سہانے خواب دیکھنے بھی معطل کر دیے ہیں۔ تعبیر کے تعاقب کی سکت جو نہیں رہی۔ مگر ایک امید ہے کہ بہت ہی ڈھیٹ نکلی۔ خاک اور خون سے اٹنے کے بعد بھی کمینی پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔"

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

مسلمانوں پر سے مصیبت دور کرنے کا راستہ

"مسلم ممالک پر جو مصیبت آئی ہے اس کی دو بڑی وجوہات ہیں۔ پہلی ان پر امریکی تسلط کا وجود ہے اور دوسرا ان حکمرانوں کا وجود ہے جو شریعت کو چھوڑ کر اس تسلط سے ہم آہنگ ہیں اور اپنے مفادات میں سے کچھ کے حصول کے عوض امریکی مفادات کی حفاظت کر رہے ہیں۔

ہمارے سامنے دین کو قائم کرنے اور مسلمانوں پر پڑنے والی آفت کو دور کرنے کا راستہ یہ ہے کہ ہم مسلم ممالک اور مسلمانوں پر اس امریکی تسلط کو ختم کریں جو وہاں شریعت کے مطابق حکمرانی کرنے والی کسی بھی حکومت کی بقا کو روکتا ہے اور اس تسلط کو ختم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ امریکی دشمن کو براہ راست تھکاتے رہیں یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے اور اتنا کمزور ہو جائے کہ مسلم دنیا کے معاملات میں مداخلت نہ کر سکے۔

اس مرحلے کے بعد دوسری وجہ کو ختم کرنے کا مرحلہ آتا ہے، یعنی ان حکمرانوں کا تختہ الٹنا جنہوں نے شریعت کو ترک کر دیا ہے اور اس کے بعد ان شاء اللہ اسلامی خلافت کے قیام کا مرحلہ آئے گا۔"

شیخ اسامہ بن لادن رحمۃ اللہ علیہ

غزہ میں نسل کشی کے ۲ سال

۷ اکتوبر ۲۰۲۳ء کو فلسطینی مجاہدین کی جانب سے حملے کے بعد اسرائیل نے غزہ کی پٹی کے بیس لاکھ سے زیادہ لوگوں کے خلاف نسل کشی کی مہم کا آغاز کیا۔ ۲۴ ماہ سے زیادہ کے عرصے میں، اسرائیل نے ۲۰۰۶ء سے محاصرے میں موجود اس پٹی میں براہ راست اور بالواسطہ قتل کے کئی طریقے اپنائے۔ اگرچہ ۱۱ اکتوبر ۲۰۲۵ء کو جنگ بندی کا اعلان ہو چکا ہے، لیکن اسرائیل مختلف طریقوں سے غزہ میں نسل کشی اب بھی جاری رکھے ہوئے ہے۔

12%
آبادی
شہید، زخمی، لاپتہ یا قید

75,190 شہداء
- عام شہری 70,248
- بچے 21,310
- عورتیں 13,987

20% شہداء عورتیں

30% شہداء بچے

۱۰ میں سے ۹ شہداء
نہتے عام شہری

173,200 زخمی
کئی ہزار افراد کے اعضاء کٹے یا وہ مستقل معذور ہوئے، جن میں سے دس ہزار سے زائد بچے کم از کم ایک ٹانگ سے محروم

45,600 بچے یتیم

99%
آبادی کم از کم ایک بار جبری طور پر بے گھر ہوئی
۱۳ اکتوبر ۲۰۲۳ء سے اسرائیل نے درجنوں جبری نقل مکانی کے احکامات جاری کیے ہیں، جس سے غزہ کی آبادی کا بڑا حصہ اسکولوں اور عارضی خیموں میں منتقل ہونے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اسرائیلی فوج کے مطابق، جو لوگ ان احکامات کی تعمیل نہیں کریں گے، انہیں ''دہشت گرد تنظیم کے شرکاء'' کے طور پر شناخت کیا جا سکتا ہے۔

عمارتیں مکمل یا جزوی تباہ

غزہ پر اپنی جنگ کے آغاز سے، اسرائیلی فوج نے زمین جھلسانے کی پالیسی اپنائی ہے، اور پٹی کے بنیادی ڈھانچے، املاک اور اہم عمارتوں کو تباہ کر دیا ہے۔

- **100%** ہسپتال
- **80%** عمارتیں
- **95%** سکول اور یونیورسٹیاں

- سکول 621
- مساجد 890
- آثار قدیمہ 205
- رہائشی عمارتیں 555,000
- فیکٹریاں 3,300
- چرچ 3
- پریس مراکز 191

1,701 طبی اہلکار جاں بحق
- 2,195 زخمی
- 194 ڈاکٹر جاں بحق
- 376 نرسیں جاں بحق

- **140** شہری دفاع کے اہلکار جاں بحق
- **255** صحافی جاں بحق
- **200** پروفیسر و ماہر تعلیم جاں بحق
- **800** اساتذہ جاں بحق

6 پیمانے
جن میں اسرائیل نے بین الاقوامی عدالتِ انصاف کے فیصلے کی تعمیل نہیں کی

۲۶ جنوری ۲۰۲۴ء کو بین الاقوامی عدالتِ انصاف نے ایک فیصلہ جاری کیا جس میں اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ وہ غزہ کی پٹی میں فلسطینی عوام کے خلاف نسل کشی کے جرم کو روکنے کے لیے مخصوص عبوری اقدامات نافذ کرے۔ تاہم، اسرائیل نے اس فیصلے کی تعمیل نہیں کی، جیسا کہ بین الاقوامی عدالتِ انصاف کے فیصلے کی خلاف ورزی کے چھ بنیادی پیمانوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

1. قتلِ عام
2. شدید جسمانی/ ذہنی اذیت
3. غیر انسانی حالاتِ زندگی مسلط کرنا
4. بھوک کو بطور ہتھیار استعمال کرنا
5. بچوں کی پیدائش روکنے کا ماحول مسلط کرنا
6. نسل کشی کی عوامی ترغیب

40,000
افراد دائمی یا دیرپا معذوریوں کے ساتھ جئیں گے
بشمول
21,000 بچے

غزہ معاصر تاریخ میں اعضاء کٹے بچوں کا سب سے بڑا مرکز بن گیا ہے۔
- **24%** نچلے دھڑ کے کٹے اعضاء
- **76%** بالائی دھڑ کے کٹے اعضاء

12,000
یرغمال / جبری لاپتہ

2,700
افراد اب بھی قید یا جبری طور پر غائب ہیں

- جنسی زیادتی
- قیدیوں پر تھوکنا/پیشاب کرنا
- برہنہ تلاشی
- جنسی حملے
- بجلی کے جھٹکے
- دورانِ تشدد عمداً قتل

482
افراد غزہ کی قلت کی وجہ سے شہید ہوئے
بشمول
160 بچے

اسقاطِ حمل کی شرح میں
300%
اضافہ

پانی کے وسائل کی تباہی کے سبب، فی کس پانی کے حصے میں
98%
کمی

100%
آبادی کو شدید غذائی عدم تحفظ کی بلند سطح کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے

100%
آبادی نفسیاتی صدمے کا شکار ہو چکی ہے۔
جن میں سے زیادہ تر کے طویل مدتی اثرات رہیں گے

80%
منظم بین الاقوامی انسانی امداد کے مشن اسرائیلی حکام نے روک دیے یا ان کے کام میں رکاوٹ ڈالی

۲۱ اکتوبر ۲۰۲۵ء تک کے اعداد و شمار کے مطابق

Euro-Med Human Rights Monitor

عمرِ ثالث

امارت اسلامیہ افغانستان کے مؤسس

عالی قدر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی مستند تاریخ

مصنف: قاری عبد الستار سعید

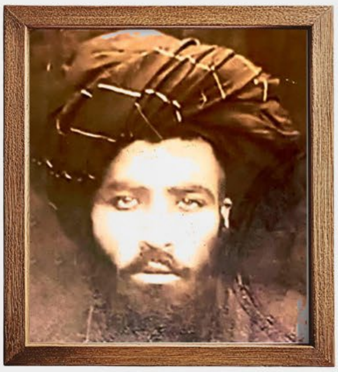

قندھار میں علمائے افغانستان کا تاریخی اجتماع

١٩٩٦ء کی بہار تک ہی طالبان نے افغانستان کے ساڑھے چھ لاکھ مربع کلومیٹر طویل رقبے پر تسلط حاصل کر لیا تھا جو پورے ملک کے نصف سے زیادہ رقبہ تھا، جنوب، مغرب اور مرکزی افغانستان کے بڑے بڑے شہروں بشمول قندھار، ہرات اور غزنی کے ساتھ ساتھ جنوب مغرب اور جنوب مشرقی صوبوں پر مکمل کنٹرول کے علاوہ دارالحکومت کابل کو بھی تین اطراف سے گھیرا ہوا تھا۔ موسمِ بہار کے ان ابتدائی ایام میں قندھار شہر میں ١٥٠٠ علمائے کرام اور بااثر افراد کے لیے ایک بڑے اجتماع کا بندوبست کر رکھا تھا۔

٦ ذوالقعدہ ١٤١٦ھ بمطابق ٢٥ مارچ ١٩٩٥٦ء کو تحریک اسلامی کی عالی شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ افغانستان کے علمائے کرام کے ساتھ عالی شوریٰ کی جانب سے کیے گئے وعدے کے مطابق ذوالقعدہ میں پورے افغانستان کے جید علمائے کرام کو قندھار میں مدعو کیا جائے، تاکہ وہ اسلامی تحریک کی تمام تر سرگرمیوں کا جائزہ لیں، آئندہ کا لائحہ عمل متعین کریں اور تحریک کے سیاسی مؤقف کے حوالے سے بنیادی فیصلے کریں۔

ایک ہفتے کے اندر اندر افغانستان کے مختلف صوبوں اور پاکستان میں افغان مہاجر کیمپوں سے دینی علماء جوق در جوق قندھار کی طرف رواں دواں تھے، تاکہ اس اہم اجتماع میں شرکت کر سکیں۔ قندھار میں آنے والے مہمان علمائے کرام اور بزرگوں کے استقبال کے لیے منظم انداز میں انتظامات کیے گئے تھے۔ شہر کے بیچوں بیچ (ٹیکنیکل کالج) کی ایک بڑی عمارت، جس میں کافی کمرے اور ایک بڑا ہال تھا، علماء کی رہائش اور اجتماع کے لیے مختص کر دی گئی۔ آنے والے مہمان علمائے کرام کے نام اور ضروری معلومات اور رہائشی کمرے کے اندراج کے لیے کمیٹی تشکیل دی گئی، جو استقبالیہ کا کام سرانجام دیتی اور تمام مہمانوں کو ان کے لیے مقررہ جگہوں کی طرف رہنمائی کرتی۔ ایک صوبے کے علمائے کے لیے ایک ساتھ یا قریب قریب رہائش کا بندوبست کیا گیا، اس کے علاہ سرکاری مہمان خانہ (گورنر ہاؤس) اور شہداء چوک سے متصل میوند ہوٹل بھی مہمانوں کے لیے خالی کر دیا گیا تھا۔

چند روز بعد قندھار شہر کے ہر چوک چوراہے پر علمائے کرام اور مشائخ عظام اپنے علمی وقار کے ساتھ نظر آتے، شاید یہ قندھار اور افغانستان کی تاریخ میں دینی علمائے کرام کا سب سے پہلا عظیم الشان اور روح پرور اجتماع تھا۔

قندھار میں اس وقت چھپنے والے اخبار ''طلوع افغان'' کے ایک لکھاری میرویس باوری نے اس پورے ماحول کی عکاسی کچھ یوں کی ہے:

> ''قندھار کو اپنی قدیم تاریخ کے باعث کئی بار بڑے بڑے اجتماعات کا فخر حاصل رہا ہے، اب ایک بار پھر تحریکِ اسلامی کے مرکز کے طور پر ملک کے عظیم اور مجاہد علمائے کرام کی میزبانی کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ اگر ایک طرف بہار کی فرحت بخش ہوا چل رہی ہے اور جس پھول پر سے گزرتی ہے، اسے کھلا دیتی ہے، دوسری طرف شہر کے گلی کوچوں، پارکوں، خصوصی مہمان خانوں، حکومتی اداروں اور مساجد میں مہمان علمائے کرام کی آمد، اپنے پیارے ملک کے مستقبل سے متعلق ان کی محفلیں، مشورے اور فیصلے، اس دوران اذانِ بلالی کی آواز اور اللہ کے گھروں کی طرف مسلمانوں کا رواں دواں ہونا اس ماحول کو مزید پُر کیف بنا رہا ہے۔''

اس طرح سے قندھار سینکڑوں علمائے کرام کا میزبان بنا، یہ علمائے کرام مختلف قوموں، مختلف زبانوں اور علاقوں سے تھے، سب کی خواہش بس یہی تھی کہ ایک بھلا دیے گئے الٰہی فریضے اسلامی نظام کے اعادے کا ایک تاریخ ساز فیصلہ کیا جائے اور دینی عالم کی حیثیت سے نبوی وراثت کا کماحقہ حق ادا کیا جائے۔

اجتماع کے ابتدائی ایام

روزنامہ طلوع افغان کی رپورٹ کے مطابق یہ اجتماع ١١ ذوالقعدہ (٣٠ مارچ) سے شروع ہو کر ١٥ ذوالقعدہ (٣ اپریل) تک پانچ دن جاری رہا۔

پہلے دن اجتماع کا آغاز قاری محمود شاہ صاحب کی جانب سے قرآن کریم کی تلاوت سے ہوا۔ اس کے بعد اجتماع کا لائحہ عمل سنایا گیا۔ اس کے بعد اطلاعات و ثقافت کے سربراہ ملا امیر خان متقی نے اسلامی تحریک کی عسکری، سیاسی، علمی، عمرانی و دیگر شعبوں میں حاصل کردہ کامیابیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے حاضرین کو معلومات فراہم کیں۔ ان کے بعد اسلامی تحریک کے نائب ملا محمد ربانی نے تفصیلی خطاب کیا اور اسلامی تحریک کے قیام اور اہداف پر بات کی اور اسلامی نظام کے قیام میں علمائے کرام کی مسؤلیت کو اہم قرار دیا۔

اپنے خطاب کے دوران انہوں نے فرمایا کہ علمائے کرام کو یہاں اس لئے مدعو کیا گیا ہے کہ وہ اسلامی تحریک کو اپنے مشورے پیش کریں۔ ہم آپ کے مشوروں پر عمل کریں گے اور ملک کے دیگر علاقوں میں بھی یہی نظام نافذ کریں گے۔

ملا محمد ربانی کے بیان کے بعد مہمان علمائے کرام کے بیانات کا سلسلہ شروع ہوا اور ہر علاقے کے علمائے کرام کی نمائندگی کرتے ہوئے کوئی ایک نامور عالمِ دین بیان کرتا۔ صوبہ بدخشان سے عالم دین مولوی محبوب اللہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ برہان الدین ربانی ہمارے صوبے سے تعلق رکھتا ہے، لیکن اس کا نظام برحق نہیں، طالبان تحریک کے بارے میں پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ یہ پشتونوں کی تحریک ہے، لیکن میں ایک غیر پشتون ہوتے ہوئے گواہی دیتا ہوں کہ یہ تحریک واقعی ایک اسلامی تحریک ہے اور اس میں کوئی عصبیت اور قوم پرستی نہیں۔ اس کے بعد لغمان کے مولوی سعید الرحمن، جوزجان کے مولوی عبد الصمد، غزنی کے مولوی سید حفیظ اللہ، بلخ کے مولوی عبد الجبار، ننگرہار کے مولوی سید رسول اور دیگر علمائے کرام نے تقریریں کیں۔

اجتماع کے دوسرے روز افتتاحی بیان قندھار کے گورنر ملا محمد حسن اخند نے کیا، ان کے بعد ہرات کے مولوی جلیل اللہ مولوی زادہ، عالی شوریٰ کے رکن مولوی احسان اللہ احسان، لوگر کے علماء کی نمائندگی کرتے ہوئے مولوی فضل احمد، بغلان سے مولوی محمد یعقوب، مولوی جلال الدین حقانی کے نمائندے الحاج حبیب اللہ منگل، فاریاب سے مولوی مفتی عبداللہ، علمائے کابل کی نمائندگی کرتے ہوئے مولوی نور محمد ثاقب، صوبہ ارزگان سے مولوی سلطان محمد، صوبہ لغمان سے مولوی نقیب احمد دیوبندی، پکتیا سے مولوی عبد اللہ مدنی اور دیگر علمائے کرام نے اپنی آراء مجلس میں پیش کیں۔ اسلامی تحریک کی جانب سے شرکائے اجتماع سے مشورے لینے کے لیے تمام حضرات کو خاص پرچے دیے گئے، جن میں نظامِ حکومت کی اصلاح و ترقی کے لیے مختصر سوالات درج تھے۔ علمائے کرام نے اپنے علم اور تجربے کی روشنی میں ان سوالات کے جوابات لکھ کر مسؤل حضرات کے سپرد کیے۔

اجتماع اور مجالس کے دوران ملک کے جید اور ممتاز علمائے کرام روزانہ کی بنیاد پر اپنے مشورے اور تجاویز پیش کرتے، کابل سے شیخ الحدیث مولوی ترہ خیل، ہلمند سے مولوی محمد خواص، میدان وردگ سے یوسف خیل کے اخندزادہ، ننگرہار سے مولوی محمد الیاس، مولوی جلال الدین شینواری اور مولوی محمد اکرم، تخار سے مولوی عبد العزیز، بلخ سے مولوی احمد مزاری، غزنی سے مولوی گل محمد، قندوز سے مولوی عبد الحی زعفرانی اور دیگر جید علمائے کرام اجتماع کو اپنی علمی و فقہی باتوں سے دلکشی اور وقار بخش رہے تھے اور اسلامی تحریک کے مسؤلین بھی روزانہ کی بنیاد پر اس اجتماع میں شرکت کرتے۔

اجتماع کا آخری دن اور قرارداد

۱۵ ذو القعدہ ۱۴۱۶ھ بمطابق ۳ اپریل ۱۹۹۶ء بروز بدھ اس تاریخی اجتماع کا آخری اور اہم فیصلوں کے اعلان کا دن تھا۔ اسی دن ملا محمد عمر مجاہد اس روح پرور اجتماع میں شریک ہوئے، انہوں نے اسلامی تحریک کی تاسیس اور ضرورت پر بات کی، یہ وہی بیان ہے جو بعد میں ریڈیو میں نشر ہوا اور کافی مشہور ہوا۔ اس بیان کی تاریخی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

ملا محمد عمر مجاہد کا اجتماع میں تاریخی خطاب

اعوذباللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللهم صل على سيدنا ونبينا و مولانا محمد وعلى آل سيدنا ونبينا ومولانا محمد وبارك وصل وسلم على جميع الانبياء والمرسلين على كل ملائكة المقربين وعلى عبادالله الصالحين۔

اعوذبالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

وَالْعَصْرِ○اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ○اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ○

محترم علمائے کرام اور مشائخ عظام!

اگرچہ میرے لیے مناسب نہیں کہ آپ حضرات کے سامنے کچھ کہوں، لیکن تذکیر کی بنیاد پر کچھ عرض کر دیتا ہوں۔

بات یہ ہے کہ طلبہ کرام نے جب یہ تحریک شروع کی اور اس کام میں مشغول ہوئے تو انہوں نے کافی بڑا دعویٰ کیا تھا۔ صحافیوں، عوام و خواص حتیٰ کہ کسی ملک نے بھی ان سے پوچھا کہ آپ کی اس تحریک کا مقصد اور ہدف کیا ہے؟ اس کے جواب میں طلبہ کہتے کہ ہمارا مقصد اسلامی نظام کا قیام، شرعی احکام اور حدود اللہ کا نفاذ ہے۔

ابتدائے تحریک سے لے کر آج تک یہی جواب ہے، اب بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ طلبہ نے تو قربانی دے دی، اور اب بھی کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کر رہے، لیکن علماء سے میں پوچھنا چاہتا ہوں، جو علماء یہاں موجود ہیں، اور ان علماء سے بھی جو یہاں نہیں، ان تک بھی میری بات پہنچا دی جائے، ہر علاقے کا عالمِ دین اپنے علاقے کے علماء تک میری بات پہنچا دے! اس حوالے سے علماء کرام میں کسی قدر غفلت پائی جاتی ہے!

ہم طلبہ جو دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم اللہ کا دین اللہ کی زمین پر نافذ کریں گے، یہ اللہ کی حدود ہیں، انہیں کون نافذ کرے گا؟ طلبہ کرام نے تو بندوق ہاتھ میں اٹھائی ہوئی ہے، چلے جا رہے ہیں، آج زندہ ہیں، کل زخمی یا شہید، لیکن انہوں نے عزم کیا ہوا ہے کہ زمین کو فساد سے، فساق و فجار سے صاف کر کے رہیں گے۔ یہی ان کی خدمت ہے، ان کا کام ہے!

یہ دعوی کہ ’’ہم زمین پر حدود اللہ کو نافذ کریں گے‘‘۔ یہ دعوی تو وہ علماء کے بل بوتے اور ان کے ارشادات کی روشنی میں کر رہے ہیں، یہ دعوی تو اس لیے کر رہے ہیں کہ ہماری پشت پر علمائے کرام موجود ہیں، ہم علمائے کرام کی رہنمائی میں شریعت کا نفاذ کریں گے۔ اب شریعت کا نفاذ اور اس کا طریقہ کار تو علماء کو معلوم ہے، طلبہ کو اس کی تفصیلات کا کوئی علم

نہیں۔ یہ تو بدیع المیزان، قطبی، کندیہ کے طلبہ ہیں، اس حوالے سے انہیں کیا معلوم؟ انہیں صرف ضروریاتِ دین کا علم ہے کہ یہ حق ہے اور یہ باطل۔ مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل کون حل کرے گا؟ حدود اللہ کا نفاذ کون کرے گا؟ بعض علماء نے اس حوالے سے خدمت کی ہے، اور بعض علماء کا گمان ہے کہ ’’لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا‘‘۔ میں چاہتا ہوں کہ اس آیت کا حقیقی مصداق ڈھونڈیں!

میں ایک مدرسے میں تھا، ایک چھوٹا سا مدرسہ تھا، پندرہ یا بیس ساتھی تھے، ہم درس و تدریس میں مشغول تھے، پورے ملک میں اندھیر نگری، چوری چکاری، قتل و قتال کا بازار گرم تھا۔ یقیناً! یہ گزرے ہوئے حالات سے آپ حضرات باخبر تھے، کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس فساد کا تدارک کیسے کیا جائے گا؟

اگر دیکھا جائے کہ میں ایک طالب علم تھا، مجھ سے یہ سب کچھ برداشت نہ ہوا اور میں اٹھ کھڑا ہوا، اگر میں بھی اس آیت کو پڑھتا تو کیا میرے لیے یہ آیت کافی نہ ہوتی؟ اگر میں اسی طرح تصور و فکر کرتا، تو میری قدرت میں کچھ تھا؟ کیا میرے لیے یہ آیت (’’لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا) کافی نہیں تھی؟ میں نے تو محض توکل سے کام لیا، کیونکہ توکل محض ناکامی سے دوچار نہیں ہوتا! توکل محض بہت مشکل کام ہے، میں علمائے کرام سے اسی کی توقع رکھتا ہوں!

لوگ کہیں گے کہ یہ تحریک کب سے جاری تھی، کس طرح سے تھی، خفیہ تھی، اسے کہاں سے امداد مل رہی تھی، کہاں سے ان کی رہنمائی ہوتی، کہاں سے ان کی تربیت کی جاتی؟

اس تحریک کی ابتدا اس مدرسے سے ہوئی، یہاں میں نے کتاب بند کی، اپنے ایک ساتھی مولوی صاحب کے ساتھ ہم سنگسار کے علاقے سے زنگاوت گئے، وہاں ہم نے سرور نامی ایک بندے سے موٹر سائیکل خریدی، اپنے ساتھی کو اپنے پیچھے بٹھایا، یہ اس تحریک کی کل ابتدا تھی۔ آج بھی وہاں سے گزر رہا تھا تو اس دن کا تصور کرنے لگا تھا۔ میں نے اپنے ساتھی مولوی صاحب سے کہا: چلیں، ان مدرسوں کا چکر لگائیں، ان طلبہ کرام سے مل لیتے ہیں۔ ہم زنگاوت سے تلوکان گئے، وہاں پہنچتے پہنچتے شام ہو چکی تھی، ہم اس وقت جھاڑیوں کے پاس سے گزر رہے تھے، میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ یہ وقت اور ان جھاڑیوں کو یاد رکھنا، عنقریب ایک انقلاب آنے والا ہے، ان شاء اللہ!

وہاں سے ہم ایک مدرسے میں گئے، وہاں ۱۴ طلبہ تھے، انہیں اکٹھا کیا، معزز حضرات! توکل محض سے کام لیں! ان ۱۴ طلبہ کو ایک دائرے کی شکل میں کھڑا کیا اور ان سے کہا:

میرے بھائیو! آپ دیکھ رہے ہیں کہ خدا کا دین پائے مال ہو رہا ہے، فساق و فجار نے پورے علاقے کو اپنے کنٹرول میں لے رکھا ہے، چوری چکاری کا بازار گرم ہے، عام شاہراہ پر لوگوں کی عزت و آبرو کو تار تار کیا جا رہا ہے، لوگوں کے مال لوٹے جا رہے ہیں، معصوم لوگوں کو شاہراہِ عام پر قتل کر کے انہیں زندہ انسان کی طرح پتھر سے ٹیک کر بٹھا دیا جاتا ہے، ارد گرد گاڑیاں گزرتی ہیں لیکن انہیں کفنانے والا کوئی نہیں ہوتا۔

ہم نے ان سے کہا کہ ان حالات میں اس درس و تدریس کا کیا فائدہ؟ اب زندہ باد، مردہ باد سے کام چلنے والا نہیں۔ ہم اب ان حالات کو برداشت نہیں کر سکتے، ہمیں ان کا مقابلہ کرنا ہو گا، اصلاح کے لیے کوششیں کرنی ہوں گی، اگر آپ حضرات اس حوالے سے خدمت کرنا چاہتے ہیں تو یہ اسباق و دروس چھوڑنے ہوں گے!

ہمیں اس حوالے سے کسی سے ایک روپے افغانی امداد کی امید نہیں، نہ ہی کسی نے ہم سے وعدہ کیا ہے، اس حوالے سے ہم چندے سے کام لیں گے، کوئی دے یا نہ دے، ہمیں اپنے کام کو آگے بڑھانا ہو گا۔

اور یہ بات یاد رکھیں کہ یہ کام ایک دن، ایک ہفتے اور ایک سال کا نہیں، آپ حضرات میں سے کون کون اس خدمت کے لیے تیار ہے؟ میں نے ان کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا کہ (اس وقت گرمی کا موسم تھا) آج ایک فاسق، فاجر اس گرمی میں اللہ کی دشمنی کو مول لے کر دھوپ میں بیٹھا ہے اور علانیہ یہ کام کر رہا ہے۔ کیا ہم اور آپ جو اپنے آپ کو مسلمان اور دیندار لوگ سمجھتے ہیں، کیا اس دین کی خدمت اعلانیہ نہیں کر سکتے؟ آج ایسی غفلت کی گنجائش نہیں۔

ان طلبہ کرام کے سامنے اس کام کو کافی بھاری کر کے پیش کیا کہ اگر ہم کسی علاقے کو فتح کر کے اپنے کنٹرول میں لیں گے تو پھر کبھی اسے نہیں چھوڑیں گے، آج کے بعد درس و تدریس کو خیر باد کہہ دیں۔ ہمارے پاس اس وقت اسلحہ ہے نہ پیسے، نہ ہی کسی نے ہم سے وعدہ کیا ہے تعاون کا۔ لہٰذا ہم چندہ کر کے اپنی ضروریات پوری کریں گے۔ یہ ساری باتیں کرنے کے بعد ہم نے ان سے پوچھا کہ اس کام کے لیے آپ لوگ تیار ہو؟

تو ان میں سے کسی ایک نے بھی مثبت جواب نہ دیا، بلکہ انہوں نے کہا کہ اگر شبِ جمعہ کو کوئی کام ہوا تو ہم تیار ہیں۔ میں نے کہا کہ جمعے کے دن کے بعد یہ کام کون کرے گا؟ میری اس بات پر اللہ گواہ ہے، قیامت کے دن میں اس کی گواہی دوں گا۔

اگر میں اس مدرسے اور اس کے طلبہ پر دیگر مدارس کو بھی قیاس کر لیتا تو میں واپس اپنے مدرسے آ کر خاموش بیٹھ جاتا۔ لیکن میں نے اپنے رب سے وعدہ کیا تھا کہ میں یہ کام ضرور کروں گا، میں یہاں کہنا چاہتا ہوں کہ توکل محض سے کام لیا جائے! میں مایوس نہیں ہوا، دوسرے حلقے (مدرسے) میں گیا، وہاں پانچ یا ساتھ طلبہ تھے، ان سے اسی طرح بات کی تو وہ اس کام کے لیے تیار ہو گئے اور فوراً سے اپنے نام لکھوا دیے۔ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ پہلے مدرسے اور اس مدرسے کے طلبہ میں کوئی فرق نہ تھا، سب مسلمان تھے، سب عاقل بالغ تھے، ایسا نہ تھا کہ وہ چھوٹے اور یہ بڑے تھے، یا وہ بوڑھے اور یہ نوجوان تھے، یا وہ عورتیں اور یہ مرد تھے۔

یہ ابتدائی مرحلہ تھا، ایک امتحانی دورہ تھا، مجھ پر پہلی بار آزمائش آئی تھی۔ لہٰذا یہ تحریک کی ابتدا تھی۔ موٹر سائیکل پر گھومتے گھومتے اگلے دن عصر تک ہم نے ۵۳ افراد تیار کر لیے۔ ان افراد کی تیاری صرف اور صرف توکل محض سے ہوئی، عصر کے بعد جب میں واپس آ رہا

تھا تو میں نے ان طلبہ سے کہا کہ آپ حضرات نے کل فلاں مسجد آنا ہے۔ یہ لوگ کل کے بجائے اسی رات کو ایک بجے وہاں پہنچ گئے۔ (اس بات پر ملا صاحب کی ہچکی بندھ گئی۔ ایک فرد نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور فضا میں اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر کی صدا گونجنے لگی۔)

یہ تھی تحریک کی ابتدا۔ چوبیس گھنٹے نہیں گزرے کہ مذکورہ افراد آدھی رات کو ہماری مسجد آگئے، ہمارے ساتھی مولوی صاحب جو اس مسجد کے امام تھے، وہ جب فجر کی نماز کے لیے مسجد پہنچے تو یہ طلبہ مسجد میں موجود تھے، نماز کے بعد ایک مقتدی نے امام صاحب سے کہا کہ امام صاحب! رات کو میں نے بہت مبارک خواب دیکھا ہے! امام صاحب نے کہا کہ: کیسا خواب تھا؟ اس نے کہا: سنگ حصار علاقے میں فرشتے آئے تھے...... (یہاں ملا صاحب کی ہچکی بندھ گئی)، ان کے نرم و گداز ہاتھ تھے...... تو...... میں نے ان سے کہا کہ میرے سر پر بھی اپنے ہاتھ پھیرو۔ (ملا صاحب پھر رونے لگے، تکبیر کے نعرے بھی بلند ہوئے۔)

یہ تھی تحریک کی ابتدا، چوبیس گھنٹے کی کوشش تھی، جس کے نتیجے میں مذکورہ طلبہ راتوں رات ہی مقررہ جگہ پہنچ گئے۔ ہم نے حاجی بشر سے گاڑیاں مانگیں تو انہوں نے صبح دس بجے دو گاڑیوں کا بندوبست کر دیا، ایک بینو اور ایک بائفور ہمیں دی، وہاں سے ہم شک نخود علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔ شک نخود پہنچ کر ہماری تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، وہاں ہم نے چندہ کر کے پانچ عدد بندوقوں کا بندوبست کر لیا۔

یہ تھا توکل محض کا ثمرہ! توکل محض، کبھی ناکامی سے دوچار نہیں کرتا، ہم علمائے کرام سے بھی توکل محض کی امید رکھتے ہیں۔

اللہ نہ کرے کہ ہمارا یہ دعویٰ، دعوے تک ہی رہ جائے اور کامیاب نہ ہو۔ (یہ ہمارا بہت بڑا دعویٰ ہے کہ ہم اس ملک میں اسلامی نظام نافذ کریں گے، حدود اللہ قائم کریں گے)

آپ حضرات کو یقیناً معلوم ہے کہ حدود اللہ اور اسلامی نظام کا قیام علمائے کرام کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا! علماء ہی جانتے ہیں کہ اسلامی نظام کا قیام کیسے اور کیونکر قائم ہو سکتا ہے؟ علمائے کرام کو جان لینا چاہیے کہ یہ نظام کن درجات اور کن اصولوں پر قائم ہوتا ہے؟

لہٰذا علمائے کرام کو چاہیے کہ اس کے لیے عزمِ مصمم کریں اور اخلاص سے کام لیں، اللہ نہ کرے کہ ہماری صفوں میں ایسی کمزوری در آئے کہ کل کلاں فرض نماز ہی میں غلطی و کوتاہی ہونے لگے، ایسی غفلت ہو جائے کہ ہم طلبہ سے نماز ہی بھول جائے۔ نسلِ نو تربیت کی محتاج ہے، اس تحریک میں اخلاص کی شدید ضرورت ہے، ہمیں عالم سے وہی عذر قبول ہے جو عند اللہ قابلِ قبول ہو (شرعی عذر ہو)۔ زبان سے کوئی شخص معذور نہیں گردانا جا سکتا، کہ خود کہے کہ میں معذور ہوں، میں کہتا ہوں کہ میں بھی شرعی عذر قبول کرتا ہوں، باقی معاملہ اللہ پر چھوڑتا ہوں۔

علماء سے وہی عذر قابلِ قبول ہے جو شرعی ہو، جو عند اللہ عذر نہ ہو، پورے افغانستان کے کسی عالم سے قبول نہیں کروں گا، ہر عالم کو اس ملک و ملت کی خدمت کرنی ہوگی، ایسی خدمت کرنی ہوگی جو بار آور ہو۔

بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ قضا کا کام تو اتنا اہم کام نہیں، کوئی دوسری نوکری مل جائے، جس میں نام و نمود ہو، جہاں اپنی قوم میں معتبر ٹھہرایا جاؤں۔ مگر میں علمائے کرام سے خصوصاً کہنا چاہتا ہوں (اگرچہ مناسب نہیں) مگر الٰہی مسؤلیت سے ڈرتا ہوں، میں آج اور ابھی اس ذمہ داری اور مسؤلیت کا بار آپ حضرات کو سونپنے کے لیے تیار ہوں، ہم سے جو کچھ ہو سکا، وہ ہم کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے، وہی کام جو زور و بندوق کا کام ہے۔ ہم جس دعوے کے علمبردار ہیں کہ حدود اللہ کو جاری کریں گے اور اسلامی نظام نافذ کریں گے۔

یاد رکھیں! یہ نظام علماء کے علاوہ کوئی نافذ نہیں کر سکتا۔ اللہ کے واسطے اس آیت "لا يكلف الله نفسا الا وسعها" کا صحیح مصداق ڈھونڈیں، غلط تعبیر سے بچیں۔ یہ آیت میرے لیے بھی کافی تھی، اگر اسی تعبیر سے مان لیتا، لیکن میں نے یہ تعبیر قبول نہیں کی اور نہ ہی اس تفسیر کا قائل ہوں۔ بندے کا کام ہے کہ کوشش کرے، کم ہو یا زیادہ، اللہ اس میں برکت ڈال دیتا ہے۔

لہٰذا آپ علماء حضرات سے ہماری گزارش ہے کہ شریعتِ الٰہی کے قیام کے لیے سنجیدگی سے کام لیں، عزمِ مصمم کریں، جس ملک میں حدود اللہ کا قیام و نفاذ ہوتا ہے، وہاں کے امراء بھی فساد کا شکار نہیں ہوتے، خیانت، فسق و فساد کی روک تھام ہوتی ہے۔ آج اگر کوئی عالم مجھ میں کوئی کمزوری، کمی کوتاہی دیکھ کر مجھے معزول کر دے، میں اسی وقت استعفاء دے دوں گا، مجھے اس حوالے سے کچھ بھی اعتراض نہ ہوگا۔

یہ طلبہ کرام، جو اپنے آپ کو اہلِ حق قرار دیتے ہیں، انہوں نے حق پر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اب کے بعد سے فساق و فجار کا دور ختم ہو چکا ہے، انہیں اگر کوئی عالم نصیحت کرتا تو وہ نہیں سنتے تھے، اب طلبہ کرام کا دور دورہ ہے۔ طلبہ یہ وعدہ کریں گے کہ اگر کوئی عالم ان سے کہے کہ تمہارے اندر فلاں کمی کوتاہی ہے، تو اس کی اصلاح کرنی ہوگی یا پھر اس صف سے نکلنا ہوگا۔

علمائے کرام کی ہر جگہ تک رسائی ہے، علماء کو چاہیے کہ اس راہ میں استقامت اختیار کریں، ورنہ روزِ محشر میں ان علماء کا گریبان پکڑوں گا، میں انہیں نہیں چھوڑوں گا۔ اگر مجھ سے اس کام میں کوئی خرابی پیدا ہوئی تو وہ بھی علماء ہی کی وجہ سے ہوگی، میں روزِ محشر انہیں گریبان سے پکڑوں گا، حدود اللہ کے قیام کی ذمہ داری علماء ہی کا کام ہے، ان کے علاوہ کوئی اس نظام کو نافذ نہیں کر سکتا، طلبہ نہ احکام الٰہی کا پورا علم رکھتے ہیں، نہ ہی اسے نافذ کر سکتے ہیں۔

علماء پر لازم ہے کہ اس راہ میں مضبوطی سے قائم رہیں، نئے افکار و تصورات سے لوگوں میں آگاہی پھیلائیں، پرانے خیالات و تصورات اگر ہیں بھی تو انہیں چھوڑ دیں، اس حوالے سے تجدید کی ضرورت ہے۔

(بقیہ صفحہ ۸۰ نمبر پر)

اس کے پیچھے وردی ہے

اریب اطہر

پاکستانی معاشرے میں بھیڑ چال کو کتنے شوق سے اپنایا جاتا ہے پاکستانی میڈیا چینلز اس کی ایک بڑی مثال ہیں۔ کوئی ایک ایشو ان کے ہاتھ لگ جائے، چاہے وہ معمولی نوعیت کا ہی ہو لیکن سب بھیڑ چال چلنے لگتے ہیں۔ یہی نفسیات اور ذہنیت ہمیں معاشرے کے مختلف شعبوں میں بھی نظر آئے گی۔ نائن الیون حملوں کے بعد امریکہ اور مغربی دنیا میں یہ سازشی تھیوری پھیلائی گئی کہ یہ 'inside job' تھی یعنی امریکیوں نے خود ہی یہ کام کر دیا۔ ایک صحافی دوست جن کی زندگی صحافت کے شعبے میں گزری، اور اب بھی ایک اخبار کے ایڈیٹر ہیں، سازشی نظریات پر مبنی ایک امریکی مصنف کی کتاب نے ان پر ایسا اثر کیا کہ ان کے نظریات کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ اب وہ پاکستان میں جاری جنگ کو اسی سازشی نظریے کی عینک سے دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔ واضح رہے کہ سازشی نظریات پیش کرنے کو امریکہ میں ایک صنعت کا درجہ حاصل ہے۔ اس موضوع پر کتابیں، فلمیں، تجزیے سب کچھ بطور پراڈکٹ بیچا جاتا ہے۔ نائن الیون کے بابرکت حملوں کے حوالے سے بھی یہی کچھ ہوا۔ بہت کچھ لکھا گیا، بنایا گیا اور پھیلایا گیا، کیونکہ یہ بکتا ہے۔ جیسا کہ آپ ان دنوں یوٹیوب پر کرنٹ افیئرز پر ویلاگ دیکھیں تو سر چکرا جائے کہ آخر یہ کس دنیا کی بات ہو رہی ہے؟ اور مزے کی بات ایسے پروگرام خوب وائرل ہوتے ہیں۔ بقول ایک صاحب کے، پاکستانی قوم کو ایسے پروگراموں کا نشہ ہو چکا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان میں جو بعض طبقوں کی جانب سے نعرہ لگایا جاتا ہے کہ ''یہ جو دہشت گردی ہے اسکے پیچھے وردی ہے''، اس کے پیچھے بھی وہی بھیڑ چال اور مغرب کی فکری غلامی موجود ہے۔ اس نعرے کی ابتدا پی ٹی ایم کی جانب سے کی گئی تھی، جس کا بنیادی مطلب یہ تھا کہ ظالم پاکستانی فوج کے خلاف جو مجاہد اپنی جان، مال، گھر بار سب کچھ قربان کر رہا ہے وہ تو مجاہد نہیں ہے بلکہ اسی فوج کا ایجنٹ ہے۔ آج اس نعرے کو اتنی پذیرائی دی گئی کہ سیکولر و لبرل ملحد طبقے کی زبان سے ہوتے ہوئے یہ نعرہ اب مذہبی جماعتوں کے کارکنان اور عام لوگوں کی زبان پر بھی آ چکا ہے۔ کسی زمانے میں مذہبی سیاسی جماعتوں کے قائدین کی جانب سے جب فوج اور حکومتی زبان میں دہشت گردی کی مذمت ہوتی تھی تو کارکنان عذر پیش کرتے تھے کہ یہ تو فقط سیاسی مجبوری ہے، البتہ دل سے ہم ایسے نہیں ہیں بلکہ ہم تو جہاد سے محبت کرنے والے ہیں۔ لیکن دو دہائیوں میں اب یوں لگتا ہے کہ جن بیانات کو کبھی سیاسی مجبوری کہا جاتا تھا وہ عقیدہ و نظریہ بن چکا ہے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يَغْزُ أَوْ يُجَهِّزْ غَازِيًا أَوْ يَخْلُفْ غَازِيًا فِي أَهْلِهِ بِخَيْرٍ أَصَابَهُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ بِقَارِعَةٍ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ[1]

''ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے جہاد نہیں کیا یا کسی جہاد کرنے والے کے لیے سامان جہاد فراہم نہیں کیا یا کسی مجاہد کے اہل و عیال کی بھلائی کے ساتھ خبر گیری نہ کی تو اللہ اسے قیامت سے قبل کسی سخت مصیبت سے دوچار کرے گا۔''

اس حدیث کی روشنی میں خود اپنا محاسبہ کیجیے کہ آپ ایک مجاہد کی مدد اور اس کے اہل و عیال کی خبر گیری تو دور کی بات ان پر خوارج کی مہر ثبت کرتے ہیں، کہتے ہیں یہ اسی فوج کی پیداوار ہے، دن میں وردی میں گھومتے ہیں، شام کو طالب بن کر گھومتے ہیں۔ یہ کوئی دو چار طعنے تو ہیں نہیں، بلکہ سالہا سال سے یہ سبق عوام کو رٹایا گیا ہے۔ کیا ان تہمتوں اور الزامات کے متعلق روز آخرت اپ جواب دے پائیں گے؟ انہیں سچ ثابت کر پائیں گے؟ ویسے کیا ان نعروں سے اسٹیبلشمنٹ اور فوج کے عزائم کمزور ہوئے ہیں؟ یا اس سے فوج ہی کا مقصد پورا ہوتا ہے؟ یعنی کسی بھی قسم کی مسلح جدوجہد کو کو عوامی حمایت سے باز رکھنا۔

ان نعروں اور شعلہ بیانیوں کی اس فوج کے سامنے کیا وقعت ہے یا کیا اثر ہوتا ہے اس کا اندازہ معروف سیاستدان جاوید ہاشمی کے اس بیان سے لگا لیں۔ جاوید ہاشمی کہتے ہیں کہ آئی ایس آئی نے انہیں آفر کی کہ آپ ہماری طرف سے ایم این اے بنیں، گاڑیاں، جلسے جلوس سب خرچہ ہمارا ہو گا۔ جاوید ہاشمی کہتے ہیں میں نے انہیں کہا میں تو روز اپ پر تنقید کرتا ہوں، آپ کے خلاف ویڈیو ویلاگ بناتا ہوں۔ تو انہوں نے جواب دیا اس سے ہمیں فرق نہیں پڑتا۔ آپ ایم این اے بننے کے بعد بھی یہ سب جاری رکھ سکتے ہیں۔ بس جس وقت ہمیں آپ کے ووٹ کی ضرورت ہو گی تو اس وقت ووٹ آپ نے ہماری مرضی کے مطابق ڈالنا ہے۔ کچھ ایسی ہی آفر بلوچستان اسمبلی کے ایک ممبر کو دی گئی کہ آپ بل پاس کروانے کے لیے اسٹیبلشمنٹ کا ساتھ دیں۔ ہم آپ کو اغوا کریں گے، اس کی سی سی ٹی وی فوٹیج بھی جاری ہو گی۔ اس کے بعد آپ ووٹ ڈالیں اور ووٹ ڈالنے کے بعد کہہ دیں کہ مجھ سے زبردستی ووٹ ڈلوایا گیا۔ اس طرح آپ کی فیس سیونگ بھی ہو جائے گی۔

تو ان مثالوں سے ایک چیز واضح ہوتی ہے کہ فقط بیانات اور شعلہ بیانی کی اس وقت تک کوئی حیثیت نہیں جب تک اس کے نتائج بر آمد نہ ہوں۔ فوج کے خلاف کہا جاتا ہے کہ وہ معدنی وسائل لوٹنے کے لیے جنگی ماحول پیدا کرتی ہے۔ ان تمام حضرات سے سادہ سا سوال ہے کہ

[1] تخريج دارالدعوه: سنن ابن ماجه/الجهاد ٥ (٢٧٦٢)، (تحفة الأشراف: ٤٨٩٧)، وقد أخرجه: سنن الدارمى/الجهاد ٢٦ (٢٤٦٢) (حسن) سنن ابوداؤد ٢٥٠٣

کیا آپ کی پارلیمنٹ، عدلیہ اور حکومتی مشینری فوج کو روک سکتی ہے کہ وہ معدنیات کی لوٹ مار سے باز آجائے؟ ایک لمحے کو فرض کیجیے یہاں مجاہدین نہیں ہیں نہ ہی کوئی جنگ ہے۔ کیا اس صورت میں بھی فوج باز رہے گی معدنی وسائل کی لوٹ مار سے؟

اس تنقید کا مطلب پی ٹی ایم اور ان سے منسلک افراد کی تضحیک ہر گز نہیں ہے، لیکن جب آپ فوج کے خلاف لڑنے والوں کو معاشرے میں لعن طعن کریں گے تو مقابل فریق کے پاس حق ہے کہ وہ دلیل سے اپ کے الزامات کا جواب دے۔

پر امن و غیر مسلح جدوجہد کا نظریہ بنیادی طور پر مغرب اور انہی قوتوں کا تراشیدہ ہے جو آج مسلم معاشروں میں جاری جبر، ظلم، استحصال کی ذمہ دار ہیں۔ یہ استعماری طاقتیں بخوبی جانتی ہیں کہ ان پر امن مظاہروں سے ان طاقتوں کا بال بیکا نہیں ہونے والا۔ لیکن آپ کی یہ پر امن جدوجہد کیا صرف اسی دائرے میں ہے؟ یا یہ ساتھ ساتھ اس مزاحمت کے رد کو ہی اپنی بنیاد بنا چکی ہے جو مزاحمت پاکستان میں جاری ظلم کا اصل علاج ہے؟ ان تمام افراد سے سادہ سا سوال ہے کہ اگر یہ غزہ میں ہوتے تو کیا وہاں بھی ایسے ہی نعرے لگاتے؟ کہ جو کچھ حماس کر رہی ہے اس کے پیچھے اسرائیل ہی ہے۔ ایک لمحے کو ذرا سوچیے تو صحیح کہ ایسی حرکت غزہ کی سپورٹ کرنے والے غیر مسلم بھی نہیں کر رہے ہیں اور نہ ہی غزہ کے شہری جو دن رات آگ و آہن کی بارش سہتے ہیں، بھوک پیاس برداشت کرتے ہیں لیکن یہ نہیں کہتے کہ اس ظلم کی ذمہ دار حماس ہے۔ اور اسرائیل اور حماس ایک سکے کے دو رخ ہیں۔

پاکستانی فوج کے خلاف جنگ روکنے کے لیے ایک دلیل جو پیش کی جاتی ہے وہ یہ کہ اس میں اتنا خون بہہ گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا واقعی انہیں اس خون کی قدر ہے؟ ہم آج دیکھتے ہیں کہ پشتون اور بلوچ دونوں معاشروں میں ایسے تنازعات کی بھرمار ہے جس میں تیس چالیس سال سے دشمنیاں چلتی آرہی ہیں اور فریقین کی جانب سے سینکڑوں قتل ہو چکے ہیں۔ ان نام نہاد قائدین ور ہنماؤں کو ایسی جگہوں پر بہنے والے خون کی فکر نہیں ہوتی؟ زمینوں پر ہونے والے قتل اور دشمنیوں کی تعداد ناقابل بیان ہے۔ پاکستان کی جیلیں ان واقعات میں ملوث افراد سے بھری ہوئی ہیں۔ حکومتی ایجنسیوں کی آمدن کا ایک بڑا ذریعہ لینڈ مافیا سے حاصل ہوتا ہے، جو ان قبضوں کی سرپرستی کرتے ہیں۔ یہ قائدین واقعی اگر قوم و ملت کے خیر خواہ ہیں تو یہ نعرہ کیوں نہیں لگاتے کہ اس خون خرابے اور لینڈ مافیا کے پیچھے وردی ہے؟

ملک بھر میں منشیات کے پھیلاؤ کا حال دیکھ لیں۔ افغانستان میں منشیات کی کاشت پر پابندی کے بعد پاکستانی خفیہ اداروں نے وہاں کی سابق رجیم کے اہلکاروں اور منشیات سمگلروں کو پاکستان میں پروٹوکول کے ساتھ بسایا ہے۔ یہ ایسے وقت میں ہوا جب عام مزدور پیشہ افغان شہریوں کو بچوں اور خواتین سمیت ظالمانہ طریقے سے نکالا گیا۔ لیکن منشیات سمگلر ان کی آنکھ کے تاحال تارے ہیں۔ منشیات کی کاشت سے لے کر پاکستان کے کونے کونے تک سپلائی میں خفیہ اداروں کے اہلکار ملوث ہیں۔ مخبروں، جاسوسوں، کٹھ پتلی سرداروں کو باقاعدہ ترغیب دے کر منشیات کے دھندے کی طرف لایا جاتا ہے۔ تاکہ وہ خود کو اور اپنے مسلح جتھوں اور بدمعاشوں کو ریاستی اداروں کی خدمت کے لیے طاقتور بنائیں اور ساتھ ساتھ خفیہ اداروں کو ان کا حصہ بھی دیں۔ معاشرے پر اس کے اثرات دیکھیں کہ اب کتنی بڑی تعداد میں افراد منشیات کی لت میں مبتلا ہو کر مر رہے ہیں۔ 'آئس' نامی نشے کے پھیلاؤ نے تو صورتحال مزید خراب کی ہے کہ اس کے عادی افراد کے ہاتھوں قتل معمول کی بات ہے۔ یہ رہنما و قائدین اس منشیات کی لعنت کے متعلق کیوں نہیں یہ نعرہ لگاتے کہ اس کے پیچھے وردی ہے؟

معاشرے میں جرائم کی بڑھتی سطح دیکھیں اور خود پولیس اہلکار چوری، ڈکیتی، اغوا اور منشیات سمیت ہر قسم کے جرائم میں کس پیمانے پر ملوث ہیں اور روز ایسے واقعات رپورٹ ہوتے ہیں یہ بھی سبھی کے سامنے ہیں۔

گمشدہ افراد کی تلاش میں مدد دینے سے شہرت پانے والے معروف سوشل میڈیا ایکٹوسٹ ولی اللہ معروف اپنے ساتھ ہوئے ایک واقعہ کی روداد لکھتے ہیں:

> ”میں نے میری بائک چھیننے والے مبینہ ڈکیت کے ایڈریس کے لئے پوسٹ لگائی تھی کہ ان کی فیملی سے رابطہ ہو جائے تاکہ وہ میری بائک کا اپنے بچے سے پتہ لگوائیں۔ اس کا ایڈریس پتہ چلا۔ اس کا والد ریلوے سے ریٹائرڈ ہے۔ ان کے والد کے متعلق بتایا گیا کہ بہت شریف انسان ہیں اور اپنے بیٹے سے بیزار ہیں۔ مجھے "وکان ابوهما صالحا" والی آیت یاد آئی اس لئے کمنٹ باکس سے ڈکیٹ کی فوٹو ڈیلیٹ کر دی تاکہ اس ضعیف تک بات نا جائے وہ مزید پریشان ہو جائیں گے۔ جو معلومات ملتی رہیں انہوں نے میرے چودہ طبق روشن کر دیے۔ ملنے والی معلومات کچھ یوں ہیں:
>
> یہ مبینہ ڈکیٹ تیسری بار جیل کی ہوا کھانے گیا ہے۔ موصوف پولیس اہلکار تھا۔ محافظ کی صف میں چور شامل ہوا تھا۔ بچپن سے چوری کی صلاحیت سے مالا مال تھا۔ کسی بچے کو اس کے گھر سے امی کا سونا لا کر دینے پر اکسایا تھا، وہ بچہ گھر سے زیورات لا کر اسے دے گیا تھا۔ اور یہ وہ سونا لے جا کر فروخت کر کے کئی روز گم ہو کر پیسے اڑا کر آیا تھا۔ جب جوان ہوا ہوش سنبھالا تو کزن کو گن پوائنٹ پر زیادتی کا نشانہ بنایا۔ جیل گیا، پولیس کی نوکری سے معطل ہوا۔ باہر آکر پھر نوکری پر بحال ہوا اور دوسری بار ڈکیتی میں پکڑا گیا۔ گرفتار ہوا، نوکری سے پھر معطل ہوا، باہر نکلا اور پھر نوکری پر بحال ہوا۔ یہ چار سے پانچ لڑکوں کی ٹیم ہے اور خیر سے تمام لڑکے پولیس کے اہلکار ہیں۔ ایک سال قبل ڈکیتی میں کسی کو گولی مار کر زخمی کیا تھا اور پکڑے گئے تھے۔ ان کی ٹیم کا ایک لڑکا جو پولیس کا تھا، وہ موقع سے فرار ہو گیا تھا، اپنے ادارے کو مطلوب

تھا۔ گھر والوں نے اسے بیرون ملک بھیج دیا۔ در اصل انہوں نے اپنی حفاظت کے لئے اس ادارے کا انتخاب کیا ہے۔ ان کی ٹیم کے لڑکے اپنے محکمے کے ساتھ معطل معطل بحال بحال والی گیم کھیلتے ہیں۔ جیل جاتے ہیں تو ریسٹ کے لئے جاتے ہیں۔"

یہ معاملہ ملک بھر میں صرف چوری ڈکیتیوں تک محدود نہیں۔ کہیں اہلکار خود ملوث ہیں تو کہیں ادارے ایسے افراد کو استعمال کرتے ہیں۔ بلوچستان اور خیبر پختونخواہ میں تو اسے مکمل اداراتی پالیسی کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔ نوجوان بے روزگار لڑکوں کو اٹھایا جاتا ہے، جن کے متعلق انہیں سو فیصد کنفرم بھی ہوتا ہے کہ ان کا کسی عسکری تنظیم سے کوئی تعلق نہیں، لیکن یہ انہیں زبردستی بلیک میل کرتے ہیں، ان کی رہائی کے لیے یا تو اہل خانہ سے تیس چالیس لاکھ مانگے جاتے ہیں، جو نہیں دے سکتے تو ان لڑکوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ خفیہ اداروں کے لیے جاسوسی بھی کریں اور ساتھ بھتہ خوری، اور دیگر جرائم پیشہ گروہوں سے بھی منسلک ہو کر کام کریں۔

بھتہ خوری کو تو اتنے بڑے پیمانے پر اس سسٹم کا حصہ بنا دیا گیا ہے کہ اب فیکٹری مالکان کو انکے اہل خانہ کی تمام تفصیلات بھیج کر بتایا جاتا ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ کے بچے بچیاں کہاں پڑھتے ہیں آپ کے کہاں کہاں بینک اکاونٹس ہیں اور کتنی آمدن ہے۔ ان میں ملوث جرائم پیشہ افراد کو ٹشو پیپر کی طرح استعمال کیا جاتا ہے اور پھر ضرورت پڑنے پر راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ ایک عام شہری، ایک عام کاروباری فرد، تاجر، دکان دار، ان افراد اور گروہوں کو خوب اچھی طرح پہچانتا ہے اور سب کو سمجھ ہے کہ ریاستی ادارے ان افراد کی پیٹھ پر موجود ہیں اور یہ مکمل طور پر ان کے ساتھ ملوث ہیں۔ آج ملک بھر میں سویلینز کے کاروبار کی مخدوش صورتحال میں ایک بڑا فیکٹر اسی لوٹ مار اور بھتہ خوری کا ہے۔ خود سوچیے آخر ایسا کیا مسئلہ ہے کہ لوگ تیس چالیس لاکھ ایجنٹوں کو دے کر یورپ جانے کے لیے سمندر میں ڈوب کر مرنے کو تیار ہیں۔ اگر اس ملک میں کاروبار آسان ہوتا تو وہ اس رقم سے کچھ کر سکتے تھے۔ میرا سوال ان تمام رہنماؤں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے فوج کی اس معاشی دہشت گردی کو روکنے کے لیے اب تک کیا کیا ہے؟ یہاں کیوں نہیں یہ نعرہ لگاتے کہ اس کے پیچھے وردی ہے؟ اس لئے کہ یہ نعرہ بکتا نہیں؟ اور کیا اس معاشی دہشت گردی کے سبب پیدا ہونے والی معاشی بدحالی اور لوگوں کی اجتماعی خودکشیوں پر آپ کا دل کیا واقعی تڑپتا بھی ہے؟ شاید نہیں! کیونکہ اگر آپ کو احساس ہوتا تو اپ اس معاشی دہشت گردی کے پیچھے موجود وردی کو ضرور دیکھتے۔ یا شاید آپ دیکھتے تو ہیں لیکن یہ بھی جانتے ہیں کہ فوج یہاں آپ کا بولنا برداشت نہیں کرے گی کہ اس معاشی دہشت گردی کے پیچھے وردی ہے۔ چمن میں ایک شخص بارڈر بندش کے سبب معاشی حالات سے تنگ آکر خود کو آگ لگالیتا ہے۔ یہ تو آپ بخوشی برداشت کرتے ہیں، نظر انداز کرتے ہیں لیکن یہی شخص اگر اپنے اور پوری قوم کی معاشی حالت کی ذمہ دار پاکستانی فوج سے ٹکراتا ہے تو آپ کہیں گے اس کے پیچھے وردی ہے؟

اسد علی طور، ابصار عالم، عاشر عظیم سمیت دیگر کئی صحافی ایسے لاتعداد کیسز منظر عام پر لا چکے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خفیہ ادارے ملک بھر میں جسم فروشی کے مراکز، مساج سینٹر، شراب خانے چلانے کے ساتھ ہائی کلاس رہائشی علاقوں میں ایسی پارٹیاں ارینج کرتے ہیں جن کا مقصد وہاں آنے والے بیوروکریٹس، ججز، صحافیوں، ممبران قومی وصوبائی اسمبلی، سینیٹرز اور اہم کاروباری شخصیات کو ٹریپ کر کے اپنے مفادات کا وفادار بنانا ہوتا ہے۔ یہ کام ایجنسیاں اتنے بڑے پیمانے پر کر رہی ہیں کہ ان جگہوں کی ڈیمانڈ پورا کرنے کے لیے سکولوں کالجوں کی طالبات کو، اور روزگار کی متلاشی خواتین کو کبھی نشے میں لگا کر یا کبھی کسی اور ہتھکنڈے سے جسم فروشی کی طرف لایا جاتا ہے۔ یہ گندگی صرف ہائی کلاس ایریا تک ہی نہیں رہی بلکہ اب مڈل کلاس اور لوئر کلاس کچی آبادیوں تک پہنچ چکی ہے۔ جس میں خفیہ اہلکار، پولیس اور جرائم پیشہ لوگ سب ملوث ہیں۔ یہ گندگی کسی خودرو جھاڑی کی طرح نہیں اگی بلکہ سکیورٹی اداروں نے اسے تحفظ دے رکھا ہے اور وہ خود بھی پوری طرح ملوث ہیں۔ کیا کسی بھی صاحب ایمان شخص کے لیے یہ بات قابل برداشت ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے گلی محلوں میں یہ گندگی، غلاظت اور بے حیائی برداشت کرے اور آنکھیں بند کیے رکھے۔ لیکن آج یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ کوئی ذرا ان سے الجھنے کی کوشش تو کرے تو اسے خوب معلوم ہو جائے گا کہ ان کی سرپرستی کون کرتا ہے اور پھر کیسے آپ کو عبرت کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

یہاں ہم نے چند برائیوں اور معاشرتی مسائل کا ذکر کیا ورنہ انہیں بیان کرنے کے لیے کتابوں کے دفتر کم ہونگے۔ غرض پاکستانی معاشرے کی کوئی خرابی، برائی ایسی نہیں ہے جس کی جڑیں پاکستانی فوج کے پیٹ تک نہ پہنچتی ہوں۔ یہ ہر برائی اور مسئلے کو اپنے مفادات اور کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اور انہی عوامل نے پاکستانی قوم کو ایسی ذلت آمیز زندگی سے دوچار کیا ہے جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ پاکستان کی سیکولر ولبرل جماعتوں اور طبقات سے تو ہمیں امید نہیں کہ وہ ان مسائل پر کھل کر فوج کو لکاریں اور ان کو لگام ڈالنے کی بات کریں۔ لیکن مذہبی طبقے کو کیا ہوا ہے؟ وہ کیوں اس تمام فساد کے سامنے خاموش تماشائی ہے؟ ایک بنیادی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مذہبی سیاسی جماعتوں کی ایک بڑی کمزوری مدارس کا دفاع ہے۔ مذہبی شخصیات اگر کسی ایسی برائی اور خرابی پر بولیں جس کی ذمہ دار فوج ہے تو فوج کا پہلا اور آخری وار مدارس کے خلاف ہی ہوتا ہے۔ بلکہ بہت سے ایشوز میں جہاں دوسرے عام افراد کی بات اور تنقید کو تو برداشت کر لیا جاتا ہے لیکن وہی تنقید یا بات کوئی مذہبی شخصیت کرے تو اسے سبق سکھایا جاتا ہے۔ اس دوغلی پالیسی کا مقصد فوج کا اسلام پسندوں کو پاکستان کے مسائل سے یکسر لاتعلق رکھنے کی کوشش کرنا ہے۔ جس طرح فرعون کو یقین تھا کہ کوئی بچہ بڑا ہو کر اس کی سلطنت کے خاتمے کا سبب بنے گا، اسی طرح پاکستانی فوج بھی بخوبی جانتی ہے کہ انکے ظالمانہ قبضے کو اگر کسی سے حقیقی خطرہ ہے تو وہ انہی خاک نشینوں سے ہے جو اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹانے کو تیار ہیں۔

☆☆☆☆☆

خوشامد نہیں آرٹ

محمد حنیف

خدارا اسے خوشامد مت کہیں۔ بہتر ہو گا کہ اسے سفارت کاری بھی نہ کہا جائے۔ شہباز شریف نے شرم الشیخ میں ساڑھے پانچ منٹ میں جو کر دکھایا وہ ایک فن پارہ تھا۔

اُسے بچے سکولوں میں دیکھا کریں گے، وہ سرکاری افسران کے ٹریننگ سکولوں میں سلیبس میں شامل ہو گا، آرٹ گیلریز میں نمائش ہو گی، شادیوں پر ڈی جے مائی فیورٹ فیلڈ مارشل والے جملے کو میوزک پر سیٹ کریں گے اور مست ماحول بنا دیں گے۔

اگر آپ کا خیال ہے کہ میں مبالغہ آرائی کر رہا ہوں تو دوبارہ سوچیں کہ مبالغہ آرائی وہ کر رہے تھے یا میں۔

اگر یقین نہیں آتا تو شہباز شریف اور ٹرمپ والی ویڈیو دوبارہ دیکھیں۔ میں نے ریوائنڈ کر کے دیکھی، آواز بند کر کے دیکھی، پھر ایک گیارہ سالہ بچے کو دکھائی۔ وہ بھی مبہوت ہو کر سُنتا رہا، کبھی میری طرف دیکھے کبھی شہباز شریف اور صدر ٹرمپ کی جوڑی کی طرف دیکھے اور حیرت کے ساتھ سر ہلاتا جائے۔

یہ ہوتا ہے فن، اسے کہتے ہیں فنکار۔

بند کمروں میں ہر کوئی چھوٹی چھوٹی خوشامد کر لیتا ہے، پبلک فورم پر نپے تلے انداز میں سپاس نامے پیش کیے جاتے ہیں لیکن فنکار کا اصلی امتحان اُسی وقت ہوتا ہے جب سٹیج بڑا ہو اور سُر سنگیت کو سمجھنے والے سامنے بیٹھے ہوں۔

غزہ میں دو سال کی خون آشام تباہی کے بعد صدر ٹرمپ امن معاہدے کا میلہ سجاتے ہیں اور دُنیا میں مسئلہ کوئی بھی ہو صدر ٹرمپ اُس کا حل ایسے ہی ڈھونڈتے ہیں کہ ہر چیز اُن کی ذات کے گرد گھومے جیسے آج میرے منّے کی سالگرہ ہے۔

شرم الشیخ میں بادشاہ بیٹھے ہیں، شہزادے، ترکی کے مردِ آہن، مصر کے ڈکٹیٹر، برطانیہ، فرانس، اٹلی کے منتخب حکمران لیکن اس دربار میں اُن کو کوئی نہیں بھاتا۔ وہ پہلے اپنے فیورٹ فیلڈ مارشل کو یاد کرتے ہیں اور پھر ہمارے وزیرِ اعظم سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ جو خوبصورت باتیں تم نے مجھ سے پہلے کی تھیں اب ذرا دوبارہ سُناؤ۔

اگر یہ سین کسی فلم میں ہوتا تو یہاں پر وائلن بجنے لگتے، گلاب کے پھولوں کی ڈالیاں ایک دوسرے کی طرف جھکنے لگتیں۔

راز و نیاز کی باتیں پھر بھری محفل میں کہنے پر شاید محبوب شرما جاتا لیکن شہباز شریف بڑے اعتماد کے ساتھ مائیک پر آئے، سلام علیکم اور گُڈ ایوننگ کے بعد ادھر اُدھر دیکھ کر ایک آدھ برادر لیڈر کا نام لیا لیکن ۳۰ سیکنڈ میں ہی جان گئے کہ صاحب کا موڈ کیا ہے اور آغاز ہی اپنے نوبیل پیس پرائز والے آئٹم نمبر سے کیا۔

تالیاں بجیں، پھر سامعین میں بیٹھے اپنے برادر لیڈروں کو دیکھا اُن کا نام لیا، آپ نے نوٹ کیا ہو گا جیسے ہی انھوں نے دو تین نام لیے صدر ٹرمپ کا چہرہ تھوڑا اُتر نا شروع ہوا۔

صدر ٹرمپ اُن کے پیچھے کھڑے تھے لیکن بڑے فنکار کے سر کے پیچھے بھی ایک آنکھ ہوتی ہے، شہباز شریف برادر لیڈروں کے نام بھول کر پلٹے صدر ٹرمپ کو مسیحا ثابت کرنے والے مردوں کی طرف، اس دفعہ تان لمبی لگائی، سات نہیں آٹھ جنگیں، لاکھوں لوگوں کی زندگیاں انڈیا پاکستان میں بچائیں، لاکھوں زندگیاں مشرقِ وسطیٰ میں۔

پتہ نہیں آپ نے کیسے داد دی میرے اندر سے کراچی والا بول پڑا کہ ابے بس کر رُلائے گا کیا۔

لیکن سچا فنکار اپنی فنکاری سے خود کبھی متاثر نہیں ہوتا۔ اس لیے شہباز شریف رُکے نہیں اور ایک اونچا لیکن باریک سُر لگایا۔ انڈیا پاکستان کی جنگ، دو نیوکلیئر پاور اگر صدر ٹرمپ نہ رکواتے تو شاید کوئی بھی نہ بچتا۔ ہر امریکی اپنے آپ کو تھوڑا بہت سُپر ہیرو سمجھتا ہے اور صدر ٹرمپ نے تو پوری دُنیا کو تباہی سے بچا لیا۔

بڑے دربار میں قصیدہ پڑھنا ایک پرانی روایت ہے، اختتام اس کا دعائیہ ہوتا ہے۔ غالب اپنے بادشاہ سے وظیفہ بڑھوانے کی کوشش میں فرما گئے تھے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

شہباز شریف غالب کو بھی مات دے گئے اور صدر ٹرمپ کی فار ایور تا ابد رہنمائی کی دعا کر گئے۔

اُس کے بعد جب ٹرمپ نے کہا کہ مجھے اتنی اُمید نہیں تھی اور اب کہنے کو کیا رہ گیا ہے، گھر چلتے ہیں تو مجھے خدشہ ہوا کہ وہ شہباز شریف کو بھی ساتھ اپنے گھر لے کر جا رہے ہیں تا کہ اُن کی باتیں خاتونِ اوّل کو بھی سُنوا سکیں۔

لیکن شہباز شریف کو لوٹ کر گھر آنا تھا، سو آ گئے کیونکہ صدر ٹرمپ کے فیورٹ فیلڈ مارشل تو گھر ہی بیٹھے تھے۔

[یہ مضمون ایک معاصر آن لائن جریدے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)

☆☆☆☆☆

وقت قریب آرہا ہے!

محمد طارق ڈار شوپیانی

ہم ۲۰۲۵ عیسوی میں سانس لے رہے ہیں، اسلامی قمری کیلنڈر کے مطابق سنہ ۱۴۴۷ ہجری میں۔ فتنوں کا دور ہے، کفر کی قوتیں ایک لڑی میں پروئی جا چکی ہیں، جبکہ مسلمانوں کی قلیل و پراگندہ جماعتیں ہر محاذ پر تن تنہا نبرد آزما ہیں۔ معروف فلسطینی قلم کار جناب ادھم شرقاوی نے بہت خوب لکھا ہے:

> ”اے نوجوان! سنو میری بات، زمین ایک بڑے فیصلے کی تیاری میں ہے، تنور دہک چکا ہے تم واقعات کی رفتار دیکھو گے، خون کی خوشبو محسوس کرو گے، چاہے تم آنکھیں چرالو۔ اور یاد رکھو ’غالب تو صرف اللہ ہے‘۔“

کشمیر میں موجود معزز مناصرین بھائیو! یہ تحریر نہیں، آپ کی جانب، آپ کے اس بندۂ فقیر کا مکتوب ہے، جس کربِ دل سے میں یہ لکھ رہا ہوں، امید کرتا ہوں آپ پر بھی یہی احساس اُس شدت سے طاری ہو گا۔

حالات سے ہم سب واقف ہیں، کوئی بے خبر نہیں۔ کفار ایک ایک کرکے اپنے ہر حربے کو بروئے کار لاتے ہوئے ہم پر دن بن دن اپنی گرفت مضبوط تر کرتے جا رہے ہیں۔ کچھ حربوں اور ہتھکنڈوں کا ذکر میں نے اپنی کچھ گزشتہ تحریروں میں کیا، امید ہے آپ نے بغور مطالعہ کیا ہو گا۔ گزشتہ چند سالوں میں ہمارے سینکڑوں بھائیوں نے شہادت کا جام نوش کیا، ہزاروں بھائی ہندوستان کی مختلف جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں، سینکڑوں املاک کو سر بمہر (Seal) کر دیا گیا اور کئی درجن گھروں کو مکمل طور پر زمین بوس کر دیا گیا۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ○ وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَيَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡكٰذِبِيۡنَ○
>
> (سورۃ العنکبوت: ۲،۳)

> ”کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور اُنہیں آزمایا نہیں جائے گا؟ اور یقیناً ہم نے اُن لوگوں کو بھی آزمایا جو اُن سے پہلے گزر چکے، تاکہ اللہ ظاہر کر دے کون سچے ہیں اور کون جھوٹے۔“

کیا آپ یہ گمان کر بیٹھے تھے کہ آزمائشیں نہیں آئیں گی؟ کیا راہِ حق پر چلنا اتنا آسان ہے؟ ہرگز نہیں! یہ صعوبتوں اور کٹھن آزمائشوں کا راستہ ہے، جہاں اپنے بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، جہاں کوئی ہم رکاب نہیں ہوتا۔ محض زبان سے اقرار کر لینا کبھی کافی نہیں ہوتا۔ حقیقی عزم تو تب آشکار ہوتا ہے، جب آزمائش کا وقت آن پہنچے، جب جان پر بن آتی ہے، جب مال کی قربانی کا وقت ہو، جب اپنے عزیزوں پر آنچ آتی ہے۔

آج جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں، وہ دراصل ہمارے عزم کا امتحان ہیں، جو اپنے عہد پر قائم رہے گا اور ان مصائب سے سرخرو ہو کر نکلے گا، اس کے لیے اللہ کے عظیم وعدے یقیناً سچے ثابت ہوں گے۔ جیسے سونا آگ میں جل کر ہی اپنی حقیقی تابانی ظاہر کرتا ہے، اور لوہا بھٹی کی تپش سے گزر کر ہی مضبوطی پاتا ہے، اسی طرح مشکلات کے دور میں ثابت قدم رہنا ہی سچے مومن، راسخ موحد، اور پختہ مناصر کی پہچان ہے۔ ہم اپنی جانوں کے ذریعے، اپنے مال کے ذریعے، اور اپنے عزیز و اقارب کے ذریعے آزمائے جائیں گے مگر ہمیں ڈٹ جانا ہے، خون کے آخری قطرے تک، مال کے آخری سکے تک۔

ظالم کا تو کام ہی ستم ڈھانا ہے، آخر کب ہم نے ان سے کسی اور طرزِ عمل کی امید رکھی؟ ہر سو خوف و ہراس کا عالم ہے، ناامیدی اور مایوسی نے ہمارے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے، کیا ہم اللہ کے ان وعدوں کو فراموش کر بیٹھے ہیں جن پر بھروسہ کرتے ہوئے ہم نے منہجِ شریعت یا شہادت پر لبیک کہا تھا؟ جنگ کی نوبتیں بدلتی رہتی ہیں، نشیب و فراز آتے ہیں، مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم اس راہ سے کنارہ کشی اختیار کر لیں۔

میرے عزیز مناصرین بھائیو! اپنا اپنا محاسبہ کریں، کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ جان کے خوف سے، یا مال کے نقصان کے اندیشے سے اس راہِ حق سے کنارہ کشی اختیار کر رہے ہوں؟ کیا آپ آزمائشوں کے اس کٹھن وقت میں ثابت قدم ہیں؟ یا اس راہِ عزیمت سے اپنی راہیں جدا کر چکے ہیں؟

وقت قلیل ہے اور ہمارے فرائض بے پناہ۔ آپ سب اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ جہادِ کشمیر کبھی خاطر خواہ منظم اور مستحکم نہ ہو سکا، کبھی مشرکوں کے بڑھتے ہوئے مظالم، تو کبھی منافقین کی ریشہ دوانیوں نے اس تحریک کو ریت میں دھکیلنے کی سعی کی۔ آپ ان عظیم مجاہدین کے شاگرد اور وارث ہیں جنہوں نے اس جہاد کو مضبوط، آزاد اور خالصتاً فی سبیل اللہ بنانے کی تمنا کی۔ آپ کے کاندھوں پر ایک عظیم ذمہ داری ہے، بھلا آپ کیسے اپنی آنکھوں کے سامنے اس جہاد کو مٹتا ہوا دیکھ سکتے ہیں؟

اپنے ایمان کو زندہ کیجیے، اپنی غیرتِ ایمانی کو بیدار کیجیے، اور پھر اسی جذبے اور حوصلے سے سرشار ہو کر اٹھ کھڑے ہوں۔ ایک مضبوط بنیاد از سرِ نو اسی وقت تعمیر ہو سکے گی جب آپ از سرِ نو پختہ عزم کے ساتھ کھڑے ہوں گے

آخر کب سے مایوسی اور ناامیدی اس امت کا شیوہ بن گئی؟ ہم تو وہ قوم ہیں جن کی آمد سے کفر کی بنیادیں لرز اٹھتی ہیں، اللہ کے وعدوں پر کامل یقین رکھیے۔

یاد رکھیں جب سب راستے بند ہوں، اللہ راستہ کھول دیتا ہے۔ توکل اور یقین کے ساتھ قدم بڑھائے جائیں تو مدد آسمان سے اترتی ہے، وقتی ہار، آنے والی فتح کی تیاری ہوتی ہے، اللہ تاخیر کرتا ہے، مگر انکار نہیں کرتا۔

پھر بھلا ہم کس بنا پر مایوسی کا شکار ہوں؟ کس لیے ناامیدی کے بادل ہم پر چھائے رہیں؟ یقین رکھیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور فتح انہی کی ہے جو ایمان والے ہوں، ثابت قدم ہوں۔ ہمیں اللہ کی وعدوں پر کامل یقین کرتے ہوئے اپنی تیاریوں کو جاری رکھنا ہے۔ کامیابی ہماری منتظر ہے، بس ہمیں اپنی ہمتوں کو مجتمع کرنا ہے اور میدان عمل میں اترنا ہے، ہماری کوششیں رائیگاں نہیں جائے گی، ان شاء اللہ!

اپنے دلوں میں احیائے اسلام کی شمع روشن کریں، رگوں میں دشمن سے انتقام لینے کا خون دوڑائیں، اسلام کے پاکیزہ بیج کو اپنے خون سے سیراب کیجیے، محض ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ کر تبصرے کرنا کوئی ثمر نہیں دے گا، نشاۃِ ثانیہ کے لیے ٹھوس عملی اقدامات ناگزیر ہیں۔

اپنی قوت کو یوں ضائع نہ کیجیے، اور وقت کی امانت میں خیانت کا مرتکب نہ ہوں۔ آپ اس ملت کے نوجوان ہیں، اس کے مستقبل کے معمار ہیں، کس طرح آپ خود کو غیر ضروری مشاغل میں الجھا سکتے ہیں، جب کہ یہ ملت زبوں حالی کے تاریک دور سے گزر رہی ہے؟ اے میرے عزیز بھائیو! میں چند گزارشات پیش کرتا ہوں، ان پر گہرائی سے غور فرمائیے گا، اور اگر انہیں صحیح پائیں تو ان پر لازمی عمل کریں۔

علم کا حصول

میرے پیارے بھائیو، علم کا حصول آپ کی دعوت کی تاثیر کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک داعی کی بات تب مؤثر ہوتی ہے جب وہ علم پر مبنی ہو، روزانہ قرآن کی تلاوت کو اپنی عادات میں شامل کریں اور اس کی تفسیر کا عمیق مطالعہ کریں۔ احادیث کی روشنی میں اپنی علم کو مستحکم کریں اور سیرتِ نبی اور سیرتِ صحابہ کا عین مطالعہ کریں، تاریخِ اسلام اور کشمیر کی تاریخ پر بھی گہری نظر ڈالیں، کیونکہ ایک داعی کو اس جگہ کی ثقافت، تاریخ، اور روایات کا خوب علم ہونا چاہیے جہاں وہ اپنی دعوت پیش کر رہا ہے۔ مشائخ کے بیان سنیے، خصوصاً استاد احمد فاروق، مولانا عاصم عمر و دیگر قائدین کے دروس سے استفادہ کریں، علم کا یہ سفر آپ کو ایک بہتر داعی بنانے میں مدد دے گا، اور آپ کی دعوت کو ایک نئی قوت عطا کرے گا۔

جسمانی طور پر مضبوط بنیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ."

"طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر اور اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے، اگرچہ دونوں میں بھلائی ہے۔"

ایک مومن کی جسمانی طاقت اس کی دین کی خدمت بالخصوص جہادی امور میں اضافہ کرتی ہے۔ اس لیے روزانہ دوڑنے کی مشق کریں، ورزش کو اپنی روزمرہ کی روٹین بنائیں اور اپنے جسم کو مضبوطی کے ساتھ تیار کریں، صحت مند غذا کا انتخاب کریں، بہترین نیند لیں، یہ سب چیزیں آپ کو نہ صرف جسمانی طور پر قوی بنائیں گی بلکہ آپ کی ذہنی اور روحانی قوت میں بھی اضافہ کریں گی اور آپ کو محاذ کے لئے تیار کریں گی۔

معتدل مزاج

آپ ایک اہم فرض کی راہ پر گامزن ہیں، اور آپ کے لیے یہ ناقابلِ قبول ہونا چاہیے کہ آپ چھوٹے مسائل میں الجھ کر اپنی قیمتی توانائیاں ضائع کریں یا پارٹی بازی کے بیج بوئیں۔ جب خشک سالی کا سامنا ہو تو قوم کو تیر اکی سکھانے کا کیا جواز ہے؟ عقلمند انسان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ خشکی میں پانی کے ذرائع کو بحال کرے، اسی طرح، آپ کو بھی اپنی اصل ذمہ داری پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے، دوسری جماعتوں پر بلاوجہ تنقید کرنا آپ کی فطرت کے خلاف ہے۔

ہم سب بھائی ہیں، چاہے ہم میں کچھ خامیاں ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو دور فرمائے۔ یہاں موجود ہر مجاہد مخلص ہے اور عزت و احترام کا حق دار ہے، کوتاہیوں کا صحیح علاج دعوت و اصلاح کے ذریعے ہی ہوتا ہے، نہ کہ کیچڑ اچھالنے یا دوسروں کی پگڑی اچھالنے سے، ہمیں ایک دوسرے کے تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے اور محبت و بھائی چارے کے ذریعے اختلافات کو ختم کرنا چاہیے۔

درسگاہیں قائم کریں

اپنے محلے اور گاؤں میں درسگاہیں قائم کریں، اور بچوں کی تربیت پر زور دیں، انہیں قرآن، حدیث، سیرت اور تاریخ کے درس دیں، تاکہ وہ اپنے ماضی سے روشناس ہو سکیں، باطل نظریات ہماری آنے والی نسلوں کو مادیات اور فحش چیزوں کی طرف دھکیل رہے ہیں، اور اس کا مقابلہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ ہمیں چاہیے کہ انتہائی حکمت کے ساتھ ان میں جہادی روح پھونکیں، تاکہ آنے والی نسل ایمان پر قائم رہے اور ظلم و جور کے خلاف ڈٹی رہے۔

دفاعی حکمت عملی کا نفاذ

انٹرنیٹ پر محفوظ رہنے کے طریقے سیکھیں اور ایجنسیوں کی نظر سے دور رہنے کی حکمت عملی اپنائیں۔ محلے میں ایسی شناخت مت بنائیں کہ لوگ آپ پر شک و شبہ کا اظہار کریں۔

غیر جانبداری اور احتیاط سے کام لیں، ہر کسی پر اندھا بھروسہ نہ کریں، اپنے ذاتی راز کبھی کسی کے ساتھ شریک نہ کریں، ایسے لوگوں سے جو اپنے متعلق کسی جہادی تنظیم سے وابستہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ان سے محتاط رہیں، ہمیشہ اُن کے دعووں کے ثبوت طلب کریں اور کوشش کریں کہ مرکزی قیادت سے براہ راست روابط قائم کریں۔

اپنی معلومات کی حفاظت کے لیے ہمیشہ محتاط رہیں اور دوسروں کی رائے کو جانچتے رہیں۔ اس طرح آپ نہ صرف اپنی سیکیورٹی کو بہتر بنائیں گے بلکہ اپنے مقاصد کی کامیابی کے لیے بھی ایک مضبوط بنیاد قائم کریں گے۔

گوریلا جنگ کی مہارتیں سیکھیں اور تیاری کریں

- کیموفلاج، نیوی گیشن، خوراک اکٹھا کرنا، پناہ گاہ بنانا، مقابلے کی مہارتیں، نشانہ بازی، آئی ای ڈیز، چھاپے، جاسوسی کی مہارتیں، معلومات جمع کرنا، اور دشمن کی نقل و حرکت کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا۔
- ٹیلی کمیونی کیشن کے ذرائع، سائبر سیکیورٹی، اور جدید مواصلاتی ٹیکنالوجیز کا استعمال۔

ہر حال میں احتیاطی تدابیر اپناتے ہوئے، اپنے آپ کو آنے والی جنگ کے لیے مکمل طور پر تیار کریں، وقت قریب آرہا ہے، اور آپ کی تیاری ہی آپ کی کامیابی کی بنیاد ہوگی۔

ایمان پر قائم رہیں، اس راہ پر ثابت قدمی دکھائیں، ہمیں تیاریاں کرنی ہیں، کیونکہ فتح کا وعدہ اللہ تعالیٰ کر چکے، اللہ تعالیٰ میں فرماتے ہیں:

وَّاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ (سورة الصف:۱۳)

”اور ایک اور چیز جسے تم پسند کرتے ہو، اللہ کی طرف سے مدد اور قریب کی فتح، اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دو۔“

پس، اے میرے بھائیو! یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ آپ کی جان، آپ کا مال، اور آپ کی ہر چیز اللہ کی امانت ہے، کبھی بھی اس کی خیانت نہ کریں۔ جان و مال کی محبت میں اس راہ سے فرار کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد میں عزت رکھی ہے، اور جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے، وہ ذلت و رسوائی کا شکار ہو جاتی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ حالات خراب ہیں، لیکن ہمیں ثابت قدم رہنا ہے، ان فتنوں میں اجنبی بن کر، چاہے لوگ ہمیں مجنون سمجھیں یا کچھ اور، ہمیں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے بے لوث کوششیں کرنی ہیں، تاکہ ہم کل جنت میں سر اٹھا کر اپنے شہید بھائیوں کے مہمان بن سکیں۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

آخر میں ایک شعر کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں، شاعر نے خوبصورتی سے کہا ہے:

وہ آندھیاں، جو کسی دَشت سے اُٹھیں گی کبھی
نہ جانے کون سے لمحے کے اِنتظار میں ہیں
کہ خاک و خَس سے اَٹا جا رہا ہے شہر کا جسم

☆☆☆☆☆

دنیا طلبی کا بحران

”اس مغربی تہذیب و اقتدار کے دور میں دنیا طلبی اور شکم پُری کا جو طوفان آیا ہے، اس کے لیے بحران و ہذیان سے کم الفاظ کفایت نہیں کرتے، مال و دولت کی ایک نہ مٹنے والی بھوک اور ایک نہ بجھنے والی پیاس ہے، جس کو جوع البقر کہیے یا استسقا کا مرض، ہر طرف ”ھل من مّزید“ کی صدا بلند ہے، زندگی کی ہَوَس اتنی بڑھ گئی ہے، اور معیار اتنا بلند ہو گیا ہے کہ مسافرِ طمع کو کسی منزل پر قرار اور طائرِ حرص کا کسی بام بلند پر بھی آشیانہ نہیں، دولت اور عزت و جاہ کی کوئی بڑی سی بڑی مقدار اور اونچی سی اونچی سطح تشفی کے لیے کافی نہیں۔

مغربی تہذیب و اقتدار کے اس دور میں در حقیقت نہ علم کا حقیقی ذوق ہے نہ دین کا، نہ کوئی اور ذوقِ لطیف کام کر رہا ہے، بالشت بھر پیٹ نے زندگی کی ساری وُسعت گھیر لی ہے، عالم خیال میں کتابیں تصنیف کرنے والے، خوش فکر مصنّفین جو چاہیں لکھیں، عملی زندگی میں اس وقت صرف ایک قوتِ مُحرکہ اور ایک زندہ حقیقت پائی جاتی ہے اور وہ پیٹ ہے یا جیب ہے......

......کسی زمانہ کے ذوق اور رُجحانِ عام اور حقیقی مسئلۂ زندگی کا صحیح اندازہ ان کتابوں سے نہیں ہوتا جو اس زمانہ میں تصنیف کی جاتی ہیں (اگرچہ عام ذوق و رجحان کے اثرات سے کتابیں بھی محفوظ نہیں ہوتیں اور وہ کئی پردوں سے بھی جھلکتا ہے) لیکن بعض اوقات یہ مصنّفین اپنے انفرادی ذوق یا قوم کی کسی مختصر جماعت کے رجحان کے نمائندے ہوتے ہیں، اور بعض اوقات واقعات کے بجائے اپنی خواہشات کو واقعات کے طور پر پیش کرتے ہیں، زمانہ کے ذوق اور رجحان کا حقیقی اندازہ روز مرّہ کی زندگی، بے تکلف گفتگو، مجالس کے موضوعِ سُخن اور لوگوں سے ملنے کے بعد ہوتا ہے بقول اکبر مرحوم

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے“

(مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی عِلِیْہِ الرَّحْمَۃ)

ہم پر ہماری مائیں روئیں اگر ہم آپ ﷺ کا دفاع نہ کریں!

ہندوستان میں 'I Love Muhammad' کی مہم کے تناظر میں گستاخیوں کی بابت

معین الدین شامی

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله ونشهد أن محمدًا عبده و رسوله. ربِّ اشرح لي صدري ويسّر لي أمري واحلل عقدة من لساني يفقهوا قولي، أما بعد!

رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو ہم نہ ہوتے، اس کائنات میں ہدایت کا سلسلہ نہ ہوتا، سب چوپایوں کی مانند ہوتے، جنت و دوزخ کی تقسیم ہوتی تو کیونکر؟ مالک جَلَّ جَلَالُہٗ نے اپنے نام کے بعد آپؐ کا نام جوڑ دیا، کم و بیش سوا لاکھ پیغمبروں علیہم الصلاۃ والسلام کو آپ کی پہچان کروائی، آپؐ کو افضل الخلائقؐ کا امام بنایا، آپؐ ہی کو مالک جَلَّ جَلَالُہٗ نے اپنی ذات کے بعد 'بزرگ و برتر' کا رتبہ دیا، آپؐ کی خاکِ پا سدرۃ المنتہیٰ ہے، تمام انبیاءؑ یومِ حشر کو فرمائیں گے شفاعت کے لیے انؐ کے پاس جاؤ۔ پس جو آپؐ پر ایمان لایا وہ جنتی، خوش بخت، کامیاب ٹھہرا اور جس نے آپ کا انکار کیا وہ ربّ العالمین کا مبغوض و مغضوب، جہنمی، بدبخت و ناکام و نامراد ٹھہرا! اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

ہمارے سامنے ہے کہ ہندوستان میں پچھلے ایک ماہ سے محمدِ مصطفیٰ، احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی و اقدس کے بارے میں دریدہ دہنی کا سلسلہ چل رہا ہے۔ دریدہ دہنی، گستاخی بھی ایسی، ایسے خسیس الفاظ جن کو پڑھ سن کر روح تو کانپے ہی کانپے، بدن سے بے اختیار، آنسو، چیخیں اور آہیں نکل جائیں، فإنّا للہ وإنّا إلیہ راجعون!

ہندوستان میں آج محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخیوں کا جو ناپاک سلسلہ جاری ہے تو اس بابت ہم دو قسم کے مخاطبین کے سامنے دو نکات بیان کرتے ہیں:

عربی و عجمی، گورے و کالے، ہندی و حجازی ہر ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لے اور اس گستاخی کے سلسلے کو فی الفور رکوائے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرنے والوں کو قتل کریں، اس انتقام کے لیے جو چھری چاقو، جو کلہاڑا و ٹوکا میسر ہو، جو ڈنڈا و ہتھوڑا ہاتھ آئے تو استعمال کیا جائے۔ ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ گستاخوں کے سرخیلوں کا پتہ چلائیں، وہ اعلیٰ حکومتی عہدیدار اور آر ایس ایس جیسی ہندو تنظیموں کے رہنما ہمارا پہلا ہدف ہوں جو اس گستاخی کی مہم میں درپردہ و پیش پردہ پیش پیش ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ چند گستاخوں کے سر، اُن کی مُنڈیوں سے جدا ہونے کی دیر ہے اور یہ گستاخ نسل اپنے گھروں میں دبکی بیٹھی ہو گی۔ واللہ العظیم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں اگر ہم خود شہید ہو گئے، تو جس نبیؐ کا کلمہ ہم ہر ہر سانس کے ساتھ پڑھتے ہیں تو اسی نبیؐ کی خاطر مر جانے سے افضل موت کوئی نہیں! ہم تو محمد بن مسلمہ و عبد اللہ بن عتیک اور نابینا مگر سب آنکھوں والوں سے زیادہ دیکھنے والے عمیر بن عدی رضی اللہ عنہم کے وارث ہیں، ان صحابۂ کرام کے وارث جنھوں نے گستاخوں کو قتل کیا اور 'أفلحت الوجوه'، یہ چہرے ہمیشہ کامیاب رہیں کا اعزاز و اکرام پایا۔

پس ہمارے قلب و ذہن میں یہ مسئلہ واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کی خاطر گستاخوں کا قتل، اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے دین میں ایسا واضح حکم ہے جس کے متعلق خود آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا 'لا ينتطح فيها عنزان'، دو بکریاں بھی اس معاملے میں اختلاف نہ کریں گی۔[1] امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول مشہور ہے کہ 'اس امت کی بقا کا کیا جواز ہے جس کے نبی کی توہین کی جاتی ہو؟'[2]۔

پس دنیا و آخرت کی کامیابی اور اللہ اور اس کے رسول کی رضا و خوشنودی ہر اس شخص کا مقدر ہے جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرے اور آپ کے اس فرمان پر عمل کرے 'من سبّ نبياً فاقتلوه!'، جو کسی نبی کی گستاخی کرے تو اسے قتل کر دو!

ہمارے دوسرے مخاطب ہندوستان کے ہندو ہیں۔ ہر قوم میں کچھ سمجھ دار اور عقل کے ناخن رکھنے والے لوگ موجود ہوتے ہیں، ہندوستان میں بستے ہندو بھی ایسے عقل مند لوگوں سے خالی نہیں ہوں گے۔

ایسے ہی لوگوں سے ہم کہتے ہیں کہ تاریخِ عالَم شاہد ہے کہ جس نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کا جرم کیا ہے تو اسے کبھی معاف نہیں کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی پوری امتِ مسلمہ کو للکارنا ہے اور اس سے بھی قبل اللہ وحدہٗ لا شریک کے غضب کو دعوت دینا ہے۔

پس اے ہندوستان میں بستے ذی عقل ہندوؤ! اپنے بے وقوفوں کو ایسے جرائم سے روکو ورنہ جو آگ آج ہندوستان کی گلی گلی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی صورت میں لگائی جا رہی ہے اس سے بھارت سارا کا سارا جل کر راکھ ہو جائے گا۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز!

وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين وصلى الله على النبي!

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۴۷ھ بمطابق ۹ اکتوبر ۲۰۲۵ء

[1] ذكره ابن عبد البرّ بإسناد ضعيف ولكن معناه ثابت

[2] الشفاء بتعريف حقوق المصطفى صلى الله عليه وسلم

بھارت میں بڑھتی ہوئی اسلام دشمنی

اریب اطہر

اترپردیش کے شہر کانپور میں آئی لو محمد کا بینر لگانے پر مقدمات

اترپردیش کے شہر کانپور میں پولیس نے ۲۵ افراد کے خلاف صرف اس لیے مقدمہ درج کرلیا کہ انہوں نے ''آئی لو محمدؐ'' کا بینر لگایا تھا۔ بھارتی اخبار انڈیا ٹوڈے کی رپورٹ کے مطابق اترپردیش، اتراکھنڈ، تلنگانہ، اور مہاراشٹرا کے شہروں جیسے اناؤ، بریلی، کوشامبی، لکھن، مہاراج گنج، کشی پور اور حیدرآباد میں اس واقعے کے باعث ریلیاں اور گلی کوچوں میں احتجاج ہوئے، جن میں بعض مقامات پر پولیس کے ساتھ جھڑپیں بھی ہوئیں۔ یہ تنازع ۴ ستمبر کو ایک جلوس کے دوران کانپور میں شروع ہوا، جب ایک گروپ نے میلاد النبی ﷺ کے جلوس کے راستے پر I Love Muhammad کا بینر لگایا تھا، جس پر مقامی انتہاپسند ہندو گروہوں نے اعتراض کیا کہ یہ ایک نئی رسم ہے جو اس روایتی مقام پر متعارف کروائی جا رہی ہے۔ ۹ ستمبر کو کانپور پولیس نے جلوس کے دوران نئی رسم متعارف کروانے اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی خراب کرنے کے الزام میں ۲۴ افراد (۹ نامزد، ۱۵ نامعلوم) کے خلاف مقدمہ درج کیا تھا۔ مقدمے میں بینر لگانے کا ذکر شامل تھا۔

بعدازاں ۱۵ ستمبر کو آل انڈیا مجلسِ اتحاد المسلمین کے سربراہ اسدالدین اویسی نے ایک پوسٹ شیئر کی تھی جس میں انہوں نے کہا تھا کہ I Love Muhammad کہنا جرم نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں اس کے لیے کوئی بھی سزا قبول کرتا ہوں۔ انہوں نے پولیس کارروائی پر تنقید کی تھی اور کانپور پولیس کو ٹیگ کیا تھا۔ مذہبی رہنما، جیسے مولانا سفیان نظامی، جماعت رضا مصطفیٰ، اور ورلڈ صوفی فورم نے تشدد کی مذمت کی، امن اور آئینی حقوق کی پاسداری کا پیغام دیا۔ لکھنؤ میں کئی خواتین نے ریاستی اسمبلی کے سامنے 'آئی لو محمد' کا بینر اٹھا کر احتجاج کیا۔ ان خواتین کی قیادت سماج وادی پارٹی کی لیڈر اور نامور شاعر منور رانا کی بیٹی سمیہ رانا نے کی۔ سمیہ نے کہا:

> ''جب مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقاریر کی جاتی ہیں تو کوئی مقدمہ درج نہیں کیا جاتا۔ جب مسلمان اپنے آئینی حقوق کے تحت اپنے مذہبی خیالات کا اظہار کرتے ہیں تو ایف آئی آر درج کی جاتی ہے۔''

یونائیٹڈ اگینسٹ ہیٹ تنظیم سے وابستہ ندیم خان نے بی بی سی کو بتایا:

> ''ہمیں کئی جگہوں پر مسلمانوں کے خلاف پولیس کی کارروائی کی اطلاع ملی ہے۔ کانپور میں جو کچھ ہوا اس کی وجہ سے مسلمانوں میں غصہ اور ناراضی ہے لیکن یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے، حالات بتدریج اس حد تک بڑھے ہیں۔ ماہ رمضان میں مراد آباد میں گھر میں نماز پڑھنے پر اسی نوعیت کا مقدمہ درج کیا گیا، پھر کچھ لوگوں کو چھت پر نماز پڑھنے سے روک دیا گیا، اب پیغمبر اسلام کے پوسٹر پر مقدمہ درج ہوا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مسلمانوں کو چُن چُن کر نشانہ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ 'آئی لو محمد' کے بینرز کو پھاڑا گیا جس پر مسلمانوں نے درخواستیں جمع کروائیں مگر ملزمان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی بلکہ اس کے بجائے انھی کے خلاف مقدمہ درج کیا گیا۔''

کانگریس سے تعلق رکھنے والے رُکن پارلیمان عمران پرتاپ گڑھی نے سوال کیا کہ اگر پیغمبر اسلام سے محبت کے اظہار پر مقدمات درج کیے جارہے ہیں تو کیا انڈیا کے ۳۰ کروڑ مسلمانوں کے خلاف مقدمات درج کیے جائیں گے؟ کیونکہ ہر مسلمان پیغمبر اسلام سے اپنی جان سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ موصوف نے مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا کہ وہ انتظامیہ کی اجازت کے بغیر جلسے جلوس نہ نکالیں کیونکہ ایسا کرنے سے وہ قانونی طور پر مشکل میں پڑ سکتے ہیں۔

کانپور کے اس حالیہ واقعے سے مجھے اس انگریز دور کا ایک واقعہ یاد آگیا جب حکومت برطانیہ کے کارندوں نے سڑک کی توسیع کے سلسلے میں کانپور کی ایک مسجد کا وضو خانہ مسمار کر دیا۔ اس سے قبل ایک گردوارے کے لیے سڑک کا رخ تبدیل کیا گیا تھا لیکن مسجد کے معاملے میں ایسا نہیں ہوا۔ مسلمانوں نے صوبے کے گورنر سر جیمز مسٹن کے پاس درخواست جمع کروائی لیکن گورنر نے درخواست مسترد کر دی۔ ۱۳ اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمانوں نے کانپور کی مرکزی عید گاہ پر ایک جلسہ منعقد کیا جس میں عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان سب شریک ہوئے۔ جلسے کے بعد شرکاء نے مسجد کا رخ کیا اور مسمار شدہ حصے پر اینٹیں دوبارہ اپنی جگہ پر رکھنی شروع کیں۔ قانون ہاتھ میں لینے کے جرم میں پولیس نے ان پر گولیاں چلادیں۔ ایک صدی سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد بھی اس خطے میں مسلمانوں کی حالت میں فرق نہیں آسکا ہے۔

ہندو انتہاپسندوں کی جانب سے مسلمانوں اور دیگر پر حملوں کے واقعات

بھارت میں ہندو انتہاپسند تنظیمیں شہر شہر گاؤں گاؤں تربیتی پروگراموں کا انعقاد کرکے اپنے بچے بچیوں کو شروع سے ہی مسلمانوں سے نفرت اور مسلمانوں کے خاتمے کا مشن دے کر پروان چڑھا رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہندوتوا نظریہ صرف بی جے پی میں سرایت کیا ہے۔ اس کے اثرات پورے معاشرے، فورسز، بیوروکریسی سمیت تمام محکموں میں واضح نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر جگہ انتقام و نفرت کا سامنا ہے۔

جامنیر، مہاراشٹر میں گزشتہ ماہ ہندو انتہاپسند تنظیم کے ارکان کے ذریعہ ایک مسلم لڑکے کی مبینہ طور پر لنچنگ کی تحقیقات کرنے والے پولیس افسران نے اس تنظیم کے درگا ماتا مارچ

میں حصہ لیا تھا اور یہاں تک کہ اس کی قیادت بھی پیش پیش رہے۔ مسلمان آبادیوں کی مسماری ہو یا فورسز کا مسلم رہائشی علاقوں میں آپریشن ہو۔ پولیس و سیکیورٹی فورسز کے ساتھ ہندو انتہاپسند تنظیموں کے کارکنان سادہ کپڑوں میں مسلح موجود ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف مارپیٹ کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ پاکستان میں یہ کام خفیہ اہلکاروں نے سنبھالا ہوا ہے۔ کسی بھی سیاسی جماعت کے خلاف کریک ڈاؤن ہے، ساتھ میں منہ چھپائے سادہ کپڑوں میں خفیہ اہلکار موجود ہوتے ہیں جو توڑ پھوڑ کا کام سرانجام دیتے ہیں، جس کا الزام بعد میں احتجاج کرنے والوں پر ہی لگا کر مقدمات بنائے جاتے ہیں۔

بھارت میں مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں پر حملوں کے کچھ دیگر واقعات درج ذیل ہیں:

- ۸ ستمبر: مدھیا پردیش پولیس کی موجودگی میں ایک مونسپلٹی کے ڈرائیور کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔
- ۲۵ ستمبر: بھاؤنگر گجرات میں ایک مسلمان لڑکے کو بجرنگ دل کارکنان نے تشدد کا نشانہ بنا کر پولیس کے حوالے کر دیا۔
- ۲۶ ستمبر: ارریہ، بہار جوگبانی بازار میں صورتحال اس وقت کشیدہ ہوگئی جب ایک شخص کی جانب سے سوشل میڈیا پوسٹ پر ”آئی لو محمد“ کے حوالے سے توہین آمیز تبصرہ کیا گیا۔ گروپوں کے درمیان جھڑپیں شروع ہوئیں، جس میں ”تل لگاؤ ڈبر کا، نام مٹا دو بابر کا“ جیسے نعرے لگائے گئے اور دکانوں پر پتھراؤ کے واقعات ہوئے۔
- ۲۷ ستمبر: بہیال، غندی نگر، گجرات پولیس نے ۶۰ مسلم نوجوانوں کو مخالف فریق کے سامنے ہنگامہ آرائی کے الزام میں باندھ کر ذلیل کرنے کے لیے ان سے پریڈ کروائی، جہاں ہجوم نے مبینہ طور پر ”پولیس زندہ باد“ کے نعرے لگاتے ہوئے ان لڑکوں کی تذلیل کی۔ حکام نے مسلمانوں کے خلاف یک طرفہ کارروائی کی۔
- ۲۸ ستمبر: جون پور اتر پردیش میں عیسائیوں کی اتوار کے روز ہونے والی مذہبی تقریب پر بجرنگ دل کے غنڈوں کی طرف سے دھاوا بول دیا گیا۔
- ۳۰ ستمبر: بریلی، اتر پردیش میں حکام نے اتحاد ملت کونسل (آئی ایم سی) کے صدر عالم دین مولانا توقیر رضا کے قریبی ساتھیوں سے منسلک جائیدادوں کے خلاف انہدامی مہم شروع کی، ان پر غیر قانونی تجاوزات کا الزام لگایا گیا۔ پولیس نے توقیر رضا کے بڑے بھائی کے داماد مولانا محسن رضا کو گرفتار کر لیا اور ای رکشہ کے گودام سمیت ان کی املاک کو مسمار کر دیا۔ اس کے علاوہ ایک شادی لان اور رضا کے ساتھیوں سے منسلک کئی تجارتی اداروں کو سیل کر دیا گیا۔ کریک ڈاؤن ۲۶ ستمبر کو ”آئی لو محمد“ مہم سے جڑے تصادم کے بعد ہوا، جس میں حکام نے رضا کے معاونین پر بدامنی میں ملوث ہونے کا الزام لگایا۔ مزاحمت کو روکنے، ممکنہ پتھراؤ کی نگرانی کے لیے انہدام کے ساتھ پولیس کی بھاری تعیناتی اور ڈرون سے بھی نگرانی کی جا رہی تھی۔
- ۳ اکتوبر: اہلیہ نگر، مہاراشٹر میں بجرنگ دل کے دباؤ کے بعد حکام نے شیوگاؤں میں ایک مبینہ مذبح کو منہدم کر دیا۔
- ۴ اکتوبر: کٹک، اڈیشہ میں درگاہ بازار کے علاقے کے قریب ہندوؤں کے جلوس کے دوران مبینہ طور پر تشدد اس وقت شروع ہوا جب مقامی لوگوں نے اونچی آواز میں اشتعال انگیز موسیقی بجانے پر اعتراض کیا۔ پولیس نے بھیڑ کو منتشر کرنے کے لیے لاٹھی چارج کیا اور چھ افراد کو گرفتار کر لیا۔
- ۵ اکتوبر: کٹک، اوڈیشہ میں وشوہندو پریشد (وی ایچ پی) کے ارکان نے تلواروں سے لیس ہو کر مسلمانوں کی ملکیتی دکانوں میں توڑ پھوڑ کی اور آگ لگا دی۔
- ۵ اکتوبر: پرشورام نگر، رائے پور، چھتیس گڑھ میں وی ایچ پی-بجرنگ دل کے ارکان نے ایک عیسائی خاندان کے گھر کا گھیراؤ کیا۔ انہوں نے علاقے سے تمام عیسائیوں کو بے دخل کرنے اور ان کے گھروں کو مسمار کرنے کا مطالبہ کیا۔ ان کی شکایت کے بعد، پولیس نے چھ لوگوں کو حراست میں لے لیا۔
- ۷ اکتوبر: دیانگ مکھ، کاربی انگلونگ، آسام میں اے ایچ پی راشٹریہ بجرنگ دل کے اراکین نے ایک مسلمان شخص کو گائے کا گوشت لے جانے کا الزام لگا کر پکڑا، مار پیٹ اور پوچھ گچھ کے بعد پولیس کے حوالے کر دیا۔
- ۸ اکتوبر: اتر پردیش میں مقامی حکام نے ۸۰ مکانات اور ایک مسجد کے خلاف مسماری کے نوٹس جاری کیے اور الزام لگایا کہ یہ سرکاری تالاب کی زمین پر غیر قانونی طور پر تعمیر کیے گئے تھے۔
- ۹ اکتوبر: مدھیہ پردیشمیں ایک جھگڑا موٹر سائیکل کے معمولی تصادم پر شروع ہوا جس کے بعد ہندو قوم پرستوں کے حامیوں کا ایک بڑا ہجوم تھانے کے باہر جمع ہوا، ٹائر جلائے، گرفتاریوں کا مطالبہ کیا، اور توڑ پھوڑ کی اور پھلوں کے اسٹالوں کو لوٹ لیا۔ پتھراؤ اور املاک کو نقصان پہنچانے کے واقعات بھی رپورٹ ہوئے۔
- ۹ اکتوبر: شمبھوگنج، جونپور، اتر پردیش میں بجرنگ دل کے اراکین نے عیسائیوں کے اتوار کی عبادت کے اجتماع پر دھاوا بولا، اور شرکاء پر مذہب کی تبدیلی کا الزام لگایا۔
- ۹ اکتوبر: کٹک، اڑیسہ میں ایک ہندو قوم پرست نے دو مسلم ریڑھی بانوں پر حملہ کیا اور انہیں ”جے شری رام“ کا نعرہ لگانے پر مجبور کیا۔

مسلمانوں کو کسی بھی طریقے سے نشانہ بنانے، قتل، تشدد مارپیٹ یا ہراساں کرنے کے جو واقعات روزانہ کی بنیاد پر بعض انسانی حقوق کی تنظیمیں سوشل میڈیا پر رپورٹ کر رہی ہیں یہ بھی درجنوں کی تعداد ہے جبکہ اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ہندو انتہاپسند تنظیمیں ضلعی اور محلے کی سطح پر نوجوانوں ہی نہیں بلکہ خواتین اور بچے بچیوں تک کے لیے تربیتی پروگرامات کے نام پر انہیں مسلمانوں کے خلاف نفرت سے بھر رہی ہیں۔ ان پروگراموں کے ساتھ ہتھیاروں اور تلواروں کو بھی اپنی پوجا پاٹ کا باقاعدہ حصہ بنایا جاچکا ہے۔ اس پیمانے کی یہ منصوبہ بندی ایک ایسے خونی طوفان کا پتہ دے رہی ہے جس سے فرار کسی صورت ممکن نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس خونی طوفان سے بچاؤ کے لیے مسلمانوں کے پاس

راستہ کیا ہے؟ مسلمان جس بزدلی اور پست ہمتی کا شکار ہیں اس کا کیا کیا جائے؟ کیا انہی سیاسی رہنماؤں کی طرف دیکھا جائے جن کے پاس بے جان تقریروں کے سوا کچھ بھی نہیں؟ وہ نام نہاد جمہوری نظام جو مسلم ممالک میں بھی مسلمانوں کو ظالم حکمرانوں کے شر اور فتنوں سے بچانے میں ناکام ہے تو اس ریاست میں کیا حال ہو گا جہاں ہندو انتہاپسند تمام شعبوں بشمول سرکاری مشینری کا مکمل نظام ہی اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں؟ کیا جذبہ حریت کی مثالیں گئے گزرے زمانوں کی باتیں ہیں کہ اسے اپنانے اور اپنے دین، اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے طریقے اور راستے پر مر مٹنے کی باتیں ناممکن اور غیر حقیقی لگنے لگیں؟ یہ بھی اسی جمہوریت کا خاصہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو ایسا لیڈر دینے سے بھی قاصر ہے جو حقیقی معنوں میں قیادت کا حق ادا کر سکے۔

مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ''تاریخ اسلام'' میں لکھتے ہیں:

''انسانی فریب خوردگیوں اور انسانی پست ہمتیوں کی غالباً یہ سب سے زیادہ بد نما اور عظیم الشان مثال ہے کہ ہم آج بہت سے مسلمانوں کو بھی یورپ و امریکہ والی جمہوریتوں کا خواہش مند دیکھ رہے ہیں جو اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف اور بنی نوع انسان کے لیے بڑی ہی خطرناک چیز ہے۔ مسلمانوں کے خیالات کا یہ تغیر نتیجہ ہے ان کی بزدلی اور کم ہمتی کا۔ یہ بزدلی اور کم ہمتی دین سے ناواقف ہونے اور قرآن و حدیث پر نظر نہ کرنے کے سبب پیدا ہوئی ہے۔''

مزید لکھتے ہیں:

''بظاہر یہ نظام سلطنت بہت ہی دل پسند اور خوشگوار معلوم ہوتا ہے اور عوام چونکہ اپنے اوپر خود حکومت کرنے کا موقع پاتے اور جبر و استبداد کی زنجیروں کو ٹوٹا ہوا دیکھنے سے خوش ہوتے ہیں لیکن وہ اپنا بہت کچھ نقصان بھی کرتے ہیں۔ نسل انسانی کی شرافت، خلیع الرسن اور ہمہ جہت آزاد ہونے کے خلاف واقع ہوئی ہے، یہی سبب ہے کہ فرانس و امریکہ وغیرہ میں جہاں جمہوری نظام قائم ہے وہاں روحانیت جو مذہب قائم کرنا چاہتی ہے بالکل تباہ و برباد ہو گئی ہے۔

روحانیت و مذاہب کے سکھائے ہوئے اعلیٰ اخلاق کسی ایسے ملک میں قائم ہی نہیں رہ سکتے جہاں جمہوریت کا سیلاب موجیں مار رہا ہو۔ جمہوریت کا نظام سلطنت انسان کو ایسی آزاد روش پر ڈالنا اور اس قدر خلیع الرسن بنانا چاہتا ہے کہ انسان اللہ شناسی اور اللہ پرستی کے خیالات کو تادیر قائم نہیں رکھ سکتا۔ خالص جمہوری نظام حکومت میں سب سے زیادہ قوی تحریک دہریت اور لامذہبیت کی ہے۔

جس طرح ریگستان میں کھیتی پیدا نہیں ہو سکتی، پانی سے نکل کر مچھلی زندہ نہیں رہ سکتی، تاریک مقام اور کثیف ہوا میں انسان تندرست نہیں رہ سکتا اسی طرح خالص جمہوری نظام حکومت کے ماتحت مذہبی خیالات، مذہبی پابندیاں، مذہبی عبادات نشوونما نہیں پا سکتیں اور کوئی الہامی مذہب تادیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ دین کا اصل الاصول پابندی و فرمانبرداری ہے اور سچے مذہب کی پابندی انسانی فطرت کے اس صحیح جذبہ کو زندہ رکھتی ہے کہ ہر اعلیٰ اور مستحق تکریم ہستی کو اعلیٰ مقام دیا جائے اور اس کی تکریم کی جائے، اور اللہ تعالیٰ چونکہ سب سے اعلیٰ اور حقیقی کمال رکھتا ہے لہٰذا اس کی جناب میں سر بسجود ہو کر سبحان ربی الاعلیٰ کا اقرار کیا جائے۔

دنیا میں ہر ایک نبی، ہر ایک رسول، ہر ایک ہادی نے یہ جائز مطالبہ کیا ہے کہ تمام انسان میرے احکام کو مانیں اور میری فرمانبرداری بجالائیں، اور اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ان رسولوں، نبیوں، ہادیوں اور رہبروں کی فرمانبرداری اور ان کے احکام کی بلاچون و چرا تعمیل کرنے ہی سے نسل انسانی نے ہمیشہ فلاح پائی ہے اور اس فرمانبرداری ہی کے نتیجہ میں نسل انسانی ذلت و پستی کے مقامات سے نکل کر اس اوج ترقی کے مقام تک آئی ہے۔ پس جو چیز یا جو نظام حکومت اس روش ستودہ کے لیے سم قاتل ہو اور انسان کو ہر ایک پابندی سے آزاد ہو کر خلیع الرسن رہنے کی ترغیب دیتا ہو وہ نتیجہ میں نوع انسانی کے لیے ہرگز مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔''

آج تکلیفوں سے بچنے کی لالچ میں مسلمان جہاد سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور کئی گنا زیادہ تکلیفوں، آزمائشوں اور ذلت کی زندگی میں پھنسے ہیں۔ اور یہ صرف ایک ہندوستان نہیں بلکہ سبھی مسلم معاشروں کی حالت ہے جو اغیار کے نظام اور اغیار کی مسلط کردہ کٹھ پتلیوں کے ظلم وجبر کو سہنے پر مجبور ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ تکلیفیں نافرمانی کے راستے کی بجائے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کے راستے میں سہہ کر اسے اپنی آخرت کی نجات کا ذریعہ بنایا جائے۔

مفتی شفیع رحمہ اللہ معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ والوں کو یہ مقام اللہ و رسول اور نعمائے آخرت کی محبت میں ایسا ہی حاصل ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی تکلیف تکلیف نظر نہیں آتی۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں پائی جاویں تو اس کو ایمان کی حلاوت حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ تین خصلتیں یہ ہیں: ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک ان کے ماسوائے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۸۰ پر)

شام میں جہاد کا مستقبل

استاذ ابو اسامہ عبد العزیز الحلاق | مترجم: ڈاکٹر نیک محمد

بسمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين، ولا عدوان إلا على الظالمين، والصلاة والسلام على أشرف المرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد.

النازعات: شام میں جہاد کے مستقبل کے بارے میں ہمارے مکالمے کے اس تیسرے اور آخری حصے میں، ہم اپنے استاذِ محترم ابو اسامہ عبد العزیز الحلاق حفظہ اللہ کے ساتھ اپنی گفتگو جاری رکھیں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہم ان اہم سوالات کے جوابات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو اس کی خوشنودی کا باعث ہوں اور پورے خطۂ شام کی بابرکت سرزمین میں مجاہد مسلمان نوجوانوں کی رہنمائی اور ہدایت کا باعث بنیں۔ اے ابو اسامہ! اللہ آپ کو سلامت رکھے، اس مکالمے کے انعقاد کے لیے آپ کی دلچسپی اور قبولیت کا شکریہ۔ ہم اپنی بحث کو اس آخری نکتے سے شروع کرتے ہوئے جاری رکھیں گے، جو ہم نے پچھلی قسط میں چھوڑا تھا، جس میں ہم نے جہاد کی عالمگیریت اور شام میں جہاد کے عالمی جہادی محاذ بننے کے امکان پر بحث کی تھی، باوجود اس کے کہ زیادہ تر مجاہدین میں اس ناپسندیدہ طرِ جہاد کو اپنانے کی شدید خواہش پائی جاتی ہے۔

میں آپ سے شام میں موجود مہاجر مجاہدین کے مستقبل اور موجودہ دور میں خطۂ شام سے جہاد کو عالمگیر بنانے کی ضرورت پر یقین رکھنے والوں کے غیر یقینی مستقبل کے بارے میں بھی کچھ سوالات پوچھوں گا، خاص طور پر اس حقیقت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ ان کے قائدین کو (امریکہ کی طرف سے) مسلسل نشانہ بنایا جا رہا ہے باوجود اس کے کہ نئی انتظامیہ کی رائے کے مطابق جہادی انقلاب کا خاتمہ ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ جماعتیں بھی تحلیل ہو چکی ہیں۔

اور ان حالات میں شام کی نئی انتظامیہ پر ان مہاجرین، یتیموں اور بیواؤں کے حق میں کون سے فرائض و واجبات عائد ہوتے ہیں جو شام کے عوام کی مدد و نصرت کے لیے اپنے ملکوں کو چھوڑ کر جہاد کے لیے نکلے تھے اور انہوں نے شامی انقلاب کی کامیابی کے لیے اپنا قیمتی خون اور مقدس جانیں قربان کر دیں۔

لہٰذا ہم، اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے، جہاد کی غرض سے ارضِ شام کی طرف ہجرت کرنے والے مہاجرین کے مستقبل کے بارے میں سوالات شروع کرتے ہیں۔ پس آپ کے خیال میں، اس مرحلے پر ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں، خاص طور پر جب انہیں ادلب اور شمالی شام کے دیہی علاقوں میں امریکی صلیبیوں کی طرف سے بار بار نشانہ بنایا جا رہا ہے؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میرے پیارے بھائی! اللہ آپ کے امور میں برکت عطا فرمائے اور اپنے پسندیدہ کاموں کی طرف آپ کی رہنمائی فرمائے اور آپ کو اس مہمان نوازی اور حسنِ ظن کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ میں بھی آپ کو ۱۴۴۶ھ کے رمضان المبارک پر مبارکباد پیش کرتا ہوں[1]۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اس مہینے کو مجاہدین کے تمام محاذوں پر اسلام اور مسلمانوں کی فتح کا مہینہ بنائے۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں، آپ کو اور قارئین کو ایمان و احتساب کے ساتھ روزے رکھنے، قیام کرنے، عبادت کرنے اور اجر و ثواب حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ ہمیں اور آپ کو فائزین میں شامل فرمائے، آمین۔

آپ کے پہلے سوال کا جواب دینے سے قبل، میں آپ سے یہ درخواست کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ سوالات کا مرکزی نقطہ شام میں جہاد کے مستقبل پر ہو، کیونکہ پچھلی قسط میں اور اس سے پہلے والے سوالات میں سے کچھ سوالات اس عنوان سے ہٹ کر تھے۔ میری عاجزانہ رائے میں، مکالمے کا عنوان شام میں جہاد کے مستقبل کے بارے میں ہونا درست نہیں ہے، کیونکہ آپ کے بہت سے سوالات شام کے ماضی کے حالات سے متعلق تھے۔ لہٰذا، بہتر ہو گا کہ سوالات کا تعلق مکالمے کے عنوان سے زیادہ ہو۔

جہاں تک ان مہاجر مجاہدین کے مستقبل کے بارے میں آپ کا سوال ہے جو شام کی سرزمین میں جہاد اور اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے نکلے تھے، میری رائے میں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ شام کے معزز عوام میں سے صالحین اور نیک لوگوں کے ساتھ اپنے تعلق کو گہرا کریں اور غیر اعلانیہ طور پر صحیح منہج کی طرف انفرادی دعوت دینے کی کوشش کریں، اور اپنے ارد گرد کے صالحین کے ساتھ رابطہ اور میل جول بڑھائیں، جیسا کہ حبشہ اور مدینہ منورہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا تھا۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ انہیں حمص، حلب، دمشق اور حماہ جیسے اہل سنت کے شہروں کا رخ کرنا چاہیے کیونکہ وہ ادلب اور شمالی شام کے دیہی علاقوں میں بے حد واضح ہو چکے ہیں۔ اس لیے انہیں ان شہروں کی طرف عبوری ہجرت کرنی چاہیے تاکہ صہیونی صلیبی دشمن کو ان کی شناخت اور معلومات سے الجھایا جائے جن کے ذریعے وہ ان کا سراغ لگاتا ہے اور انہیں نشانہ بناتا ہے اور اپنے لیے ان شہروں کے مسلمانوں میں سے ایسے لوگوں کو تلاش کرنا چاہیے جو ان کی حمایت کریں اور ان کے لیے پردہ بنیں اور انہیں صہیونی صلیبی اتحاد کے ہدف سے بچائیں۔ یہ سب کچھ اس صحیح حدیث کے مطابق ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[1] جس وقت یہ انٹرویو لیا گیا تب کی تاریخ۔ (ادارہ)

”لوگ میرے لیے کپڑے کے بیرونی حصہ کی طرح ہیں اور انصار میرے لیے کپڑے کے اندرونی حصہ کی طرح ہیں۔ اور انصار میرے خاص رازدار لوگ ہیں۔ اگر ہجرت اہم معاملہ نہ ہوتا تو میں بھی انصار کا ایک آدمی ہوتا۔“[۲]

اس مرحلے پر کفار و منافقین کو مطلوب جہادی قائدین کو بھی اسی طرح انتظار کرنا چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ تین دن تک غارِ ثور میں انتظار فرماتے رہے تھے۔ ان جہادی قائدین کو اس انتظار کے دوران ملامت، غضب یا بے حسی کا شکار نہیں ہونا چاہیے، خواہ یہ انتظار تین سال ہی کیوں نہ ہو جائے، کیونکہ یہ سب کچھ موجودہ دور میں اللہ کی راہ میں جہاد اور اس سے متعلقہ فرائض کے تقاضوں میں سے ہے۔ ان کا گھومنے پھرنے کے لیے نکلنا، گلیوں اور بازاروں میں لوگوں کے درمیان گھل مل جانا، دشمن کو ان پر قابض ہونے کے مواقع فراہم کرتا ہے اور یہ کسی صورت جائز نہیں۔ انہیں سورۃ الکہف میں ذکر کیے گئے نوجوانوں کی معلوماتی امنیت (Information Security) کے فہم سے استفادہ کریں اور طاغوتی حکمران کے ہاتھوں سنگسار ہونے سے اپنے عقیدۂ توحید اور اپنی جانوں کو بچانے کے لیے کیے گئے ان کے اقدامات سے سبق حاصل کریں، اور انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جب اصحابِ کہف نے معلوماتی جنگ کا مقابلہ کرنے کے لیے حفاظتی اقدامات کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کیا فرمایا تھا:

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا۝ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا۝ (سورۃ الکہف: ۱۹، ۲۰)

”اب اپنے میں سے کسی کو چاندی کا یہ سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو، وہ جاکر دیکھ بھال کرے کہ اس کے کون سے علاقے میں زیادہ پاکیزہ کھانا (مل سکتا) ہے۔ پھر تمہارے پاس وہاں سے کچھ کھانے کو لے آئے، اور اسے چاہیے کہ ہوشیاری سے کام کرے، اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔ کیونکہ اگر ان (شہر کے) لوگوں کو تمہاری خبر مل گئی تو یہ تمہیں پتھراؤ کر کے ہلاک کر ڈالیں گے، یا تمہیں اپنے دین میں واپس آنے کے لیے مجبور کریں گے، اور ایسا ہوا تو تمہیں کبھی فلاح نہیں مل سکے گی۔“

لیکن ایک اور مسئلہ بھی ہے جس کی طرف بہت سے صالحین توجہ نہیں دیتے، وہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر بھائی اپنی مالی مجبوریوں کی وجہ سے ان حفاظتی اقدامات کو ترک کرنے پر اور اپنے گھر والوں کی کفالت کے لیے رزقِ حلال کمانے پر مجبور ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا صالح، متمول اور دولت مند مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان کی مالی امداد کریں اور سماجی طور پر ان کی مدد کریں تاکہ ہماری امت ان نوجوان مسلمانوں سے مزید محروم نہ ہو جو ان شاء اللہ آنے والے دنوں میں اسلام اور مسلمانوں کی نصرت بالخصوص غاصب یہودیوں اور صلیبیوں سے لڑنے میں بہت بڑا کردار ادا کریں گے۔ یہ بھائی ان پرانے مہاجرین میں سے ہیں جو انقلاب کے آغاز میں شام کی سرزمین پر فریضۂ جہاد کی ادائیگی کے لیے پہنچے تھے، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ معاشرتی یکجہتی کے ذریعے ان کی حفاظت کریں۔ ان کی مدد ضرور کی جانی چاہیے کیونکہ انہوں نے انقلاب کے سالوں میں جہادی تجربہ حاصل کیا ہے۔ صہیونی-صلیبی دشمن جانتا ہے کہ یہ نوجوان اور یہ قائدین وہ ہیں جن پر، مسلمانوں کے ممالک اور مسجد اقصیٰ کو آزاد کرانے کے لیے، اللہ کے بعد، بھروسہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کے پاس وسیع جنگی، دعوتی، معاشرتی اور تنظیمی تجربات ہیں۔ جو کچھ آج ہم دیکھتے ہیں کہ امریکہ، اسرائیل اور ترکی کی قیادت میں اتحادی طیاروں کے ذریعے مجاہدین کو نشانہ بنایا جارہا ہے اس کا مقصد، عظیم جنگوں کی سرزمین شام کو اسلامی ممالک کے قلب میں صہیونی-صلیبی سازشوں کو ناکام بنانے کے قابل نوجوان مجاہدین اور قائدین سے خالی کرنا ہے۔ والی ربنا المشتکی اور اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔

اسی طرح، شام کی نئی انتظامیہ کو اس خود غرضانہ متعصبانہ ذہنیت سے باہر نکلنا چاہیے کہ ”ہم نے اس کا حکم نہیں دیا اور اس سے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا“ اور ان حملوں میں مجاہدین کو نشانہ بنائے جانے پر اپنی خاموشی کو توڑنا چاہیے، کیونکہ یہ خاموشی صہیونی-صلیبی مغرب کے مفادات کی خاطر اپنے بھائیوں کے خون اور سروں کی قربانی دینے کے مترادف ہے۔ انہیں اپنے اس نعرے کو سچا ثابت کرنے کے لیے عمل کرنا چاہیے جو وہ اس وقت ”انقلاب اور گروہ بندی کے ذہن سے ریاست اور ذمہ داری کے ذہن کی طرف بڑھ کر“ لگا رہے ہیں۔ انہیں کم از کم اتنا ضرور کرنا چاہیے کہ وہ اپنے مجاہد بھائیوں اور انقلاب میں شامل ساتھیوں پر ان صلیبی بمباریوں کی مذمت کریں اور شام کی خود مختاری پر حملوں کے سلسلے کو روکنے کی کوشش کریں۔ ۸ دسمبر ۲۰۲۴ء کے بعد شام کی سرزمین کے ساتھ اس سابقہ ذہنیت کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں ہے جس ذہنیت کے ساتھ انہوں نے اس سے قبل ’آزاد کرائے گئے شمالی شام‘ کے ساتھ معاملہ کیا تھا۔ اس سے قبل پاکستان میں صلیبی ڈرون حملوں پر پاکستانی حکومت کی شدید کھلی مذمت اور اسی طرح گزشتہ صلیبی بمباری پر اسد حکومت کی شدید مذمت، شام کی نئی انتظامیہ سے بہتر نہیں ہو سکتی۔ اہل اسلام کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے مخاطب فرمایا ہے:

وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (سورۃ المائدۃ: ۳۲)

”اور جس نے ایک جان بچائی گویا اس نے پوری انسانیت کو بچایا۔“

تو انہیں چاہیے کہ وہ کوشش کریں اور اپنے مجاہد بھائیوں کے خون کو سہارا دیں، ان کو پناہ دیں، ان کی کفالت کریں اور انہیں محفوظ رکھنے کے لیے ہر ممکن اقدامات کریں۔ ورنہ

[۲] مصنف ابن ابی شیبہ (۳۲۳۶۱)، احمد (۱۳۰۸۴)

غفلت اور ناکامی کا نتیجہ ہر صاحب استطاعت کے لیے سخت سزا ہو گا۔ اور ہمارا پروردگار رحمٰن ہے، جو باتیں وہ بناتے ہیں ان کے مقابلے میں اسی سے مدد مانگی جاتی ہے۔

النازعات: لیکن اے ابو اسامہ! آپ جانتے ہیں کہ یہ نوجوان اور قائدین 'ہیئۃ تحریر الشام' کے رکن نہیں ہیں، بلکہ دوسرے گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو 'ہیئۃ تحریر الشام' کے ذمہ داروں کو ان کی حفاظت کے لیے کس طرح کوشش کرنی چاہیے اور ان پر بمباری کی کیسے مذمت کرنی چاہیے؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: یہ ایک دینی اور سیاسی فریضہ ہے اور ایک انتظامی ذمہ داری ہے جو ہر ریاست اپنے عوام اور اپنی سرزمین کے لیے سرانجام دیتی ہے۔ اسی لیے میں نے کہا کہ انہیں اپنے نعرے کے مطابق عمل کرنا چاہیے، یعنی "انقلاب کی سوچ سے ریاست کی سوچ تک"۔ کوئی بھی جائز ریاست اپنے عوام، زمین اور خود مختاری کے تئیں اپنی ذمہ داریاں پوری کرے گی، تو ان کے انقلاب کے ساتھیوں اور ہتھیاروں سے لیس بھائیوں کا حق تو اس سے کہیں زیادہ ہو گا؟

سچ تو یہ ہے کہ شام میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اچھا نہیں ہے، چاہے وہ نئی انتظامیہ کی طرف سے ہو یا باقی انقلابیوں اور مجاہدین کی طرف سے۔ کیونکہ اس تاریک خاموشی کو صرف سر تسلیم خم کرنے، گھٹنے ٹیکنے اور صلیبیوں کے خوف کا اثر سمجھا جا سکتا ہے، جس کے ساتھ ساتھ وسیع پیمانے پر خذلان اور بے وفائی نظر آتی ہے اور یہ سب شام میں جہاد کے مستقبل پر بہت منفی اثر ڈالے گا۔ پس انہیں آگے بڑھنے دیں اس سے پہلے کہ "میں اسی دن کھایا گیا تھا جس دن سفید بیل کھایا گیا تھا"[3] کی کہانی دہرائی جائے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

میرے پیارے بھائی! جو شخص بھی، شام میں جہاد کے مستقبل کے بارے میں وارد ہونے والی صحیح احادیث پر غور کرے گا، وہ ان میں نظریاتی تعدد اور جہادی دھڑے بندی کے اشارے پائے گا اور ان احادیث میں اسے باہر کے مجاہدین کے خطۂ شام کی طرف ہجرت کی پیشن گوئی ملے گی۔ نہ صرف یہ بلکہ ان احادیث میں مہاجر مجاہدین اور مقامی مجاہدین کے درمیان عالمی جہاد یا مقامی جہاد کو اپنانے میں اختلاف کے آثار بھی ملیں گے۔ تاہم ان تمام جہادی گروہوں میں خیر و صلاح اور راست بازی کے معیار کی ایک بہت اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان مجاہدین بھائیوں پر صلیبیوں کے اختیار کو قطعی طور پر قبول نہیں کرتے، باوجود اس کے کہ ان میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں حدیث بیان کی گئی ہے۔ رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

> "قیامت قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ رومی فوجیں اعماق یا دابق کے مقام پر پڑاؤ ڈالیں گی، تو مدینہ سے اس وقت روئے زمین کے بہترین افراد پر مشتمل ایک لشکر ان کی طرف روانہ ہو گا، جب وہ صف بندی کر لیں گے تو رومی کہیں گے، تم ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان، جنہوں نے ہمارے افراد کو قیدی بنایا تھا، راستہ چھوڑ دو، ہم ان سے قتال کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمان کہیں گے، نہیں، اللہ کی قسم! ہم تمہارے اور اپنے بھائیوں کے درمیان راہ خالی نہیں چھوڑیں گے، وہ ان سے قتال کریں گے، تو ایک تہائی شکست کھا جائیں گے، اللہ ان کی توبہ کبھی قبول نہیں فرمائے گا، ان میں سے ایک تہائی قتل کر دیے جائیں گے وہ اللہ کے ہاں اعلیٰ درجے کے شہداء ہیں، اور ایک تہائی فتح یاب ہوں گے، وہ کبھی آزمائے نہیں جائیں گے، وہ قسطنطنیہ فتح کریں گے۔"[4]

شیخ ابو قتادہ فلسطینی حفظہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ہمارے زمانے پر منطبق ہو سکتی ہے اور ممکن ہے کہ اس میں ہمارے زمانے کے احوال پائے جائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ شام کے اہل جہاد کو اس حدیث کا درس دینا چاہیے اور اسے یاد کر کے اس پر غور و فکر کرنا چاہیے، کیونکہ اس میں عظیم اسباق پائے جاتے ہیں اور شام میں جہاد کے مستقبل کے متعلق پیشن گوئیاں ہیں۔ مثال کے طور پر، اس حدیث میں جہادی طبقات اور مجاہدین کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں۔ ایک گروہ صلیبی دشمن کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے اور اس کا ساتھ دیتا ہے کیونکہ وہ ان کی طاقت، برتری اور تہذیب سے مرعوب ہوتا ہے اور عالمی کفر کے سرغنے کے خلاف لڑائی کو بوجھ سمجھتا ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں حرمین شریفین کی سرزمین سے جہاد کے لیے شام کی طرف جانے والے ایک لشکر کی بھی تفصیل بتائی گئی ہے۔ اس میں مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر صلیبیوں سے قیدیوں کو لینے والے ایک جہادی گروپ کی بھی تفصیل موجود ہے۔ اور اس حدیث مبارکہ میں یہ بھی شامل ہے کہ صلیبی، تمام مجاہدین کے مخالف نہیں ہیں۔ بلکہ اس میں صلیبیوں کی جانب سے مجاہدین کے باہمی تعلقات کو ختم کرنے کے لیے ایک خصوصی جہادی جماعت بنانے کی کوششوں کی بھی تفصیل دی گئی ہے جسے مغرب قبول کر سکتا ہے اور دہشت گردی کے خلاف جنگ اور تعاقب میں اس جماعت کو استثنیٰ حاصل ہو گا۔ درحقیقت، مغرب ایک مخصوص دہشت گرد گروہ پر توجہ مرکوز کرتا ہے جو روایتی جہاد کی حمایت کرتا ہے اور جس کے دہشت گردانہ اقدامات بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی قرار دیے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے صلیبیوں نے ارضِ شام کے کچھ حصوں پر قبضہ کیا اور پھر مجاہدین کے اس گروہ سے مذاکرات کرتے ہوئے ان سے کہا کہ "تم ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان، جنہوں نے ہمارے افراد کو قیدی بنایا تھا، راستہ چھوڑ دو، ہم ان سے قتال کرنا چاہتے ہیں"۔ اس حدیث مبارکہ میں موحّد مجاہدین کے ایک گروہ کی بھی تفصیل موجود ہے جو مغربی صلیبی پیشکش کو قبول کرنے سے انکاری ہے، چنانچہ یہ انکاری گروہ، اس دہشت گرد گروہ سے تعلق رکھنے والے اپنے مجاہدین بھائیوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا اور وہ ان کی حمایت کرتے ہوئے صلیبیوں کو یہ جواب دیتا ہے کہ

[3] عربی کہاوت جس کا مطلب ہے کہ میں اسی دن مارا گیا تھا جب میں نے اپنے بھائی کا قتل ہوتے دیکھا اور خاموش رہا۔

[4] مسلم (۲۸۹۷)

”نہیں، اللہ کی قسم! ہم تمہارے اور اپنے بھائیوں کے درمیان راہ خالی نہیں چھوڑیں گے، وہ صلیبیوں سے قتال کریں گے“۔ اس حدیث شریف میں مجاہدین کے شدید قتال کا احوال بھی ذکر کیا گیا ہے، اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ فتح و نصرت محض جہاد شروع کرنے والوں کے لیے نہیں ہے، بلکہ ان کے لیے ہوگی جو اس میں مخلص ہیں اور سخت آزمائش کے باوجود اسے جاری رکھیں گے اور یہ بھی کہ یہ فتح و نصرت اس چھوٹے اور تعداد میں قلیل گروہ کے لیے ہوگی جو شام میں موجود تمام مجاہدین میں سے صرف ۳۳ فیصد ہوں گے، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

النازعات: استاذِ محترم، جو حدیث ابھی آپ نے بیان فرمائی ہے، آپ کی رائے میں، اس کے مطابق وہ جہادی گروہ جو صلیبی مغرب کے سامنے سر تسلیم خم کرے گا، اس کی اہم ترین خصوصیات کیا ہیں؟ اور وہ کون سے طریقے اور اسباب ہیں جو ارضِ شام میں موجود مجاہدین کو اس خطرے میں پڑنے سے بچنے کے لیے اختیار کرنا ہوں گے جو حدیث میں مذکور ہے کہ: ”ان میں سے ایک تہائی شکست کھا جائیں گے، اللہ ان کی توبہ کبھی قبول نہیں فرمائے گا“؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: شاید اس شکست خوردہ گروہ کی سب سے خطرناک خصوصیت، اللہ جن کی توبہ کبھی قبول نہیں کرے گا، یہ ہے کہ وہ اس انداز میں اپنے نوجوان مجاہدین کی تربیت کرتا ہے جو اسلامی شریعت کے مطابق قابل مذمت ہے، یعنی نصوص شرعیہ کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے اپنا مطلب نکالتا ہے، جیسے کہ اس مستند حدیث کے ایک ٹکڑے پر اپنے مجاہدین کی تربیت کرنا، جسے امام ابو داود نے روایت کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

”عنقریب تم رومیوں سے ایک پر امن صلح کرو گے، پھر تم اور وہ مل کر ایک ایسے دشمن سے لڑو گے جو تمہارے پیچھے ہے، اس پر فتح پاؤ گے، اور غنیمت کا مال لے کر صحیح سالم واپس ہو گے۔“[5]

چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض علماء نے نوجوانوں کو صہیونی۔صلیبی مغرب کے ساتھ صلح کی اہمیت پر اُبھارا ہے اور انہیں یہ باور کرایا ہے کہ مجاہدین، صلیبیوں کے ساتھ مل کر رافضیوں، نصیریوں، روس اور چین کے ساتھ لڑیں گے اور وہ ان پر فتح یاب ہوں گے، غنیمت حاصل کریں گے، اور محفوظ رہیں گے اور اس کے بعد صہیونی۔صلیبی مغرب ہماری ریاست کی قانونی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے ہمیں اقتدار سنبھالنے اور ریاست چلانے کی اجازت دے گا اور پھر وہ ہمیں اقوام متحدہ میں نشست دینے کا احسان کرے گا تا کہ ہم بین الاقوامی برادری کے اندر فیصلہ سازی میں حصہ لینے کا اپنا حق استعمال کر سکیں، وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب نصوص شرعیہ کی قابل مذمت تشریح ہے، کیونکہ مکمل حدیث شریف اس طرح ہے:

”یہاں تک کہ ایک میدان میں اترو گے جو ٹیلوں والا ہو گا، پھر نصرانیوں میں سے ایک شخص صلیب اٹھائے گا اور کہے گا: صلیب غالب آئی، یہ سن کر مسلمانوں میں سے ایک شخص غصہ میں آئے گا اور اس کو مارے گا، اس وقت اہل روم عہد شکنی کریں گے اور لڑائی کے لیے اپنے لوگوں کو جمع کریں گے۔“

اسی وجہ سے امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ذیل کے فقہی عنوان کے تحت ذکر کیا ہے: ”باب: رومیوں سے ہونے والی عظیم جنگوں کا بیان“۔

اس لیے بنیادی اصول یہ ہے کہ ہماری امتِ مسلمہ صلیبیوں کے ساتھ مسلسل اور مستقل جنگ میں رہے گی۔ اگر صلح ہے تو وہ 'عارضی امن' کے معنی میں ہے۔ پس صلح ان دو پابندیوں ('عارضی امن') کے ساتھ ہے جیسا کہ روایت میں وارد ہوا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا انداز میں توڑ مروڑ کر اس حدیث کی تشریح کرنا اور اس قابل مذمت طریقے سے نوجوانوں کو اس کی تعلیم دینا، بہت بڑی غلطی ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ شام کی سرزمین کے مجاہد کو اس خطرناک مصیبت میں نہ پڑنے کے لیے کیا راستے اور اسباب اختیار کرنے چاہئیں، تو مجاہد کو سب سے پہلے اپنے رب کی کتاب قرآنِ مجید اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنا چاہیے، اللہ رب العالمین کے لیے اپنے جہادی ارادوں کو خالص کرنا چاہیے، اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی کے تعلق سے پاک کرنا چاہیے اور اپنا قیمتی وقت دینی، شرعی اور سیاسی علم کی جستجو میں صرف کرنا چاہیے تا کہ وہ آسانی سے دھوکے میں نہ آ جائے اور محض ایک کرائے کا سپاہی بن کر چالاک لیڈروں کے لیے اپنی زندگی کو داؤ پر نہ لگا دے۔ پھر اسے چاہیے کہ وہ حقیقی اہلِ علم اور امت کے معتبر قائدین سے رابطہ کرے، ان سے مشورہ کرے اور ان سے فتویٰ طلب کرے اور تمام مراحل میں حالات کی تبدیلیوں اور ان کے دوران عائد ہونے والی ذمہ داریوں میں جب بھی اسے مشکل پیش آئے، ان کی رائے کے مطابق عمل کرے۔ مجھے امید ہے کہ اس طرح عمل کرنے سے ایک مجاہد کو اللہ کی طرف سے توفیق اور ہدایت نصیب ہو گی۔

النازعات: آپ نے حال ہی میں اسرائیلی بیانات اور شام کی نئی حکومت کی طرف سے اس کی دشمنانہ دھمکیوں میں اضافہ دیکھا ہو گا۔ ان بیانات کی وجہ کیا ہے، حالانکہ دمشق نے اسرائیل کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا؟ کیا ہمیں دمشق کے خلاف ممکنہ حملوں اور صہیونی کشیدگی کا سامنا ہے اور شام میں مجاہدین کے خلاف اسرائیل کی اس جارحیت کا حل کیا ہے؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: میرے پیارے بھائی! اسرائیل یقینی طور پر جانتا ہے کہ شام کے مجاہدین کے ساتھ اس کی لڑائی ناگزیر ہے، لیکن وہ خطے میں صہیونی۔صلیبی منصوبے پر عمل

---

[5] ابو داؤد (۴۲۹۲)

درآمد کے ذریعے اسے ملتوی کرنے اور اس میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ نیز ان معاندانہ بیانات اور شامی فوج کے ٹھکانوں پر صہیونیوں کی بار بار بمباری کا ایک مقصد، اسد حکومت کے عناصر اور اس کے مواد کو بچانا اور شام میں فرقہ وارانہ آگ بھڑکانا ہے۔ اگر اسرائیل بشار الاسد کو ذاتی طور پر اقتدار سے ہٹانا چاہتا تھا، تب بھی وہ اس کی حکومت کے مواد اور صہیونی وجود کے وفادار عناصر کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔ اس کا مقصد نئی انتظامیہ پر دباؤ ڈالنا بھی ہے کہ وہ اسے جنوبی شام کے نئے علاقوں کو ترک کرنے کے لیے مزید رعایتیں دینے پر مجبور کرے۔ اس سب کا مقصد اسرائیل کے لیے ایک نئی فعال حکومت کی تشکیل کے ذریعے اپنے مقاصد اور اہداف کو حاصل کرنا ہے جسے دنیا میں صہیونی-صلیبی مفادات کو نافذ کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے اور پھر اسے تعلقات معمول پر لانے (نارملائزیشن) کی طرف دھکیلنا ہے، جیسا کہ نئی شامی حکومت کی برادر عرب حکومتوں نے نارملائزیشن کا عمل کیا ہے۔ اسرائیل کو شام کے نئے قائدین کی نفسیاتی اور ذہنی نوعیت کا بخوبی علم ہے، کیونکہ اسے یقین ہے کہ ان جیسے لوگ تمام اسلام پسندوں میں سب سے زیادہ رنگ بدلنے، ہار ماننے اور بیرونی دباؤ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے قابل ہیں، بسبب اس انتہائی عملیت پسندی کے جو شام کی نئی قیادت نے پچھلے دو مہینوں میں دکھائی ہے، یہی وجہ ہے کہ صہیونی یہودی، نئی انتظامیہ پر مزید قابو پانے اور اقتدار میں آنے کے بعد اس کا قانونی، اخلاقی اور سیاسی اثاثہ ختم کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

اور جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے تو وہ شام کی حقیقت کو چاروں سمتوں سے اپنے مفادات کے مطابق ڈھالنے کے لیے انجینئرنگ کر رہا ہے اور اپنی پوری محنت اور لگن کے ساتھ کوشش کر رہا ہے کہ شامی انقلاب کے انہی لیڈروں میں سے ردِ انقلاب کے لیے رہنما پیدا کیے جائیں اور انقلاب کے نام پر ردِ انقلاب کے نعرے اور جھنڈے بھی پیدا کیے جائیں۔ لہٰذا، شام کے خلاف سازش بہت بڑی ہے، اور کوئی بھی دھڑا، حتیٰ کہ شام کی کوئی حکومت بھی ان سازشوں اور اس نوشتہ دیوار حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکے گی، سوائے ایک امت کے تصور کے جو مسلمانوں کو ملکِ شام میں، عظیم تر شام میں، ایک جامع جہادی تحریک کے ذریعے شام کی سرزمین سے تمام قابضین کو اکھاڑ پھینکنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس لیے ہمیں شام میں استحکام کے لیے کوشش کرنے اور اسرائیل کے خلاف ''طوفان الاقصیٰ'' کی طرح بے لگام تشدد کی ایک بلند لہر شروع کرنے کے لیے سنجیدہ تیاری کے درمیان توازن قائم کرنا چاہیے، چاہے اس میں کئی دہائیاں کیوں نہ لگ جائیں۔ یہاں پر، میں سمجھتا ہوں کہ اہلِ شام کو آنے والے سالوں کے لیے سنجیدگی سے تیاری کرنی چاہیے، اور انقلاب کی واپسی اور ادلب کی طرف ایک بار پھر پیچھے ہٹنے کے امکان کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ انہیں آج شمالی شام کو مضبوط کرنے اور اسے طاقت ور بنانے پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے تاکہ یہ انقلاب کے لیے ایک مضبوط مرکز بن سکے اس صورت میں جب انقلابیوں کو، اللہ نہ کرے، شام اور اسرائیل کی جنگ کے آغاز میں اس کی طرف واپس آنے پر مجبور کیا جائے گا، جو کہ لامحالہ مستقبل میں ہونے والی ہے۔ شام میں موجود مجاہدین کو اس امکان کو رد نہیں کرنا چاہیے کہ اسرائیل انہیں فضائی حملوں اور زمین پر جنوبی شام سے اپنے کرائے کے فوجیوں کی نقل و حرکت کے ساتھ اچانک پیش قدمی سے حیران کر دے گا[6]، کیونکہ نظریاتی اسرائیل جہادی حقیقت کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر ہے اور وہ گزشتہ دو دہائیوں میں جہادی تحریک کے ذریعے حاصل ہونے والی عظیم کامیابیوں سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اسے خدشہ ہے کہ جہادی نصرت کا یہ عروج بیت المقدس کے دروازوں پر ہی جا کر رکے گا۔ آج اسرائیل، افغانستان سے امریکی و مغربی صلیبیوں کو نکالنے اور ظالموں کی جیلوں سے قیدیوں کو آزاد کرانے میں افغان مجاہدین کی کامیابی کو افسوس کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ شام کے مجاہدین کی دمشق کو آزاد کرانے اور نصیریوں کی جیلوں سے قیدیوں کی رہائی میں کامیابی کو قہر کے ساتھ دیکھتا ہے۔ وہ ذلت کے ساتھ دیکھتا ہے کہ کس طرح غزہ کے مجاہدین اس کی مرضی کے خلاف اپنے بھائیوں اور بہنوں کو جیلوں سے رہا کرانے میں کامیاب ہوئے۔ وہ آج بھی نفرت سے دیکھتا ہے کہ مغربِ اسلامی اور صومالیہ کے مجاہدین اپنے علاقوں کے وسیع حصوں کو آزاد کرانے، قیدیوں کو رہا کرانے اور امریکی، فرانسیسی، روسی اور افریقی قابضین کو اپنے ملکوں سے نکالنے میں کس طرح کامیاب ہوئے۔ اور اسرائیل کے لیے سب سے زیادہ خوفناک بات یہ ہے کہ ہر خطے کے مجاہدین دو لفظوں پر مشتمل ایک ہی نعرہ لگاتے ہیں: ''قادمون یا أقصیٰ!'' (اے مسجدِ اقصیٰ! ہم آ رہے ہیں)۔ تو اسرائیل عالمی منظر نامے میں ان تمام بڑی تبدیلیوں کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہے؟ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ شام کے مجاہدین کو چاہیے کہ وہ اپنی خود اعتمادی کو مزید مضبوط کریں اور ہمیشہ یاد رکھیں کہ امتِ مسلمہ کے ہراول جہادی دستے نے اپنے وطنوں اور قیدیوں کو آزاد کرانے اور راہِ خدا میں جہاد کے ذریعے اپنا اعتماد بحال کرنے میں عظیم اور شاندار کامیابیاں حاصل کی ہیں اور حاصل کرنا جاری رکھے ہوئے ہے۔ نتیجتاً، جہادی تحریک دنیا میں اپنی اور اپنی امتِ مسلمہ کی ایک بااثر قوت کے طور پر عالمی سطح پر پہچان حاصل کر رہی ہے، خواہ روئے زمین کے ظالم اور طواغیت اپنے بغض اور حسد کی بنا پر اس حقیقت کا اعلان نہ کریں۔ اسی طرح، جہادی تحریک نے اپنی تمام مختلف شکلوں میں، ۱۱ ستمبر سے ۷ اکتوبر اور ۸ دسمبر تک خطے میں خود کو ایک بڑے کھلاڑی کے طور پر کھڑا کیا ہے۔ اس دن کے بعد سے، تمام بڑے علاقائی اور عالمی کھلاڑیوں کے باوجود، اسلامی اثر و رسوخ بتدریج اور آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا ہے۔ امتِ مسلمہ اپنے ہراول جہادی دستے کے ساتھ، اب عالمِ اسلام میں ہندوستان، پاکستان اور افغانستان سے لے کر شام، صومالیہ اور اسلامی مغرب تک عسکری نقل و حرکت اور تدابیر کی بہت زیادہ گنجائش رکھتی ہے۔ آج، آپ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا بھر کے بہت سے ممالک یہ دیکھنے اور یقین کرنے کے لیے آئے ہیں کہ امتِ مسلمہ کا ہراول جہادی دستہ، مستقبل کی وہ قوت ہے جس پر کسی کو بھروسہ کرنا چاہیے اور حال ہی میں ۷ اکتوبر کے بعد سے بہت سی

[6] حضرت الاستاذ کی پیشن گوئی کے مطابق - اس ترجمے کی اشاعت تک - حکمت ہجری کی ملیشیا کے ذریعے اسرائیل یہ کام کر چکا ہے - مترجم

مغربی رپورٹیں اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ خطے کے ممالک اس بات پر زیادہ قائل ہو گئے ہیں کہ جہادی قوتوں کو اپنا حلیف بنانا ہی مستقبل کا واحد حل ہے جو ان کے علاقائی اثر و رسوخ اور ان کے جغرافیائی سیاسی اور ذاتی مفادات کو محفوظ رکھے گا، چاہے صرف ایک مختصر مدت کے لیے ہو۔ حتیٰ کہ وہ ممالک جنھوں نے ہمارے عوام کے خلاف ردِ انقلاب کی قیادت کی اور گزشتہ ایک دہائی کے دوران جہادی فوائد کو محدود کرنے کے لیے اپنی انتہائی نظریاتی کوششیں اور عسکری توانائیاں بروئے کار لائے، وہ بھی آج بے چینی اور غیر یقینی کی کیفیت میں ہیں کہ سیاسی سطح پر ''طوفان'' اور ''ردع العدوان'' کی لہروں سے مستقبل میں پیدا ہونے والے وسیع علاقائی اثر و رسوخ کے خدشات کے پیش نظر اور ان کے مختصر مستقبل کو درپیش ان تمام خطرات اور اسلام پسندوں اور جہادیوں پر ان کے مکمل اعتماد کے فقدان کے پیش نظر، نہ چاہتے ہوئے بھی، عالم اسلام میں ابھرتی ہوئی جہادی قوتوں سے اضطراری تعامل کے سوا ان کے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔ تاہم ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ اس کے باوجود ہماری امتِ مسلمہ کی ماضی کی اقدار اور جہادی کامیابیوں کو تباہ کرنے کے لیے انتھک کوششیں کر رہے ہیں اور دور حاضر کے جہاد کو امتِ مسلمہ کی نظروں سے اوجھل کرنے اور اس کی عظمت کو چھپانے کے لیے جھوٹ کے تانے بانے بُن رہے ہیں۔ لیکن ہماری امت کے کامیاب اور ہدایت یافتہ نوجوان اس بات کا ادراک رکھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ۱۱ ستمبر، ۷ اکتوبر اور ۸ دسمبر کا مطلب کیا ہے؟ اور وہ ان عظیم معانی اور اس عظیم جہاد کی گہرائی اور عظمت کو سمجھتے ہیں۔ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس مرحلے پر اللہ تعالیٰ ان سے کیا چاہتا ہے۔ اس لیے آپ انہیں آج تک اپنے مال و جان کو خدا کی خاطر قربان کرتے ہوئے پائیں گے، وہ خطرے کی پرواہ کرنے والوں، خیانت کرنے والوں اور نافرمان لوگوں کی پرواہ نہیں کرتے، کیونکہ وہ اپنے ایمان کے سائے میں اور اپنے رب کی شریعت کے تحت زندگی کی قدر کو سمجھتے ہیں، اور وہ کلمہ توحید (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) سے وابستہ ہونے کی قیمت کو جانتے ہیں۔ یہ عظیم قربانیاں اور فدائی جذبہ ہی ہمارے معاصر مسائل کا حل ہے اور یہی ہماری لوٹی ہوئی شان و شوکت کو بحال کرنے کا واحد راستہ ہے۔ میرے پیارے بھائی! یقین جانیں کہ آج اسلام کے تمام دشمن پورے یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ خطہ بالعموم اور شام بالخصوص بہت جلد بین الاقوامی دہشت گردی کے لیے ایک لانچنگ پیڈ اور عالمی جہاد کا بنیادی ذریعہ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اندھے پن میں ہچکچاتے ہیں اور اپنی غلطی میں الجھتے ہیں۔ پس وہ انتظار میں پڑے رہیں کیونکہ ہم بھی ان کے ساتھ منتظر ہیں۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: عمر ثالث

انہیں روزِ محشر حاضر ہونا ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے، وہاں ہر ایک نے اپنا حساب دینا ہے، اس آیت ''لا يكلف الله نفسا الا وسعها'' کا صحیح مصداق بتانا ہو گا، وہاں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا جا سکے گا۔

میں یہ باتیں اس لیے کر رہا ہوں کہ اگر مجھ سے کوتاہی ہوئی، ہم سے کوئی گناہ سرزد ہوا تو یہی علماء ہماری اصلاح کریں گے، یہی علماء ہمارے رہبر و راہنما ہیں، انہیں صبر واستقامت سے کام لینا ہو گا، اس کے علاوہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ یہی بات تھی جو علماء کو پہنچانی تھی، وہ پہنچا چکا، یہ بات آپ حضرات کے پاس امانت ہے، آپ حضرات یہ بات ان لوگوں تک بھی پہنچائیں جو یہاں حاضر نہیں۔

وما علينا الا البلاغ

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: بھارت میں بڑھتی ہوئی اسلام دشمنی

دوسرے یہ کہ وہ کسی اللہ کے بندے سے صرف اللہ ہی کے لئے محبت رکھے، تیسرے یہ کہ کفر و شرک اس کو آگ میں ڈالے جانے کے برابر محسوس ہو۔

اس حدیث میں حلاوت ایمان سے مراد محبت کا یہی مقام ہے جو انسان کے لئے ہر مشقت و محنت کو لذیذ بنا دیتا ہے۔

از محبت تلخہا شیریں شود

اسی مقام کے متعلق بعض علماء نے فرمایا ہے:

واذا حلت الحلاوة قلبا نشطت فى العبادة الاعضاء

یعنی جب کسی دل میں حلاوت ایمان پیدا ہو جاتی ہے، تو عبادت و اطاعت میں اس کے اعضاء لذت پانے لگتے ہیں۔"

☆☆☆☆☆

بقیہ: کانٹے اور پھول

آج سے میں نے تہیہ کیا کہ نماز کو ہمیشہ قائم رکھوں گا، کبھی نہیں چھوڑوں گا، اور مجھے اب سنجیدگی سے ثانوی تعلیم کے امتحانات کی تیاری شروع کرنی تھی۔ کیونکہ امتحانات میں صرف دو ماہ اور پندرہ دن باقی تھے اور مجھے معقول درجات حاصل کرنے تھے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

تالیف: أبو البراء الإبي

وجہ نمبر: سینتیس (37)

سینتیسویں وجہ: بد نگاہی

اللہ سبحانہ وتعالی نے غض بصر کا حکم دیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ (سورۃ النور: ۳۰)

”مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں اللہ ان سے باخبر ہے۔“

اور صحیحین کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”آنکھ بھی زنا کرتی ہے اور اس کا زنا بری نظر ہے۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

”بد نگاہی اور بوس و کنار کے چھوٹے گناہ (لمم) قابل مغفرت ہیں اگر کبائر سے بچا جائے۔ لیکن اگر بد نگاہی یا بوس و کنار پر اصرار ہوا تو وہ کبیرہ گناہ بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان پر اصرار بسا اوقات فحاشی سے زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔ شہوت سے دیکھنا اور ساتھ میں عشق معاشقے اور بوس و کنار کے جو کام ہوتے ہیں ان کی برائی اس زنا سے بہت زیادہ ہے جس پر اصرار نہ ہو۔ اسی لیے فقہاء ثقہ گواہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ نہ اس نے کبیرہ گناہ کیا ہو اور نہ صغیرہ گناہ پر اصرار کرے۔ بلکہ بری نظر اور بوس و کنار سے انسان شرک تک جا پہنچتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ (سورۃ البقرۃ: ۱۶۵)

’اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو شریک (خدا) بناتے اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں۔‘

اسی لیے تصویر سے عشق صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب اللہ کی محبت اور ایمان کمزور ہو جائیں۔ اللہ تعالی نے اس کا ذکر عزیز مصر کی مشرک بیوی اور لوط علیہ السلام کی مشرک قوم کے بارے میں کیا ہے۔“

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ ’روضۃ المحبین‘ میں فرماتے ہیں:

”اللہ تعالی نے آنکھ کو دل کا آئینہ بنایا ہے۔ جب بندہ اپنی نگاہ نیچے رکھتا ہے تو دل شہوت اور برے ارادے سے باز رہتا ہے۔ اور جب شخص اپنی نظر کو آزاد چھوڑتا ہے تو دل شہوت کو آزاد کر دیتا ہے۔“

آگے فرمایا:

”جب نظر دل پر اثر کر جائے تو محتاط اور پختہ ارادے والا شخص اگر جلدی کرے اور آغاز میں ہی اس کے سبب کو ختم کر دے تو اس کا علاج آسان ہوتا ہے۔ لیکن اگر بار بار دیکھے اور شکل و صورت کے حسن کو اپنی آنکھوں سے ٹٹولتا رہے اور پھر اپنے دل میں بو دے۔ تو محبت کا درخت دل میں اتنا بڑھ جاتا ہے کہ پورا دل خراب کر دیتا ہے۔ اور دل اس فکر سے دور ہو جاتا ہے جس پر سوچ و بچار کا اسے حکم ہے۔ پھر یہ دل انسان کو آزمائش کی طرف لے جاتا ہے۔ اور حرام کے ارتکاب پر مجبور کرتا ہے اور فتنے میں ڈال دیتا ہے۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ حرام شہوت کے انجام بد کے بارے میں فرماتے ہیں:

”جس کا دل حرام تصویر کی پوجا کرنے لگے، عورت کی ہو یا لڑکے کی، تو یہ وہ عذاب ہے جس کے برابر کوئی اور نہیں۔ یہ لوگ سب سے زیادہ عذاب کے مستحق اور سب سے کم ثواب کمانے والے ہیں۔ جب عاشق کا دل تصویر سے لگا رہے اور وہ اس کا غلام بن جائے، تو اس کے لیے شر اور فساد کی اتنی اقسام و انواع اکٹھی ہو جاتی ہیں جنہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ سب سے بڑی آفت دل کا اللہ کی یاد سے غافل ہو جانا ہے۔ کیونکہ جب دل اللہ تعالی کی عبادت اور خالص اس کے لیے ہو جانے کا ایک دفعہ مزہ چکھ لے تو اس سے بڑھ کر اسے کوئی اور چیز میٹھی، لذیذ اور بھلی نہیں لگ سکتی۔“

امام ابن کثیر ’البدایہ والنہایہ‘ میں ۲۷۹ھ کے واقعات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اِس سال عبدہ بن عبد الرحیم بھی فوت ہوا۔ اللہ اسے رسوا کرے۔ ابن الجوزی نے ذکر کیا کہ یہ شخص سلطنت روم کے علاقوں میں خوب جہاد کرنے والا تھا۔ کسی جنگ میں مسلمانوں نے ایک شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس شخص کو شہر کے قلعے میں ایک رومی عورت نظر آئی اور وہ اس پر عاشق ہو گیا۔ اس نے عورت کو خط بھیجا کہ تم تک پہنچنے کا کیا راستہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ عیسائی بن جاؤ اور قلعہ تک چڑھ آؤ۔ اس شخص نے بات مان لی۔ اور مسلمانوں کا خیال کیے بغیر اس عورت تک پہنچ گیا۔ مسلمانوں کو بہت دکھ ہوا اور ان پر یہ بات بہت گراں گزری۔ کچھ عرصے بعد مسلمانوں کا گزر اس قلعے پر ہوا تو یہ شخص وہاں اس عورت کے ساتھ ملا۔ مسلمانوں نے کہا اے فلاں! تمہارے قرآن کا کیا ہوا؟ تمہارے علم کا کیا ہوا؟ تمہارے روزے کا کیا ہوا؟ تمہارے جہاد کا کیا ہوا؟ تمہاری نماز کا کیا ہوا؟ تو اس نے کہا سنو! میں پورا قرآن بھول گیا ہوں ماسوائے اس آیت کے:

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ○ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ○ (سورۃ الحجر: ۲،۳)

'کسی وقت کافر لوگ آرزو کریں گے کہ اے کاش وہ مسلمان ہوتے ان کو اُن کے حال پر رہنے دو کہ کھائیں اور مزے اڑائیں اور (طول) امل ان کو (دنیا میں) مشغول کئے رہے عنقریب ان کو (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔'

اور اب تو مجھے اِن سے دولت اور اولاد بھی حاصل ہو گئی ہے۔"

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ 'التذکرہ' میں فرماتے ہیں:

"مصر میں ایک شخص اذان اور نماز کے لیے باقاعدگی سے ایک مسجد آتا جاتا تھا۔ اس پر عبادت کا حسن اور اطاعت کا نور نظر آتا تھا۔ ایک دن اپنی عادت کے مطابق اذان دینے منارے پر چڑھا۔ منارے کے نیچے ایک ذمی عیسائی کا گھر تھا۔ اس کی نگاہ نیچے پڑی تو اسے گھر والے کی بیٹی نظر آئی۔ وہ اس کے فتنے میں مبتلا ہو گیا اور اذان چھوڑ دی۔ نیچے اترا اور اس کے گھر جا پہنچا۔ لڑکی نے کہا: کیا بات ہے تمہیں کیا چاہیے؟ اس نے کہا: مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ لڑکی نے کہا: بھلا کیوں؟ جواب دیا کہ تو نے میری عقل چرا لی اور میرے دل پر غالب ہو گئی۔ لڑکی نے کہا: میں مشکوک بات نہیں مانوں گی۔ اس شخص نے کہا: تو میں تم سے شادی کر لیتا ہوں۔ لڑکی نے کہا: تم تو مسلمان ہو اور میں عیسائی۔ میرے والد تم سے کبھی بھی میری شادی نہیں کرائیں گے۔ اس نے کہا: تو میں عیسائی بن جاتا ہوں۔ لڑکی نے کہا: اگر تم ہو گئے تو میں کر لوں گی۔ چنانچہ شادی کی خاطر وہ عیسائی ہو گیا اور اُنہی کے ساتھ گھر میں رہنے لگا۔ اسی دن وہ گھر کی چھت پر چڑھا اور وہاں سے گر کر مر گیا۔ تو دیکھو کیسے اپنا دین بھی گنوایا اور عورت بھی نصیب نہ ہوئی۔ اللہ کی پناہ والعیاذ باللہ انجام بد اور برے خاتمے سے۔"

'ذم الهوی' میں ابو الفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بغداد میں ایک شخص کے بارے میں مجھے خبر پہنچی جسے 'صالح مؤذن' کہا جاتا تھا۔ چالیس سال تک اذان دیتا رہا۔ اس کی نیکی مشہور تھی۔ ایک دن اذان دینے منارے پر چڑھا تو اس کی نظر ایک عیسائی کی بیٹی پر پڑی جس کا گھر مسجد کے ساتھ تھا۔ یہ شخص اس لڑکی کے فتنے میں پڑ گیا۔ گھر جا کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ لڑکی نے کہا: کون؟ جواب دیا: صالح مؤذن ہوں۔ لڑکی نے دروازہ کھول دیا۔ اس نے داخل ہوتے ہی لڑکی کو گلے لگائے۔ لڑکی بولی: تم لوگ تو امانتوں کے رکھوالے ہو یہ کیسی خیانت کر رہے ہو؟ اس نے کہا: جو میں چاہتا ہوں یا اس پر راضی ہو جاؤ اور یا میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ اس نے کہا: نہیں! البتہ اگر تم اپنے دین سے پھر جاؤ تو ممکن ہے۔ اس شخص نے کہا: میں اسلام اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو لائے ہیں اس سے بری ہوں۔ پھر وہ لڑکی کے نزدیک ہوا۔ لڑکی نے کہا: تم نے تو یہ اس لیے کہہ دیا کہ اپنا مقصد پورا کر لو اور پھر دوبارہ مسلمان ہو جاؤ۔ اگر سچے ہو تو سور کا گوشت کھاؤ۔ اس شخص نے سور کا گوشت کھا لیا۔ لڑکی نے کہا: تو پھر شراب بھی پی لو۔ اس نے شراب بھی پی لی۔ جب نشہ چڑھ گیا اور وہ لڑکی سے قریب ہوا تو لڑکی ایک کمرے میں چلی گئی اور دروازہ بند کر دیا۔ اور اس سے کہا: تم چھت پر چڑھ جاؤ جب میرے ابو آئیں گے تو میری شادی تم سے کر دیں گے۔ یہ شخص چھت پر چڑھا اور گر کر مر گیا۔ لڑکی نے نکل کر اسے ایک کپڑے میں لپیٹ دیا۔ اس کے والد آئے تو اس نے پوری کہانی سنائی۔ اس کے والد نے راتوں رات اسے نکال کر راستے میں پھینک ڈالا۔ جب اس کی خبر پھیلی تو اسے کوڑے میں پھینک دیا گیا۔"

☆☆☆☆☆

امنیت (سکیورٹی) ۴

الشیخ المجاہد سیف العدل

امنیت کے بنیادی اصول

امنیت کے کچھ عام اصول ہیں جن کو یاد رکھنا ہر مجاہد کی لازمی ذمہ داری ہے۔ تاکہ وہ ایسے امنیاتی اقدامات کے ذریعے اپنا، اپنے بھائیوں اور عملی کاموں کی سکیورٹی/امنیت کا خاطر خواہ بندوبست کر سکے۔

پہلا اصول: 'بیداری' امنیت کی ریڑھ کی ہڈی ہے

ایک مسلمان کو ہمیشہ بیدار اور ہوشیار رہنا چاہیے تاکہ دشمن کبھی بھی اسے اچانک دبوچ نہ سکے اور اس کے اوپر قابو نہ پا سکے۔ ہر حال میں اور ہر جگہ پر بیداری ضروری ہے۔ مجاہد بھائی کو چاہیے کہ کوئی بھی ایسا معاملہ نہ چھوڑے جس کی سکیورٹی کا بندوبست وہ سونے سے پہلے نہ کر لے۔ اسی طرح گھر سے نکلنے سے پہلے، سفر پر جانے سے پہلے اور سفر کے دوران بھی اپنی سکیورٹی کا بندوبست کر لیا کرے، تاکہ اگر خدانخواستہ کسی جگہ پر اس کا سامنا دشمن سے ہو جائے تو وہ اور اس کے بہت سے ساتھی اس طرح کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

اس امنیاتی بیداری کو عمدہ اور بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ مجاہد ہمیشہ ایسی معلومات کا حصول کرتا رہے جو اسے اس کے کام میں فائدہ دیں۔ خاص طور پر اسے مسلمانوں کے ساتھ سارے ملکوں میں پیش آنے والے حالات اور ان کی خبروں پر نظر رکھنی چاہیے۔

اسی کے ذیل میں ایسی ضروری کتب جو اسے فائدہ دے سکیں، ان کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح سے میرے مجاہد بھائیو، آپ کو چاہیے کہ آپ ہر جگہ اپنے مجاہد بھائیوں سے سوال و جواب کے ذریعے معلومات کا تبادلہ کرتے رہیں۔ انہیں کیسے گرفتار کیا گیا؟ ان کی کیا غلطیاں تھیں؟ اور کون کون سے خفیہ ٹھکانے تھے جن کی کھوج لگانے میں دشمن کامیاب ہوا؟ اور آپ کے متعلق دشمن کے پاس کیا کیا معلومات تھیں؟ وغیرہ۔ اسی طرح باہر کے ساتھیوں سے بھی معلومات لینی چاہیے ہیں کہ جیل کے باہر کیا ہو رہا ہے؟ ہمارے ساتھیوں نے کیا کیا؟ اور کیا کہا؟ یہ سارے امور ایسے ہیں جو ایک مجاہد کو وسیع معلومات فراہم کرتے ہیں اور اسے ہمیشہ بیدار رکھتے ہیں۔

دوسرا اصول: کور علاج سے بہتر ہے

'کور' سے یہاں مراد ایسے اقدامات، احتیاط اور تدابیر ہیں جن کے ذریعے اللہ کے اذن سے ایک مجاہد دشمن کے ہاتھوں، اس کی آنکھوں اور اس کے کانوں سے بچ سکتا ہے۔ جبکہ 'علاج' سے مراد امنیاتی اقدامات میں واقع ہونے والی غلطیوں کا علاج ہے، تاکہ ماضی میں کی گئی امنیتی غلطیوں کے نقصانات کا ازالہ ہو سکے۔

حقیقی بات یہ ہے کہ کسی بھی عمل کے لیے امنیاتی اقدامات کی لازمی منصوبہ بندی ایک ایسی بنیادی چیز ہے جو تمام مراحل میں ایک عام فرد سے لے کر ایک قائد تک ہر مجاہد کے ذہن میں ہونی چاہیے۔ یہ سب اس لیے، تاکہ کاموں کے دوران خطا اور لغزش غالب عنصر نہ بن جائے۔ یہ بات جاننی چاہیے کہ پہلے سے کی ہوئی امنیاتی (سکیورٹی) منصوبہ بندی غلطیوں اور نقصانات کی مقدار اور اثرات کو کم کر دیتی ہے کیونکہ اس منصوبہ بندی کے ذریعے غیر متوقع حالات کا 'علاج' کیا گیا ہوتا ہے۔

اس لیے مجاہد بھائیو، یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ غلطی سرزد ہو جانے کے بعد اس کا 'علاج' اور اس کے لیے امنیاتی اقدامات کرنا بعض اوقات معاملات کو اور پیچیدہ کر دیتے ہیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ ابتدا ہی سے امنیاتی اقدامات کر لیے جائیں۔

تیسرا اصول: نہ اِفراط نہ تفریط

'اِفراط' زیادتی کرنے کو اور 'تفریط' کمی کرنے کو کہتے ہیں، اور بہترین امور وہ ہیں جن میں میانہ روی اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (سورۃ البقرۃ: ۱۴۳)

"اور (مسلمانو) اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا ہے۔"

یہ عظیم عقیدہ جسے اللہ عزوجل نے ہمارے لیے پسند فرمایا ہمیں اس قابل بناتا ہے کہ ہم تمام امور میں اعتدال کی راہ کو اپنائیں۔ پس جب ہم یہ کہتے ہیں کہ احتیاط کی ضرورت بہت زیادہ ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ ہم عمل ہی چھوڑ دیں اور اس میں سستی سے کام لینا شروع کر دیں کہ اس سے ہم نظروں میں آ جائیں گے، یا اس کے برعکس ہم اپنے کام کی محبت میں اور اس کو تیزی سے سرانجام دینے کی خواہش میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں۔ یہ ایسا فہم ہے جس کا تمام امور میں لحاظ رکھنا چاہیے۔

اس لیے مجاہد بھائیو، آپ پر واجب ہے کہ جب آپ کوئی امنیاتی اقدام اٹھائیں یا اپنے ساتھیوں کو کوئی اہم کام سونپیں، چاہے وہ کام چھوٹا ہو یا بڑا، تو ان ساتھیوں کو صرف اتنی ہی معلومات فراہم کریں جتنی کی انہیں ضرورت ہے اور انہیں اس میں احتیاط ترک نہ کرنے دیں کیونکہ ایسا کرنا آپ کی غفلت اور کوتاہی اور آپ ہی کا قصور سمجھا جائے گا، بلکہ بعض اوقات بہت بڑا گناہ بھی بن جائے گا جس کے سبب کوئی مجاہد بھائی زخمی، شہید یا قید ہو سکتا ہے۔

دوسری طرف انہیں معلومات کا انبار بھی نہ دو جو ان کی ضرورت سے بہت زیادہ ہو، کیونکہ خدانخواستہ اگر وہ گرفتار ہوں یا کسی بھی غیر متوقع مصیبت میں پھنس جائیں تو ایسی معلومات دیگر معاملات کا دشمن پر کھل جانے کا سبب بن سکتی ہیں۔ پس بہترین امور میانہ روی کے ہیں اور امور کو ان کی ضرورت کے مطابق ہی وسعت دی جانی چاہیے۔

چوتھا اصول: معلومات صرف متعلقہ فرد کے لیے

معلومات صرف اسی کو دینی چاہیے جس نے اس سے استفادہ کرنا ہو اور بروئے کار لانا ہو، جیسے کہ کوئی معلومات کو محفوظ کرنے کا ذمہ دار ہو یا یہ معلومات کسی کے حوالے کرنے کی ذمہ داری اسے دی گئی ہو یا اس نے کوئی کام سر انجام دینا ہو جس کے لیے یہ معلومات ضروری ہوں۔

اسی طرح مجاہد کے لیے واجب ہے کہ معلومات کو اس کے لیے موزوں اور صحیح جگہ پر رکھے۔ میں نے خود بعض ذمہ داران کو اس معاملے میں سنگین غلطی کرتے ہوئے دیکھا ہے، کہ انہوں نے بارِ ذمہ داری اٹھانے کی تربیت کرنے کے غرض سے بعض ساتھیوں کو بہت سی ایسی معلومات دیں جن کی انہیں چنداں ضرورت نہ تھی اور اس غلطی کا خمیازہ انہیں بعد میں بھگتنا پڑا۔ مقصد یہ نہیں ہے کہ میں مجاہد ساتھیوں کی تعلیم وتربیت کے خلاف ہوں لیکن یہ سب کچھ اس قیمت پر نہیں ہونا چاہیے کہ اُمت کی سطح کے معاملات داؤ پر لگا دیے جائیں اور رازداری کا باب بالکل بند کر دیا جائے۔

بعض ساتھی ایسے بھی ہیں جو تالیفِ قلب یا اطمینانِ قلب کا دعویٰ کرتے ہوئے معلومات دے دیتے ہیں اور یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ جب ایسا کوئی ساتھی دشمن کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے تو وہ تعذیب کی شدت کی وجہ سے سب کچھ اگل دیتا ہے اور اس طرح 'امیر' خود راز افشا کرنے کا حقیقی سبب پیدا کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ معلومات صرف اسی کو دی جائے جس سے متعلق ہو۔

پانچواں اصول: معلومات اپنے وقت پر اور ضرورت کے مطابق

معلومات ہمیشہ 'بقدرِ ضرورت' ہی دی جانی چاہیے کیونکہ یہ معلومات ہی ہے جس کی بنیاد پر کوئی کام کیا جاتا ہے۔ مجاہدین کی جماعت ہمیشہ معلومات کے حصول کی طرف لگی رہتی ہے تا کہ اسے اہداف حاصل کرنے میں آسانی ہو اور وہ مختلف امور کو دشمن کے ہاتھوں اور اس کی آنکھوں سے بچا سکے۔ جس طرح دشمن ہمیشہ تمام امکانات اور وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے مسلمانوں کے راز چرانے اور ان کی معلومات حاصل کرنے کی ناپاک کوششوں میں لگا رہتا ہے۔

لیکن یہ بات بڑے افسوس کے ساتھ کہنی پڑتی ہے کہ وہ تمام معلومات بڑی سہولت کے ساتھ حاصل کر لیتا ہے کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت اپنی معلومات کی حفاظت کے معاملے میں غفلت کا شکار ہے۔ اس لیے بہت سے قائدین جب کسی مجاہد بھائی کو کوئی کام سونپتے ہیں تو وہ اسے بہت زیادہ معلومات دے دیتے ہیں اور کبھی اسے کسی اہم کام کی انجام دہی کے بعد کہتے ہیں کہ اب میں تمہیں ایسے ایسے معاملات سونپوں گا، حالانکہ کسی بڑے کام کی تکمیل کے بعد کے کچھ عرصے کے لیے ساتھی اپنی سیکورٹی کے لحاظ سے ممکنہ گرفتاری کے خطرے میں ہوتا ہے۔ جب کہ ایسی صورتِ حال میں قائد کے لیے بہتر یہی تھا کہ وہ اپنی معلومات کی حفاظت کرتے اور صرف ضرورت کے مطابق ہی کسی کے ساتھ شریک کرتے۔ جیسا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ مبارکہ دیکھتے ہیں کہ ماسوائے غزوۂ تبوک کے آپ ﷺ نے ہمیشہ کسی اور سمت کا ارادہ ظاہر فرمایا اور جس سمت میں دراصل جانا تھا، اسے آخری وقت تک مخفی رکھا۔ یہ اس وجہ سے ہر گز نہ تھا کہ آپ ﷺ کے اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر کوئی نقص تھا بلکہ اس سے مقصود ان کی عسکری تربیت تھی تا کہ وہ ہر کام کو بطریقِ احسن ادا کر سکیں۔

بقدرِ ضرورت معلومات دینے کے فوائد

اس لیے جب بھی معلومات بقدرِ ضرورت دی جاتی ہے تو اس سے بہت زیادہ فائدے حاصل ہوتے ہیں، مثلاً:

- مجاہدین کی تربیت کہ ان کی معلومات ایک خاص دائرے میں رہے۔
- مامورین کا امیر پر اس کی اعلیٰ تدابیر کے سبب زیادہ اعتماد۔
- ضروری کاموں کی سیکورٹی کی ضمانت۔
- غیر متوقع غلطیوں کا علاج کیونکہ خفیہ معلومات کی معرفت کا دائرہ تنگ ہوتا ہے۔

معلومات کے معاملے میں امنیت کا خیال نہ رکھنے کے نقصانات

معلومات کے معاملے میں امنیتی اقدامات نہ اٹھانے والے کے لیے بہت سے نقصانات بھی ہیں، مثلاً:

- مثالی سیکورٹی کا فقدان۔
- دشمن کے لیے جماعت کے راز جاننے میں سہولت کیونکہ معلومات جماعت کے افراد میں ایک وسیع دائرے تک پھیل چکی ہوتی ہیں۔
- کاموں کو بہتر طور پر انجام نہ دے سکنا کیونکہ وہ دشمن کی نظروں سے محفوظ نہیں ہیں۔
- غیر متوقع غلطیوں کا علاج مشکل ہو جانا کیونکہ معلومات ساتھیوں کے درمیان بہت مشہور ہو چکی ہوتی ہیں۔

بروقت معلومات

پس جب ہم نے معلومات کی مقدار اور اس کے بقدرِ ضرورت ہونے کو واضح کر دیا تو اس کی اہمیت وقت کے ساتھ اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ معلومات دراصل وقت کے ساتھ بندھی ہوئی ہوتی ہے، مقصود چاہے اسے جمع کرنا ہو یا پھیلانا۔ جہاں تک معلومات جمع کرنے کا تعلق ہے تو

اس کے لیے لازم ہے کہ وہ پہلے سے طے کیے گئے منصوبے کے مطابق ہو، جس میں اسے جمع کرنے کا وقت متعین ہو۔ چاہے کسی خاص وقت میں ایسی معلومات کا جائزہ لینا ہو یا پھر اس معلومات کو کسی تک پہنچانا ہو۔ مثلاً کسی مسؤول نے معلومات کا مشاہدہ کرنا ہو تو مقررہ وقت پر اسے لازمی پہنچا دینا چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تاخیر کے سبب انہیں اس کا علم نہ ہو پائے یا معلومات جمع کرنے والا دشمن کی نظر میں آجائے۔

جہاں تک معلومات کو پھیلانے کا تعلق ہے تو یہ بھی مقررہ وقت پر ہونا چاہیے اور اس سے قبل معلومات کو نہیں پھیلانا چاہیے۔ مثلاً:

- دشمن کے خلاف کسی بڑی کارروائی سے پہلے اور بعد میں۔
- جس وقت دشمن مجاہدین پر نظر رکھنے کے لیے تیار کھڑا ہو۔
- جب بڑے پیمانے پر مجاہدین گرفتار ہو رہے ہوں۔

درست وقت پر معلومات فراہم کرنے کے فوائد

ضرورت پڑنے پر ایسی معلومات دینا اور پہنچانا واجب ہے۔ یہی سکیورٹی کے لیے بہتر ہے۔ جیسے کہ ہم سیرتِ رسول ﷺ میں دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ عبد اللہ بن جحشؓ کو ایک بند خط دیتے ہیں اور انہیں حکم دیتے ہیں کہ اس خط کو دو دن کا سفر طے کرنے کے بعد کھولنا۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے مناسب وقت متعین فرمایا جس وقت انہیں وہ معلومات حاصل ہو اور ان کے لیے مفید ہو۔ یہ سب مسلمانوں کی معلومات کی سکیورٹی اور حفاظت اور اس رازداری پر ان کی تربیت کے لیے تھا۔ ایسے اقدام کے بہت عظیم فوائد ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

- مستقبل کے کاموں کی امنیت و سکیورٹی کی حفاظت ہے۔
- کاموں کے دوام کی ضمانت ہے۔
- بھائیوں کو غیر مناسب وقت میں معلومات سے دور رکھ کر انہیں پریشانی سے بچانا ہے۔
- کاموں میں غیر متوقع عنصر سے حفاظت ہے۔

چھٹا اصول: ایک غلطی بڑے خطرے کا باعث بن سکتی ہے

بعض غلطیاں ایسی ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پہلی غلطی آخری غلطی شمار ہو گی کیونکہ ایسی غلطیوں کے وقوع پذیر ہو جانے کے بعد ان کا علاج ممکن نہیں ہوتا۔ پس جو مجاہد کسی کام کو سر انجام دے رہا ہو اس کے لیے لازمی ہے کہ وہ اس کام کو جانتا بھی ہو۔ کتنا ہی ہم کسی بھی ساتھی کے بارے میں سنتے ہیں کہ وہ بھائی مائن لگا رہا تھا اور وہ پھٹ گئی اور بعد میں پتہ چلتا ہے کہ اس بھائی کو اس کے بارے میں کوئی علم نہ تھا یا یہ کہ اس نے اس کے متعلق کوئی کتاب پڑھی اور اس کو عملاً کرنے بیٹھ گیا۔

اسی طرح امنیت کے معاملے میں بعض معاملات ایسے ہیں جن میں پہلی غلطی ہی آخری شمار ہوتی ہے بلکہ یہ غلطی اس بھائی کے عمل سے زیادہ خطرناک ہو سکتی ہے جو بغیر علم کے بارود سے کھیل رہا ہوتا ہے۔ مثلاً ایسا فرد جو ایک وقت میں جماعت کا حصہ تھا لیکن بعد میں اس کی بصیرت کھو گئی اور وہ دشمن کے ہاتھوں میں کھیلنے لگا یہاں تک کہ اس نے مجاہدین کے تمام راز دشمن کو بتا دیے۔ پھر بعد میں وہ توبہ کر لیتا ہے یہاں تک کہ جماعت کا امیر ایک بڑی غلطی کرتے ہوئے اس فرد کو جماعت میں دوبارہ اسی حیثیت میں قبول کر لیتا ہے۔ پس ایسا امیر ہر گز اپنے نفس کے علاوہ کسی کو ملامت نہ کرے۔

ہر وہ شخص جو اللہ کے دین کے لیے کام کر رہا ہے اسے چاہیے یہ بات ذہن میں اچھی طرح بٹھا لے کہ ہر زمانے اور ہر جگہ میں دشمن کے لیے کام کرنے والا ایسا شخص مسلمانوں کے لیے اصل دشمن سے زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں وہ ایسی غلطیوں کے باعث جو بہت بھاری ہیں کسی ایک آدمی کو نہیں بلکہ پوری جماعت کو خطرے میں مبتلا کر رہا ہے اور ہم اللہ سے ایسی باتوں میں سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

ساتواں اصول: شدید خطرناک حالات میں اصل قاعدہ چھپنا ہے

جب حالات بہت زیادہ شدید ہوں اور دشمن کی طرف سے پکڑ دھکڑ میں بہت تیزی آچکی ہو تو ایسے میں مجاہد بھائیوں کو چاہیے کہ مکمل طور پر کسی پر امن جگہ میں پناہ گزین ہو جائیں۔ ایسی پر امن جگہ جہاں ''امنیت ''یعنی سکیورٹی کی تمام شروط پوری ہوں اور وہ ایسی حالت میں سوائے کسی اشد ضرورت کے اپنی جگہ بالکل نہ چھوڑیں۔ کیونکہ تحرک ان کے لیے خطرے کا باعث ہو سکتا ہے اور اس طرح دشمن ان کو آسانی سے گرفتار کر سکتا ہے۔ پھر ہمارے دشمن کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ:

> ''ہم بھاگنے والے کو پکڑنے کے لیے متحرک ہوتے ہیں اور وہ بہت سے اسباب کی وجہ سے اپنے فرار کے دوران متحرک ہوتا ہے، پس جب دو لوگ متحرک ہوں تو وہ کہیں تو مل جائیں گے۔''

حرکت کرنے کے اسباب

یہاں سے ہمارے لیے واضح ہوتا ہے کہ ایک جگہ ٹھہرے رہنا اور حرکت نہ کرنا کس قدر اہم ہے۔ بہت سے ایسے اسباب ہیں جن کے باعث آدمی کو اپنی پناہ گاہ سے حرکت کرنی پڑتی ہے اور پھر اس وجہ سے وہ ظاہر ہو جاتا ہے اس لیے ہم ایسے اسباب کا کچھ مناسب علاج ذکر کر دیتے ہیں۔ جبکہ ایسے کچھ اسباب درج ذیل ہیں۔

- اپنے گھر والوں بالخصوص خواتین کو اطمینان میں لانا اور ان کو اعتماد میں لینا۔
- بعض بھائیوں کے ساتھ رابطہ کرنا تاکہ بعض کاموں کی وضاحت کر دی جائے۔
- اپنے ساتھ کام میں شریک باقی مجاہد ساتھیوں کو اطمینان دلانا۔
- اپنی پناہ گاہ میں تنگ پڑ جانا اور کوئی نئی جگہ تلاش کرنا۔

حرکت کرنے کے اسباب کا علاج

جہاں تک ان اسباب کے مناسب علاج کا تعلق ہے تو وہ یہ ہیں:

- کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے اہل و اقارب کو اچھی طرح محفوظ بنانا۔
- پناہ گاہ کی جگہ کا خود انتخاب کرنا جہاں سکیورٹی کی شرائط پوری ہوں اور اسی طرح متبادل جگہ کا انتظام بھی کرنا۔
- اس سارے عرصہ کے دوران اپنے بھائیوں سے رابطہ بالخصوص ٹیلی فونک[1] رابطہ بالکل کاٹ لینا۔
- کوئی کام شروع کرنے سے پہلے تمام اہم کاموں کو اچھی طرح نمٹا لینا۔
- اپنا ایسا نائب مقرر کر دیں جو آپ کی عدم موجودگی میں جب تک آپ پناہ گزیں ہیں بغیر آپ سے رابطہ کیے آپ کے کام سر انجام دیتا رہے۔

آٹھواں اصول: اپنی عادات کے قیدی نہ بنیں

بہت سے لوگ اپنے کھانے میں، پینے میں، سفر میں، حرکت میں، سونے کے وقت، لہجہ میں اور دوسروں سے بات کرتے وقت کچھ خاص عادات و اطوار اپنا لیتے ہیں۔ جبکہ وہ مجاہد بھائی جو اللہ کے دین کے لیے کام کرتے ہیں وہ بھی ایسے ہی انسان ہیں، ان کی بھی عادات ہیں، طور طریقے ہیں اور ایسی ممیز عادات ہیں جن کا انکار نہیں لیکن بعض عادات ایسی ہیں جن کی تاثیر امنیت کے اعتبار سے کچھ اچھی نہیں ہے جیسے بعض بھائیوں کی عادت ہوتی ہے کہ کیسے بھی حالات ہوں وہ کوئی معین لباس پہن لیتے ہیں، یا کسی مخصوص راستے پر گزرنے کو عادت بنا لیتے ہیں، یا ایسے اوقات میں حرکت کرتے ہیں جن میں دشمن کی نگرانی کا خوف ہوتا ہے یا رابطوں کے لیے ایک ہی وسیلہ اختیار کر لیتے ہیں۔ پس یہ تمام اشیاء دشمن کو ایسے مجاہد کی نگرانی کرنے، اس پر نظر رکھنے اور اس کے حرکات کو سہولت کے ساتھ جاننے میں مدد دیتی ہیں۔ پس ان حالات میں اگر کسی کو کوئی اچانک مشکل درپیش آ جائے تو اس کے لیے خلاصی کی کوئی راہ آسانی سے سجھائی نہ دے گی۔ اس سے ایک مجاہد کے لیے اس بات کی اہمیت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے کہ وہ روزانہ کے معمولات میں عام لوگوں کے ساتھ گھل مل کر ان کی عادات کو جانچے اور ان پر نظر رکھے تاکہ وہ اپنی خاص عادات کا قیدی بن کے نہ رہ جائے کیونکہ ایسا نہ کرنے سے خطرہ ہے کہ وہ کہیں دشمن کے ہتھے چڑھ جائے۔

پس اللہ کے دین کے لیے کام کرنے والے مجاہد کے لیے ضروری ہے کہ اپنے دل و دماغ میں ایسے مستقل ایمانی فہم کو جگہ دے اور اپنے نفس پر ظلم سے بچے۔ پس کسی کا ایسا وطیرہ ہو گا تو اسے ہدایت کے ساتھ، سلامتی کے ساتھ دنیا و آخرت میں اللہ کے وعدے کے ساتھ خوش ہو جانا چاہیے۔ اے اللہ ہمیں دونوں جہانوں میں سلامتی والا بنا دے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

[1] انٹرنیٹ رابطے بھی اسی ٹیلی فونک رابطوں کی ایک جدید شکل ہیں۔ (ادارہ)

عالمی نظام میں تیسری دنیا کے ممالک کی حیثیت

دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ نے اپنے آپ کو دنیا کی سپر پاور باور کروا کر برطانیہ اور فرانس کے مقبوضہ خطوں کو اپنے کنٹرول میں لے لیا۔ اپنی قوت کے بل بوتے پر پوری دنیا پر اپنی معاشی برتری کا سکہ بٹھایا۔ ان تمام تر معاملات میں ترقی پذیر ممالک کو یہ حیثیت دی کہ وہ نہ ختم ہونے والے قرضوں میں جکڑے رہیں، اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے معاشی میدان میں عالمی بینک اور عالمی مالیاتی فنڈ بنائے تاکہ یہ دونوں ادارے ترقی پذیر ممالک کو سڑکیں بنانے، ایئرپورٹ بنانے، بندرگاہ بنانے کے لیے بھاری بھر کم قرضے دیں، اس پورے منصوبے کا فائدہ صرف اور صرف چند افراد اٹھا سکیں، جیسے سرمایہ دار اور ان ممالک کے فوجی عہدیدار یا سیاست دان، جبکہ باقی عوام ہمیشہ کے لیے ان قرضوں کے بوجھ تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہوں۔

یہ تمام ممالک مسلسل ان قرضوں اور ان پر چڑھنے والے سود ادا کرنے میں ہی لگے رہیں گے تاکہ وہ کسی ایسے شعبے کا سوچ بھی نہ سکیں جس میں وہ خود کفیل ہو سکیں، ان قرضوں کی ادائیگی سے اگر کوئی ملک عاجز آ جائے تو انہیں عالمی مالیاتی فنڈ اور عالمی بینک ایسی کڑی شرائط کے ساتھ مزید قرضے فراہم کریں گے جن شرائط کے نتیجے میں ان ممالک کے داخلی معاملات میں دخیل ہو سکیں اور پورے ملک کے معاملات میں دخل اندازی کر کے عسکری، ادارہ جاتی اور ہر طرح کے معاملات اپنی مرضی کے مطابق چلا سکیں۔

یہاں بعض ممالک ایسے ہیں جن کی آزادی و خود مختاری بھی امریکہ کو گروی دے دی گئی ہے جو اقوام متحدہ کے اجلاسوں میں امریکہ کے مؤقف کی ہی حمایت کریں گے۔ اسی طرح بعض ممالک پر لازم کر دیا گیا ہے کہ وہاں امریکی اڈے قائم کیے جائیں گے بلکہ اس پر مستزاد ان ممالک کے قدرتی ذخائر کو امریکی کمپنیوں کے قبضے میں دے دیا جائے، جو حقیقت میں عوام کا حق ہے۔ اس طرح ترقی پذیر ممالک کی عوام انسانی حقوق کی بنیادی سہولیات جیسے: تعلیم، صحت، روزگار سے اس بہانے محروم رہیں گے کہ وہ عالمی مالیاتی اداروں کے مقروض ہیں۔

یہ سب کچھ اس لیے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں، یہی وجہ ہے کہ تیسری دنیا کو تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

(شیخ ابو محمد مصری رحمۃ اللہ علیہ)

الشوک والقرنفل
کانٹے اور پھول ۸

شیخ یحییٰ السنوار شہید رحمۃ اللہ علیہ کا شہرۂ آفاق ناول

مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ بطلِ اسلام، مجاہد قائد، شہیدِ امت، صاحبِ سیف و قلم شیخ یحییٰ ابراہیم السنوار رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان اور جذبۂ جہاد و استشہاد کو جلا بخشتے، آنکھیں اشک بار کر دینے والے خوب صورت ناول اور خود نوشت و سرگزشت ’الشوک والقرنفل‘ کا اردو ترجمہ، قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ ناول شیخ نے دورانِ اسیری اسرائیل کی بئر سبع جیل میں تالیف کیا۔ بقول شیخ شہید اس ناول میں تخیل صرف اتنا ہے کہ اسے ناول کی شکل دی گئی ہے جو مخصوص کرداروں کے گرد گھومتا ہے تاکہ ناول کے تقاضے اور شرائط پوری ہو سکیں، اس کے علاوہ ہر چیز حقیقی ہے۔ ’کانٹے اور پھول‘ کے نام سے یہ ترجمہ انٹرنیٹ پر شائع ہو چکا ہے، معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نذرِ قارئین ہے۔ (ادارہ)

تیرہویں فصل

تعلیمی سال ختم ہوا، اور الخلیل میں طارق بن زیاد اسکول کے طلباء سالِ آخر کے امتحانات میں شریک ہوئے، نتائج کا اعلان ہوا اور ثانوی تعلیم مکمل کرنے والے طلباء نے اپنے مستقبل کے مواقع تلاش کرنا شروع کر دیے۔ کچھ نے جامعہ الخلیل میں کلیۃ الشریعہ میں داخلہ لینے کا ارادہ کیا، جبکہ کچھ نے سعودی عرب کی جامعات میں تعلیم حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا، اور کچھ نے اردن کی جامعات کا رخ کیا۔

میری خالہ کے شوہر کا خواب تھا کہ وہ اردن کی جامعہ میں تعلیم حاصل کریں، لیکن انہیں احساس تھا کہ وقت ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور ان کی مصروفیات اتنی زیادہ ہو چکی ہیں کہ وہ تعلیم کے لیے وقت نہیں نکال سکتے، لہٰذا انہوں نے اپنے بھائی عبد الرحمن کی ثانوی تعلیم مکمل کرنے پر اپنے خواب کو پورا کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے عبد الرحمن سے جامعہ اردنیہ میں تعلیم حاصل کرنے کی بات کی، جس پر عبد الرحمن نے رضامندی ظاہر کی کیونکہ یہ اس کی بھی خواہش تھی، خاص طور پر کلیۃ الشریعہ میں تعلیم حاصل کرنے کی۔ یہ بات اس کے دوست جمال کی خواہش سے بھی ہم آہنگ تھی، جس کے ساتھ اس نے صوریف کے گاؤں میں پہاڑ کے دامن میں ملاقات اور گفتگو کی تھی۔ دونوں کو جامعہ اردنیہ کے کلیہ شریعہ میں داخلہ مل گیا۔ تعلیمی سال کے شروع ہونے سے قبل، دونوں عمان روانہ ہو گئے۔ عمان پہنچ کر انہوں نے اور دیگر طلباء نے مل کر المہاجرین کے علاقے میں ایک رہائشی مکان کرائے پر لیا۔ المہاجرین ایک عوامی علاقہ تھا جہاں کچھ فلسطینی بھی مقیم تھے۔ جامعہ میں ایک بالکل نئی دنیا ان کے سامنے آئی جو عبد الرحمن کے لیے صوریف، جمال کے لیے الخلیل، یا دونوں کے لیے طارق بن زیاد اسکول سے بالکل مختلف تھی۔

فکری زندگی، سیاسی تنازعات، سماجی آزادی، اور زندگی کے سرگرم اور مؤثر افراد کی قابلیت اور سطح، یہ سب کچھ ان کی سابقہ زندگیوں سے بالکل مختلف تھا۔ کلیۃ الشریعہ میں جہاں وہ تعلیم حاصل کر رہے تھے، طالبات کے حجاب پہننے کی سطح بہترین تھی، لیکن جامعہ میں عمومی طور پر زندگی الخلیل کے معاشرتی معیار کے مقابلے میں کافی حد تک کھلی تھی، خاص طور پر صوریف جیسے دیہات کے مقابلے میں۔

عبد الرحمن اور جمال نے اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ پہلے ہی کر لیا تھا اور اپنے تعلیمی دور میں جب وہ طارق بن زیاد اسکول الخلیل میں پڑھتے تھے، اسلامی تحریک میں شامل ہو گئے تھے اور اخوان المسلمین کے نظریات کو اپنانا شروع کر دیا تھا۔ یہاں عمان، اردنی یونیورسٹی کے شریعہ کالج میں، کئی اخوان المسلمین کے اہم رہنما اساتذہ کے طور پر موجود تھے جو شریعہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری رکھتے تھے۔ یہاں جمال اور اس کے ساتھی ایسے لوگوں سے ملے جو دعوتی اور عوامی کام میں ماہر تھے اور ان کے خوابوں سے بھی آگے تھے۔ اس لیے وہ طلبہ کے سرگرمیوں میں بہت زیادہ مصروف ہو گئے جن میں فکری اور سیاسی جدوجہد شامل تھی۔

اردنی یونیورسٹی میں طلبہ یونین کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا، لیکن اس کے باوجود طلبہ کی سرگرمیوں میں بہت زیادہ جوش و خروش تھا۔ طلبہ نے ’جمعیات‘ نامی انتخابات میں حصہ لیا، اور جمال نے شریعہ کالج کی ’جمعیت احیاء التراث‘ میں حصہ لیا اور اسلامی تحریک کے امیدواروں میں شامل ہو کر کامیاب ہوا۔ اس جمعیت نے ثقافتی، سیاسی، اور تعلیمی سرگرمیوں کو منظم کرنے میں حصہ لیا، جیسے کہ تاریخی مقامات کی سیر یا حج اور عمرہ کا انتظام۔ ایک رکن نے یوسف القرضاوی صاحب کا ’عالم وطاغیۃ‘ نامی ڈرامہ پیش کرنے کی تجویز دی۔ جمعیت نے اس خیال کو قبول کیا اور اس کی کامیابی کے لیے بھرپور محنت کی، ایک ٹیلی ویژن ڈائریکٹر کو بلایا گیا، تربیت دی گئی اور کئی بار ریہرسل کی گئی۔ جب ڈرامہ پیش کیا گیا تو اس نے بہت زیادہ کامیابی حاصل کی، اور کئی اساتذہ اور لیکچررز نے حیرت اور تعریف کا اظہار کیا۔

اسی دوران افغانستان پر روسی حملے نے یونیورسٹی میں طلبہ کی سرگرمیوں پر بڑا اثر ڈالا۔ اسلامی طلبہ نے افغان انقلاب اور مجاہدین کے بارے میں بات چیت شروع کی اور خود کو اس انقلاب کا حصہ سمجھنے لگے۔ اسلامی نوجوانوں میں افغانستان جا کر مجاہدین اور مسلمانوں کی مدد کرنے کی باتیں شروع ہو گئیں۔ جمعیت احیاء التراث نے ’عالم وطاغیۃ‘ ڈرامہ کے منافع میں سے پانچ ہزار دینار افغان مجاہدین کے لیے عطیہ کیے، جبکہ مجموعی اعانت پندرہ ہزار دینار تھی۔

یہودی بستیوں کی تحریک پورے مغربی کنارے میں بڑھی اور شدت اختیار کر گئی، جہاں بھی نظر دوڑاؤ توزمینوں کی ضبطی، بستیوں کا قیام اور یہودی آبادکاروں کو زمین پر قابض پاتے، جو اس زمین کو اپنی ملکیت سمجھ کر اس سے برتاؤ شروع کر دیتے۔ اس بات نے مقامی آبادی کو برہم کر دیا اور اس وقت کی قومی رہنمائی کمیٹی کو مظاہروں، ریلیوں اور مقبوضہ بستوں کے خلاف میڈیا مہمات کا آغاز کرنے پر مجبور کر دیا۔

واقعات نے شدت اختیار کی اور پتھراؤ اور مالوٹوف پھینکنے کی سرگرمیاں بڑھ گئیں، خاص طور پر مغربی کنارے کے کچھ کیمپوں میں جیسے کہ بیت لحم کے قریب الدہشہ کیمپ اور یروشلم سے الخلیل جانے والی سڑک پر جو آبادکاروں کی اکثریت سے گزرتی ہے، ان واقعات میں شدت آئی۔ اس پس منظر میں، یہودی آبادکاروں کا ایک انتہا پسند گروہ خفیہ طور پر تشکیل پانے لگا اور قومی رہنمائی کمیٹی کے فعال اراکین کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔ ان کی مدد مقامی انتظامیہ کے دھماکہ خیز مواد کے ماہرین کرتے تھے، انہوں نے کچھ شخصیات کے بارے میں معلومات جمع کیں اور ان کی گاڑیوں یا گیراج میں بم نصب کیے۔ قابض فوج نے بقیہ بموں کو دریافت کیا اور انہیں ناکارہ بنادیا۔ ان واقعات نے مقبوضہ علاقوں میں ہلچل مچادی اور اس دن کے صبح سے یہ بم پھٹنے لگے، جس سے کچھ لوگ زخمی ہوگئے۔ فوج نے اس صورتحال کو بہانہ بناکر اپنی کارروائیاں بڑھادیں اور عوامی سرگرمیوں کی سطح پر بے نظیر شدت پیدا ہوگئی، مگر اس کے برعکس مسلح مزاحمت کی سرگرمیوں میں واضح کمی آئی۔ ان سرگرمیوں کے مراکز میں سے ایک رام اللہ کے قریب موجود بیر زیت یونیورسٹی تھی، جو ان واقعات کے دوران قومی سرگرمیوں کا ایک نمایاں مرکز بن گئی۔

ایسے ماحول میں میرا بھائی محمد رام اللہ پہنچا کیونکہ اسے بیر زیت یونیورسٹی کے سائنس کالج میں داخلہ ملا تھا۔ یہ ایک نئی دنیا تھی جو اس کے کیمپ کی محفوظ اور بند دنیا اور عمومی طور پر غزہ کی دنیا سے بالکل مختلف تھی۔ بیر زیت یونیورسٹی میں اس وقت کوئی ایک لڑکی بھی سر ڈھانپے ہوئے نہیں نظر آتی تھی، سب لڑکیاں بناو سنگھار میں تھی اور لڑکوں سے بات چیت، مذاق کرنے میں جھجکتی نہ تھیں۔ یہ ایک بالکل کھلا معاشرہ تھا، جیسے کہ کسی مغربی معاشرے کا حصہ ہو۔ محمد کے لیے اس نئی زندگی میں ضم ہونا بہت مشکل تھا، کیونکہ اولاً اسے غزہ کے کیمپ یا الشاطئ کیمپ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملی تھی اور اس کی تربیت جو اس نے اپنے لیے منتخب کی تھی، اور مذہبی اصول جو اس نے اپنائے تھے، اس جگہ میں اس کی زندگی کو تقریباً ناممکن بنادیتے تھے۔

غزہ کی پٹی میں مسلح مزاحمت کے واقعات میں پلنے اور نشوونما پانے والا شخص فلسطینی منظرنامے میں ہر نئی تبدیلی کے پیش نظر ہونے والے مظاہروں میں قابض افواج کے ساتھ تصادم سے نمٹنا مشکل نہیں سمجھتا تھا، کیونکہ اس نے جو کچھ دیکھا اور تجربہ کیا تھا، اس کے مقابلے میں یہ واقعات چھوٹے اور آسان لگتے تھے۔

بیر زیت میں تمام گھروں کو پرانے طلبا نے کرایہ پر لے لیا تھا، اس لیے وہاں اس کے لیے جگہ نہیں ملی۔ اس لیے اسے اور دوسرے نوجوانوں کو رام اللہ میں کرایہ پر گھر لینا پڑا۔ اس طرح انہیں روزانہ رام اللہ سے بیر زیت سفر کرنا پڑتا تھا، جو کہ زیادہ لمبا نہیں تھا اور اس کی لاگت بھی محدود تھی، لیکن اس کی وجہ سے انہیں پورا دن اپنی پڑھائی کے کمرے، آرام اور کھانے سے اگلی لیکچرز کا انتظار کرتے ہوئے دور رہنا پڑتا تھا۔ اس گھر میں محمد نے کئی تضاد اور ایسی چیزیں دریافت کیں جو اسے پسند نہیں آئیں۔ وہ ان چھ نوجوانوں میں واحد تھا جو دین کا پابند تھا، جبکہ ان میں سے کچھ کے خیالات بالکل مختلف تھے۔ ان میں سے ایک کھلے عام مارکسی تھا اور اس وقت یونیورسٹی میں یہ سب سے مقبول نظریہ تھا۔ اس نوجوان نے محمد اور اس کی عبادت اور دین کا مذاق اڑانے سے کبھی گریز نہیں کیا، جس کی وجہ سے اکثر کمرے میں تناؤ اور قطع تعلق کی صورتحال پیدا ہو جاتی تھی۔

ایک اور نوجوان مطلقاً پڑھائی میں توجہ نہیں دیتا تھا، اس کا سارا دھیان لڑکیوں کی باتوں، ان کے حسن و جمال اور ان کے تعلقات پر ہوتا تھا۔ وہ اپنے اس میدان میں فتوحات کے قصے سناتا رہتا تھا، وہ گھنٹوں محبت نامے لکھنے میں گزار دیتا، ایک ہی وقت میں تین یا چار مختلف لڑکیوں کو تین یا چار خطوط لکھتا، پھر وہ بلند آواز میں ان خطوط کو پڑھتا تاکہ گھر میں موجود ہر کوئی انہیں سن سکے۔ اسے اپنی زبان و نحو کی بے شمار غلطیوں کی کوئی پروا نہیں ہوتی اور نہ ہی ان لوگوں کی جو سن رہے ہوتے اور اس سے باز رہنے کی درخواست کرتے۔

ہمارے مالی حالات بہت بہتر ہو گئے تھے، اس لیے محمد کے لیے مالی خرچ کے لحاظ سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ لیکن وہ جتنا ممکن ہو سکے بچت کی کوشش کرتا تھا تاکہ گھر پر بوجھ کم ہو، لیکن اس کے باوجود وہ اکثر یونیورسٹی کے ریستوران میں دوپہر کا کھانا کھانے جاتا تھا، خاص طور پر ان دنوں میں جب اگلے لیکچرز کا انتظار کرتے ہوئے اسے پورا دن یونیورسٹی میں گزارنا پڑتا تھا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب محمد کو نماز ظہر اور عصر پڑھنے میں مشکلات کا سامنا تھا، اور کبھی کبھی مغرب کی نماز میں بھی۔ یونیورسٹی میں کوئی مسجد نہیں تھی، اس لیے وہ یونیورسٹی کے باہر زیتون کے ایک درخت کے قریب جاکر نماز پڑھنے پر مجبور ہوتا تھا، لیکن کچھ ہی وقت بعد اسے معلوم ہوا کہ قصبے میں ایک مسجد ہے حالانکہ وہاں کے زیادہ تر لوگ مسیحی ہیں، اس کے بعد محمد نے جب بھی اس کے پاس لیکچرز کے درمیان وقت ہوتا تھا، مسجد میں نماز پڑھنے جانا شروع کر دیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اسے وہاں یونیورسٹی کے درجنوں طلباء ملے جو نماز پڑھنے آتے تھے اور اسلامی اصولوں پر عمل پیرا تھے۔

ان متدین نوجوانوں کی اس جماعت میں ایک دوسرے کے ساتھ زبردست ہم آہنگی اور محبت پیدا ہوگئی تھی، خاص طور پر ایسے ماحول میں جو کسی بھی قسم کی مذہبی تصویر کشی کے خلاف تھا۔ جب محمد رام اللہ واپس آتا تو کبھی کبھی رات کے وقت شہر کی پرسکون گلیوں میں نکلتا، عشاء کی اذان سن کر وہ اذان کی آواز کی پیروی کرتا اور مسجد پہنچ کر عشاء کی نماز پڑھتا۔

عشاء اور کبھی کبھی مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد اور پھر جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد، محمد نے علاقے کے کئی دیندار طلباء سے ملاقات کی جو یونیورسٹی میں اسلامی جماعت کی بنیاد ڈال رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر چلتے، قریبی مسجد میں نماز پڑھتے اور یونیورسٹی کی کینٹین میں ایک ہی میز پر بیٹھ کر چائے پیتے اور اپنی پڑھائی، یونیورسٹی کے معاملات اور دینی سرگرمیوں پر گفتگو کرتے۔ ایک اور میز پر فتح کے نوجوان بیٹھے ہوتے جو فتح گروپ کی بنیاد ڈال رہے ہوتے، اور دوسری میزوں پر جبهة العمل الطلابي کے طلباء اور طالبات بیٹھے ہوتے جو الجبهة الشعبية کے طالب علموں کا گروپ تھا۔ ہر میز پر کسی نہ کسی گروپ کے طلباء بیٹھے ہوتے، ہر گروپ اپنے پروگرام کی منصوبہ بندی کرتا، تاکہ دیگر طلباء کو اپنے ساتھ شامل کرے اور انہیں اپنے گروپ کی حمایت کے لیے تیار کرے۔ وہ ہر کالج کے طلباو طالبات کی فہرستیں تیار کرتے، ان کے فکری اور سیاسی رجحانات کے مطابق درجہ بندی کرتے اور غیر منسلک طلباء (ایسے طلباء جو کسی مخصوص گروپ یا تنظیم سے وابستہ نہیں ہوتے) کو نشان زد کرتے، پھر ان سے رابطہ قائم کرنے اور انہیں اپنے گروپ میں شامل ہونے کی دعوت دینے کے لیے اپنی حکمت عملی بناتے۔ بیرزیت یونیورسٹی کے بہت سے طلباء میں سے ایک بڑی تعداد طالبات کی تھی، اور کسی بھی طالب علم تنظیم کو طلباء کے درمیان کام کرنے کے لیے اس صنف کے ساتھ کام کرنا ضروری تھا، ورنہ وہ کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ الاتجاهات اليسارية کے لیے اس میدان میں کوئی مسئلہ نہیں تھا، یہاں تک کہ اس تحریک کے تو بہت سے اراکین بھی دراصل طالبات تھیں، لیکن اسلامی بلاک کے لیے طالبات کے ساتھ کام کرنے میں بڑی رکاوٹیں تھیں۔

کچھ طالبات کے رجحانات اسلامی تھے اور وہ اسلامی بلاک کی حمایت کرتی تھیں، لیکن وہ سرگرم نہیں تھیں۔ تمام اسلامی بلاک کے کارکنان، بشمول محمد، اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ لڑکیوں کے ساتھ رابطے قائم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ انہیں بلاک میں شامل ہونے یا اس کی حمایت کرنے کی دعوت دی جا سکے، لیکن محمد جو الشاطئ کیمپ سے آیا تھا اور جس نے سخت اصولوں کی تربیت پائی تھی، جو میری ماں بار بار دہراتی رہتی تھی، یہاں تک کہ ہم سب نے انہیں یاد کر لیا تھا، اس کام کو انجام دینے کے لیے بہت کمزور تھا۔ اگر کبھی اس کے کسی ہم درس اس سے کسی لیکچر، کتاب یا کسی بھی مطالعے سے متعلق موضوع پر سوال کرتی تو اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا، پسینہ بہنے لگتا اور وہ زمین کی طرف دیکھتے ہوئے مختصر جوابات دیتا، جیسے "ہاں" یا "نہیں" یا کچھ اور حروف کا اضافہ کر کے، پھر فوراً دور چلا جاتا۔

سب لوگ انتخابات کی تیاری کر رہے تھے، تمام بلاکس یا گروپس سب ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے، کبھی یہاں بحثیں ہو رہی تھیں تو کبھی وہاں مناظرے۔ مسئلے کی تاریخ، حال اور مستقبل اور ہر فرقے کا کردار اور اس کے اعتراضات، خیالات اور نظریات پر بحث ہو رہی تھی اور یونیورسٹی کیمپس پوسٹرز، نعرے اور بینرز سے بھرا ہوا تھا اور سب سے بہترین نتائج حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ووٹوں کی گنتی کے بعد الاتجاهات اليسارية نے سب سے زیادہ ووٹ حاصل کیے، لیکن فتح اور الاتجاهات اليسارية کے درمیان نسبتاً فرق کم تھا۔ الاتجاهات اليسارية نے سب سے زیادہ ووٹ حاصل کر کے طلبہ تنظیم کی تشکیل کی۔ اسلامی بلاک نے توقعات سے زیادہ نتائج حاصل کیے حالانکہ اس کا حجم سب سے کم تھا۔

محمد عام طور پر ہر مہینے میں ایک بار الشاطئ کیمپ واپس آتا تھا، جمعرات کی شام آتا، جمعہ کو ہمارے ساتھ رہتا اور پھر ہفتہ کی صبح رام اللہ واپس چلا جاتا تاکہ اپنی پڑھائی اور طلبہ کی سرگرمی جاری رکھے۔ جمال اور عبدالرحمن نے اردن یونیورسٹی میں شریعت کے آخری سال کے امتحانات ختم کر لیے تھے اور نتائج کا انتظار کیے بغیر فوراً مغربی کنارے واپس آ گئے تھے۔ جمال کی ماں کو فکر تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد کسی نیک لڑکی کے ساتھ دیکھنا چاہتی تھیں، اس لیے وہ کوئی موقع نہیں چھوڑتی تھیں جب وہ اس سے اکیلے میں بات کر سکیں، اور ہر بار شادی کی بات کرتی تھیں۔ جمال اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے کا خواہشمند تھا، وہ اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لیے پاکستان جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہاں سے وہ نہ صرف اپنی تعلیم مکمل کر سکتا تھا بلکہ افغانستان کے مسئلے کے حوالے سے کچھ نہ کچھ معنوی شرکت بھی کر سکتا تھا، خواہ وہ شرکت کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو، کیونکہ وہ ایک قریبی علاقے میں موجود ہوتا۔

اور ماں کے دباؤ کے سامنے، اس نے شادی کے تصور کو زیادہ قبول کر لیا۔ آخر کیا رکاوٹ ہے شادی میں، جبکہ دونوں چیزوں میں کوئی تضاد نہیں ہے؟ جب وہ اپنی ڈگری لینے کے لیے یونیورسٹی گیا، تو ایک کمرے میں جہاں بہت سے گریجویٹس جمع تھے، اس نے جھجکتے ہوئے دائیں بائیں دیکھا تاکہ ممکنہ مستقبل کی بیوی کو تلاش کر سکے۔ ایک کونے میں ایک لڑکی بیٹھی تھی، جو اسلامی لباس میں ملبوس تھی، جو اس کی عصمت اور خوبصورتی میں اضافہ کر رہا تھا۔ ایسا لگا جیسے دل نے اس کے مالک کو بتایا کہ مقصد حاصل ہو چکا ہے، اگرچہ ایک چھوٹا بچہ اس کی طرف دوڑتا ہوا آیا، جسے اس نے گود میں لیا اور چوم لیا۔ جمال نے اپنا سر پھیر لیا اور خود سے کہا، استغفر اللہ العظیم، یہ اس کا بیٹا ہے، تو یہ شادی شدہ ہے۔ وہ اپنے مطلوبہ معاملات کے مکمل ہونے کا انتظار کرتا رہا، اسی دوران ایک عورت اس سے مخاطب ہوئی: کیا تم جمال ہو؟ اس نے نصف سر کو اٹھایا اور جواب دیا: ہاں، کیا بات ہے؟ اس نے پہچان لیا کہ یہ وہی عورت ہے جسے اس نے چند لمحے قبل دیکھا تھا، اس نے کہا: میں تمہاری کالج کی ساتھی انتصار ہوں، اور میرے ماموں حاجی حسن نے میرے گھر والوں سے بات کی ہے کہ وہ میری تم سے منگنی کرنا چاہتے ہیں۔

ہم نے تمہارے بارے میں بہت خیر سنی ہے، اور اب میرا چچازاد مجھ سے منگنی کرنا چاہتا ہے، جو کہ غیر متدین ہے اور میں اس سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔ وہ شرم کی وجہ سے خاموش ہو گئی۔ اس وقت جمال نے جھجکتے ہوئے اپنی نظریں اٹھائیں، تو اس نے اپنے سامنے ایک باوقار اور باحیاء لڑکی دیکھی، اس نے دوبارہ نظریں جھکا لیں اور سرخ چہرے کے ساتھ کہا: اللہ جو بہتر ہو وہ کرے۔ جب وہ اپنے اہل خانہ اور دوستوں کے پاس واپس آیا، تو اسے افسوس کے ساتھ معلوم ہوا کہ اس کے پاس مغربی کنارے کا شناختی کارڈ نہیں تھا، جس کا

مطلب یہ تھا کہ اگر وہ شادی کر لیتے تو وہ مغربی کنارے میں رہ نہیں سکتی تھی، اور یہ زندگی کو بہت مشکل بنا دیتا۔ بہت سے لوگوں نے ایسی لڑکیوں سے شادی کی جن کے پاس اسرائیلی شناختی کارڈ نہیں تھا تو پھر ان کی زندگی جہنم بن گئی تو اس نے اس شادی کا خیال ترک کر دیا۔

جب اس نے پاکستان سفر کا اجازت نامہ حاصل کرنے کی کوشش کی، تو اردنی سکیورٹی حکام نے اسے اجازت دینے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ ایک معروف اسلامی جماعت کا سرگرم رکن تھا، مجبوراً وہ الخلیل شہر میں مستقل طور پر رہنے اور وہاں کام کرنے لگا۔ ایک دوست نے اسے ایک لڑکی کے بارے میں بتایا جو اردنی یونیورسٹی سے علوم کی فیکلٹی سے گریجویٹ ہوئی تھی، ماں اس کے اور اس کے گھر والوں سے ملنے گئی، اور وہ انہیں پسند آئی، وہ خوشی خوشی واپس آئی اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ لڑکی سے ملنے اور اسے دیکھنے کے لیے ان کے گھر جائیں گے۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو حیا سے اس کا سر جھک گیا، اور وہ جھک کر بیٹھ گیا، وہ کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور بات چیت شروع کرنے کی کوشش کی، تو ایک اور لڑکی اور اس کی ماں، جو پہلے ہی اندر آچکی تھیں اور جنہیں وہ اپنی ہونے والی دلہن سمجھ رہا تھا، اس سے تعارف کروانے لگی۔ بات چیت شروع ہوئی، اور خدا کے حکم سے وہ دونوں شریک حیات بن گئے۔

زیادہ تر شرعی تعلیم حاصل کرنے والے اسلامی طلباء عموماً الخلیل میں اسلامک چیریٹی ایسوسی ایشن میں ملازمت کرتے تھے، جو کہ کئی تعلیمی، ترقیاتی اور سماجی ادارے چلاتی ہے۔

جمال نے جامعة رابطة الجامعيين ثانوية النموذجية میں ملازمت اختیار کی، جو کہ واضح طور پر کسی نہ کسی طرح فلسطین لبریشن آرگنائزیشن سے منسلک تھی، جس کے تحت متعدد تعلیمی ادارے بھی تھے، جیسے کہ پولی ٹیکنک انسٹیٹیوٹ اور تحقیقی مرکز، وہاں اس نے تیسری جماعت کے طلباء کو اسلامی ثقافت کا درس دیا۔

اس اسکول میں کام کرنا اور مختلف سیاسی اور فکری پس منظر رکھنے والے بڑے تدریسی عملے کے درمیان ہونا، اس جگہ کو ایک سیاسی فورم کی طرح بنا دیتا تھا، جہاں روزمرہ کے مسائل پر بحث ہوتی تھی اور ہر ایک اپنی رائے پیش کرتا تھا اور دوسروں کی رائے پر بات کرتا تھا۔ جمال اکثر اپنے فکری گروپ کی نمائندگی کرتے ہوئے اس بات کا جواب دیتا کہ فلسطینی مزاحمت کو اردن سے کیوں نکالا گیا؟ اور کیوں اخوان المسلمین نے اردن میں فلسطینی مزاحمت کا ساتھ نہیں دیا، تاکہ شاہ حسین کی حکومت کو گرا سکیں؟ جمال جواب دیتا کہ یہ مسئلہ اسلام پسندوں نے شروع سے ہی طے کر لیا تھا کہ وہ کبھی بھی بدامنی کا ذریعہ نہیں بنیں گے اور نہ ہی علاقے یا اس کے کسی حصے کو غیر یقینی صورت حال میں ڈالیں گے، نہ وہ ایسے اعمال میں ملوث ہوں گے جو عوامی رائے کو ان کے خلاف کریں۔

غزہ کی پٹی میں جبالیہ کیمپ کی ایک گلی میں ایک نوجوان ایک جیکٹ پہنے ہوئے تھا، حالانکہ موسم اتنا سرد نہیں تھا، اور وہ اپنے سر پر کالے رنگ کا رومال ڈالے ہوئے تھا، تاکہ اپنی شناخت چھپا سکے، اور اپنے جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھا تاکہ اپنے کسی دوست کا انتظار کرنے کا بہانہ کر سکے۔ اچانک ایک فوجی جیپ قریب آرہی تھی جب وہ گلی کے سامنے پہنچی، تو اپنے ساتھی کی طرف سے اسے چھوٹا سا وقفے وقفے سے سننے والا سگنل ملا جو اس کے لیے ہدف کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک دستی بم نکالا، اسے کھینچا اور جیپ پر پھینک دیا اور دوڑتے ہوئے مڑ گیا، لیکن کوئی دھماکہ نہیں ہوا۔ فوجیوں نے اپنی گاڑی روک دی اور فائرنگ شروع کر دی اور نوجوان کا پیچھا کرنے لگے، جو کہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس قسم کے واقعات بہت سی قائد شخصیات کے لیے معروف تھے جو مزاحمتی گروہوں، خاص طور پر تحریک فتح میں شامل تھیں، جنہوں نے اس کی قیادت کی اور یہ ان کے لیے بڑی تشویش کا باعث بن گیا۔

ایک ملاقات میں، میرے بھائی محمود کے کچھ دوستوں نے اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا، محمود نے پوچھا کہ کیا جو کچھ ہو رہا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ ان گروپوں کو ہتھیار فراہم کر رہے ہیں، کیا وہ واقعی ایسا کرنا چاہتے ہیں؟ کیا یہ فدائی کارروائی کو ناکام بنانے کی ایک شکل نہیں ہے؟ کیا ہم اسرائیلی خفیہ ایجنسی شاباکا ہاتھ اس میں دیکھ سکتے ہیں؟ اور یہ کہ وہ ہمارے یونٹس کو یہ خراب ہتھیار فراہم کر رہے ہیں؟ وہاں موجود لوگوں میں اتفاق رائے تھا کہ معاملے کی تحقیق اور پیروی کی ضرورت ہے، تاکہ اس کے پس پردہ حقائق کا پتہ چلایا جا سکے۔ خاص طور پر جیل میں قید نوجوانوں سے رابطہ کر کے معلوم کیا جا سکے کہ ان کے پاس کیا معلومات ہیں۔

چودہویں فصل

اس عرصے میں لبنان میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی اور اس کا دائرہ کار بڑھنے لگا تھا، فلسطینی بھی اس جنگ کا حصہ بن گئے تھے، لبنان کی جنگ کی خبریں مقبوضہ علاقوں میں بھی اپنا اثر دکھا رہی تھیں، کیونکہ ہر گھر اور خاندان کا اس جنگ میں کچھ نہ کچھ حصہ تھا، فلسطینی قوم دو بار بکھری، پہلی بار ۱۹۴۸ء کے نکبہ[1] کے دوران اور دوسری بار ۱۹۶۷ء کے نکسہ[2] کے دوران، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی خاندان تقسیم ہو گئے، کچھ خاندان کے افراد مغربی کنارے کے کیمپوں میں تھے اور کچھ لبنان میں، کچھ غزہ کی پٹی کے کیمپوں میں تھے اور کچھ اردن کے

[1] نکبہ (Nakba) عربی لفظ ہے جس کا مطلب ''تباہی'' یا ''آفت'' ہے، یہ اصطلاح ۱۹۴۸ء میں فلسطین کی عرب آبادی کی بڑے پیمانے پر بے دخلی اور انسانی بحران کے واقعے کے لیے استعمال ہوتی ہے جو اسرائیل کی ریاست کے قیام کے دوران اور اس کے بعد وقوع پذیر ہوا، نکبہ کے دوران، تقریباً سات لاکھ فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا گیا، اور ان کے دیہات و قصبے تباہ کر دیے گئے یا ان پر قبضہ کر لیا گیا، یہ دن ہر سال ۱۵ مئی کو منایا جاتا ہے، جو کہ اسرائیل کی آزادی کے اعلان کے ایک دن بعد ہے، فلسطینیوں کے لیے یہ دن ایک یادگار کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں وہ اپنی زمینوں، گھروں اور حقوق کی بحالی کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں، نکبہ فلسطینی قوم کی تاریخ اور ان کی جدوجہد کی ایک اہم علامت ہے۔

[2] نکسہ: ۱۹٦۷ کی عرب اسرائیل جنگ کی طرف اشارہ کرتا ہے جسے ''چھ روزہ جنگ'' بھی کہا جاتا ہے، اس جنگ میں اسرائیل نے اردن، مصر، اور شام کے خلاف فیصلہ کن فتح حاصل کی تھی، اس جنگ کے نتیجے میں اسرائیل نے مغربی کنارے، غزہ کی پٹی، مشرقی یروشلم، جزیرہ نما سینا، اور گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا تھا۔

کیمپوں میں۔ اس کے علاوہ جو لوگ ان سالوں میں ہجرت کر گئے یا کام وغیرہ کی وجہ سے نکلے اور واپس نہ آ سکے، ان کا بھی کوئی پتہ نہیں۔

ہماری کوئی قریبی رشتہ داری لبنان میں نہیں تھی، لیکن ہمارے بہت سے پڑوسیوں کے بیٹے، بھائی یا قریبی رشتہ دار وہاں تھے۔ یہ پڑوسی پریشانی کے ساتھ جنگ کی خبریں سنتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ شریک کرتے تھے۔ کچھ خواتین کے بیٹے تھے جو انقلاب میں شامل ہو کر لبنان چلے گئے تھے، یہ خواتین اپنی اولاد کی فکر میں مبتلا تھیں اور ہر خبر پر کان لگاتی تھیں، تاکہ اپنے بیٹوں کی کوئی خبر مل سکے۔ مسئلہ یہ تھا کہ اس وقت فون کے ذریعے رابطہ ممکن نہیں تھا اور لبنان کا سفر مہنگا اور پیچیدہ تھا، کیونکہ اسرائیل کی لبنان کے ساتھ کوئی سفارتی تعلقات نہیں تھے اور نہ ہی کوئی سرحدی راستے۔ اس کے علاوہ جو لوگ لبنان جانا چاہتے تھے، انہیں اسرائیلی خفیہ ایجنسیوں کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ہماری ایک پڑوسن کے دو بیٹے لبنان کے انقلاب میں شامل تھے، یہ عورت اس دور میں اپنے ہوش کھو بیٹھی تھی، وہ ہمیشہ پریشان اور زرد چہرے کے ساتھ رہتی تھی، کھانے سے پرہیز کرتی تھی، جس کی وجہ سے اس کا جسم کمزور ہو گیا تھا، خواب اور بیداری میں آنے والے ڈراؤنے خواب اسے اپنے بیٹوں کے خوفناک انجام کے بارے میں پریشان کرتے رہتے تھے۔ محلے کی خواتین ہر ممکن طریقے سے اسے حوصلہ دینے کی کوشش کرتی تھی، تاکہ اس کے پاس زندگی گزارنے کی تھوڑی سی طاقت باقی رہے اور وہ عقل کے ساتھ اپنے آس پاس کی صورتحال کو سمجھ سکے اور کچھ کھانے پر قائل ہو سکے۔ جنگ کے جاری رہنے اور طویل ہونے کے ساتھ ساتھ، ایک دن صبح کے وقت کیمپ میں اس کی موت کی خبر پھیل گئی، بغیر یہ جانے کہ اس کے بیٹے کس حال میں ہیں۔

میرے چچازاد ابراہیم کے ہائی اسکول سے فارغ التحصیل ہونے پر اس کے سامنے دو آپشن تھے: یا تو وہ مغربی کنارے کی کسی یونیورسٹی، مثلاً النجاح یا بیرزیت میں تعلیم حاصل کرے، یا اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ لے، جو اپنے پہلے سال میں تقریباً بیس طالب علموں کے ساتھ شروع ہوئی تھی۔ اس سال یہ بات ہو رہی تھی کہ صرف چند عدد طلبہ کو داخلہ ملے گا اور عربی زبان کے کالج کا افتتاح بھی کیا جا رہا ہے، اس کے علاوہ شریعہ اور اصول الدین کے کالج بھی موجود تھے۔ اس نوخیز یونیورسٹی کے مستقبل کے بارے میں کسی کو بھی یقین نہیں تھا کہ یہ کامیاب ہو گی، کیونکہ اس کے پاس عمارتیں نہ تھیں، طلبہ دوپہر کے بعد الأزہر الثانوی کی عمارت میں پڑھتے تھے اور نہ ہی کوئی تعلیمی عملہ تھا، وہاں الأزہر اسکول کے چند شیخ پڑھاتے تھے، نہ ہی بجٹ کا کوئی ذکر تھا اور نہ ہی یونیورسٹی کی بنیادی ضروریات موجود تھیں۔

ابراہیم نے اپنی تعلیم مکمل کر کے امتحانات دیے، جن کے نتائج نے اس کی غیر معمولی قابلیت کو ظاہر کیا، اس نے شعبۂ سائنس میں ۹۱ فیصد نمبر حاصل کیے۔ میری والدہ نے میرے بھائی محمود سے ابراہیم کی یونیورسٹی کی تعلیم کے بارے میں بات کی اور تجویز دی کہ وہ محمد کے ساتھ بیرزیت یونیورسٹی میں پڑھائی کرے۔ اسی شام جب ہم سب گھر میں جمع تھے، محمد نے ابراہیم کو بلایا اور اپنے کمرے میں بٹھایا اور اسے کہا کہ وہ آنے والے دنوں میں رام اللہ جا کر بیرزیت یونیورسٹی میں داخلہ لے۔ ابراہیم نے بیرزیت میں داخلہ لینے میں ہچکچاہٹ ظاہر کی، تو محمود نے تشویش اور شک کے ساتھ پوچھا، تو پھر کہاں پڑھنا چاہتے ہو؟ ابراہیم نے غیر یقینی طور پر جواب دیا: ممکن ہے کہ میں اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ لوں۔ محمود نے حیرت سے کہا: اسلامی یونیورسٹی؟ کیا تم الأزہر میں کھولی گئی یونیورسٹی کی بات کر رہے ہو؟ ابراہیم نے جواب دیا: ممکن ہے، ممکن ہے۔ میری والدہ کمرے میں داخل ہوئی اور گفتگو سن رہی تھی، کہنے لگی، ابراہیم، کیا تم بیرزیت میں پڑھائی کے اخراجات کی وجہ سے بچ رہے ہو؟ بیٹے، تم اور تمہارے چچا کے بیٹے بھائیوں کی طرح ہو، جو ایک کے لیے کافی ہے وہ دوسرے کے لیے بھی کافی ہے۔ اور ہمارا رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے، الحمدللہ، ہمارا حال اب ٹھیک ہے۔

میری والدہ نے ابراہیم کے دل میں چھپی بات کو سمجھ لیا تھا، لیکن ابراہیم نے اسے چھپانے کی کوشش کی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا: اللہ آپ کو ہمارے لیے سلامت رکھے، مگر میں غزہ سے باہر نہیں جانا چاہتا۔ محمود نے اپنی جیب سے کچھ اردنی نوٹ نکال کر ابراہیم کو دیے اور کہا: یہ پہلے سمسٹر کی فیس، داخلہ فیس، سفر کے اخراجات اور کچھ خرچ کے پیسے ہیں، جا کر بیرزیت میں داخلہ لے لو۔ ابراہیم نے لینے سے انکار کر دیا اور محمود کا ہاتھ پیچھے دھکیل دیا، تو میری والدہ نے اسے ڈانٹا: اب لے لو اور آرام سے سوچو، جہاں چاہو داخلہ لے لو، ہم چاہتے ہیں کہ تم محمد کے ساتھ بیرزیت میں پڑھو، لیکن آخر میں فیصلہ تمہارا ہو گا۔ لے لو، لے لو، ابراہیم نے سر جھکاتے ہوئے پیسے لے لیے اور ایسا لگتا تھا کہ اس نے اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کر لیا ہے، کیونکہ کسی بھی حساب سے وہ بیرزیت یا کسی اور یونیورسٹی کے مقابلے میں آدھی لاگت پر تعلیم حاصل کر سکتا تھا۔ وہ اپنے خاندان پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا تھا، اور اس کے علاوہ غزہ میں رہنے سے وہ کبھی کبھار کام کر کے کچھ پیسے کما سکتا تھا جو خاندان کے اخراجات میں کمی لا سکتے تھے۔ چنانچہ وہ الازہر اسکول کی عمارت کی طرف گیا جہاں اس نے اسلامی یونیورسٹی میں داخلے کے لیے رجسٹریشن کرائی اور اسے (عربی زبان) میں داخلہ مل گیا۔

جب وہ یہ خبر لے کر واپس آیا تو اس نے پہلے مجھے بتایا اور جیب سے باقی رقم نکال کر مجھے دی تاکہ میں اسے اپنی ماں کو واپس دوں کیونکہ وہ ان سے شرمندہ تھا۔ لیکن میں نے اسے لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا: میرے اور تمہارے درمیان کیا ہے اور مجھے حکومت کے درمیان کیوں گھسیٹ رہے ہو، خود جا کر ان کے ساتھ معاملہ کرو۔ پھر میں نے کہا: ''آؤ'' اور اسے باورچی خانے کی طرف لے گیا جہاں میری ماں کھانا پکا رہی تھیں۔ میں نے کہا: ''ابراہیم کو مبارکباد دو، اسے اسلامی یونیورسٹی کے عربی زبان کے شعبے میں داخلہ مل گیا ہے''، میری ماں نے اس کی طرف دیکھا اور کچھ کہنے سے پہلے ہی اس نے کہا: اللہ تمہیں مبارک کرے، یہ وہ پیسے ہیں جو بچے ہیں۔ میری ماں کی آنکھوں میں احترام اور قدردانی سے آنسو بھر آئے، اس نے پیسے لے کر اسے پانچ دینار واپس دیتے ہوئے کہا: یہ خرچ کر و یا کسی اور چیز میں استعمال کرو، تمہیں اس کی ابھی ضرورت ہے۔ اس نے انکار کرنے کی کوشش کی لیکن میری ماں نے

اس پر زور دیا کہ وہ لے لے۔ شرم سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے کہا: اللہ آپ کو سلامت رکھے، اللہ آپ کی بھلائی میں اضافہ کرے۔

اس وقت اسلامی یونیورسٹی صرف ایک خواب تھی، اور کچھ طلبہ وہاں تعلیم حاصل کرنے پر مجبور تھے کیونکہ ان کے پاس دیگر مواقع نہیں تھے۔ الازہر دینی ادارے کی عمارت جو غزہ کے شارع الثلاثینی پر واقع تھی، میں صبح کی پڑھائی ختم ہونے کے بعد وہاں کے طلبہ اپنے گھروں کو چلے جاتے، اسلامی یونیورسٹی کے طلبہ آتے، تقریباً بیس طلبہ نے شریعت اور اصول دین کی فیکلٹی میں پہلے سال کی تعلیم مکمل کی تھی، اور چند درجن نئے طلبہ شریعت، اصول دین اور عربی زبان کی فیکلٹی میں شامل ہوئے تھے۔ ہر گروپ ایک کلاس روم میں داخل ہوتا، اور ان کے پاس ایک شیخ آتا جو ان کے مخصوص مضمون کی تعلیم دیتا، ایک شیخ باہر نکلتا اور دوسرا شیخ اندر آتا، اسی طرح چار یا پانچ متواتر لیکچرز ہوتے جیسے ثانوی اسکول میں بغیر کسی نمایاں تبدیلی کے۔

ایسے تعلیمی ماحول میں ابراہیم داخل ہوا بغیر کسی احساس کے کہ یہ ایک یونیورسٹی ہے یا کوئی یونیورسٹی کی زندگی ہے جیسے اس نے محمود سے مصر کی یونیورسٹی کی زندگی کے بارے میں سنا تھا، یا محمد سے بیرزیت کی زندگی کے بارے میں سنا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کا حق نہیں ہے کہ وہ خاندان پر ایک پیسے کا بھی بوجھ ڈالے اور اس کی خودداری اسے کسی اور راستے پر چلنے سے روکتی تھی۔

اس کے ساتھ وہ اس بات پر بھی قادر تھا کہ وہ بازار میں سبزیوں کے اسٹال پر کام دوبارہ شروع کر سکے کیونکہ اس کی یونیورسٹی کی پڑھائی شام کے وقت ہوتی تھی اور وہ صبح کے وقت بہترین طریقے سے کام کر سکتا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے یہ بات اپنی ماں یا محمود کے سامنے ذکر بھی کی تو ایک قیامت برپا ہو جائے گی، لہٰذا اس نے ایک اور طریقہ سوچنا شروع کیا تاکہ وہ بغیر ماں کو ناراض کیے اور بغیر محمود کے جذبات کو بھڑکائے کام اور کمائی کر سکے۔ اس کا ایک دوست جو کہ مسجد کے نوجوانوں میں سے تھا، تعمیراتی کام کرتا تھا اور وہ ۱۹۴۸ء میں مقبوضہ ہونے والے علاقوں میں کام کرنے سے انکار کرتا تھا اور صرف غزہ میں کام کرتا تھا، باوجود یکہ وہاں کی اجرتیں بہت کم تھیں۔ ابراہیم نے اس کے ساتھ بات کی کہ جب بھی کوئی کام ملے تو وہ اس کے ساتھ بطور معاون کام کرنے کے لیے تیار ہے، اور اس کے دوست نے یہ بات قبول کر لی۔ ابراہیم نے یہ بات ہم سے اس طرح پیش کی کہ وہ اپنے دوست کے ساتھ تعمیراتی کام سیکھنا چاہتا ہے نہ کہ کمائی کے لیے، اور اس صورت حال میں گھر والوں کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔

ان دنوں جب انہیں کسی گھر میں کام ملتا، تو وہ صبح سویرے کام پر نکل جاتا، اور کام کے کپڑے پہن لیتا، اگر کام قریب ہوتا تو وہ کام کے بعد واپس آکر کپڑے بدل لیتا اور یونیورسٹی چلا جاتا، اور اگر کام دور ہوتا تو وہ اپنے ساتھ کپڑے اور کتابیں لے جاتا، اور دوپہر میں موقع ملنے پر کپڑے بدل کر یونیورسٹی چلا جاتا، یا کبھی کبھار کام کے کپڑوں میں ہی لیکچرز میں شرکت کرتا۔ اکثر اوقات وہ جمعہ کے دن بھی کام کرتا، نماز جمعہ کے لیے مسجد جاتا اور اس کے بعد دوبارہ کام شروع کرتا۔ ابراہیم اس بات سے مطمئن تھا کہ اس نے اپنی ضروریات و اخراجات کا خود انتظام کرنا شروع کر دیا ہے، اور کچھ عرصے بعد اس نے ایک سائیکل خرید لی تاکہ گھر، کام اور یونیورسٹی کے درمیان آنے جانے میں آسانی ہو اور خرچ بھی بچ سکے۔

مقبوضہ علاقوں میں زندگی کا معیار نمایاں طور پر بہتر ہونا شروع ہو چکا تھا، مختلف پیشہ ورانہ تنظیموں میں سیاسی اور فکری جماعتیں زیادہ نمایاں ہو رہی تھی۔ انجینئرز کی ایسوسی ایشن میں تین اہم رجحانات نمایاں ہو رہے تھے، تحریک فتح، تحریک الجبھۃ الیساریۃ، اور اسلام پسند گروہ۔ میرا بھائی محمود انجینئرز کی ایسوسی ایشن میں فتح کے فعال کارکنوں میں سے تھا، اور وہ اور اس کے ساتھی زیادہ سے زیادہ انجینئرز کے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش میں تھے تاکہ انتظامی کمیٹی کے انتخابات میں کامیابی حاصل کر سکیں، جیسے کہ دوسرے دو گروہ بھی کرتے تھے۔ یہی حال ڈاکٹروں کی تنظیم اور وکلاء کی نقابت کا بھی تھا۔ ان انجمنوں اور نقابتی تنظیموں میں مقابلہ زوروں پر تھا، جہاں ہر فریم ورک اپنے کارکنوں کی ٹیمیں تشکیل دیتا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے گھروں اور کام کی جگہوں پر جا کر انہیں انتخابات میں حصہ لینے اور ان کے علاوہ کسی اور کو ووٹ نہ دینے پر قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ بعض اوقات دو طاقتیں تیسری طاقت کے خلاف اتحاد کرتی تھیں، تاکہ اس سے تنظیم چھین سکیں، چونکہ الجبھۃ الیساریۃ کے لوگ نقابتی کاموں میں پہلے سے سرگرم اور منظم ہونے میں بہتر تھے، اس لیے فتح نے کئی بار اسلامیوں کے ساتھ اتحاد کیا تاکہ الجبھۃ الیساریۃ پر قابو پا سکیں۔

اس وقت کی سب سے نمایاں تصویر غزہ میں ہلال احمر انجمن کے انتخابات کی تھی، جہاں الجبھۃ الیساریۃ اس انجمن میں مضبوط اور طاقتور تھا، جس کی وجہ سے فتح اور اسلامیوں کو اتحاد کرنا پڑا تاکہ وہ جیت سکیں اور بائیں بازو والوں کو شکست دے سکیں۔ یہ صورتحال جھگڑوں تک پہنچ گئی جس میں اسلامیوں نے اسلامی یونیورسٹی میں بڑی تعداد میں لوگوں کو جمع کیا، اور حالیہ دنوں میں یہ صورتحال نمایاں طور پر بڑھی۔

میرے بھائی محمود نے انجمن انجینئرز کے انتخابات میں حصہ لیا، جہاں فتح کے لوگ زیادہ سے زیادہ انجینئروں کو جیتنے کے لیے منصوبہ بندی کر رہے تھے، ان کا اجلاس ہر دو یا تین دن بعد ہوتا تھا جہاں وہ انجینئروں کے نام دیکھتے، ان سے رابطے کے نتائج کا جائزہ لیتے اور مخالف قوتوں کے کام کی تشخیص کرتے، اور پھر مزید جیتنے کے لیے کام شروع کرتے۔ اسی طرح انتخابات کے دن انہوں نے کچھ متذبذب انجینئروں کو لانے کے لیے اپنی گاڑیاں استعمال کیں۔ یہی حال طبی انجمن اور انجمن انجینئرز میں تھا، اور دیگر پیشہ ورانہ نقابتی تنظیموں میں بھی۔ یہ واضح تھا کہ اسلامیوں نے خاص طور پر یونیورسٹی کے طلباء پر اور عمومی طور پر ہائی اسکول کے طلباء پر توجہ مرکوز کی تھی۔ مغربی کنارے میں مقبوضہ علاقوں کی تمام یونیورسٹیوں اور اداروں میں نوجوانوں کی ثقافتی، کھیلوں کی اور سماجی سرگرمیاں ہوتی تھیں جن کا مقصد نوجوانوں کو جمع کرنا، منظم کرنا اور فکری و عقیدتی طور پر تربیت دینا تھا۔

شیخ احمد خود غزہ میں طلباء کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتے تھے، وہ اسلامی یونیورسٹی کے چند فعال طلباء کو بلاتے تھے تاکہ طلباء کے حالات سے واقف ہو سکیں اور انہیں ہفتے میں ایک بار آنے کی تاکید کرتے تھے۔ وہ اپنے ساتھ دوسرے قریبی نوجوانوں کو بھی بلاتے تھے اور ان کے ساتھ یونیورسٹی میں دینی سرگرمیوں، انتخابات کی تیاری، عام نوجوانوں کے ساتھ کام کرنے کے طریقوں اور ان کے قریب پہنچنے کے طریقوں پر بات چیت کرتے تھے، تاکہ انہیں اسلامیوں کے حق میں جیتا جا سکے۔ یہاں تک کہ جب انتخابات ہوئے اور کامیابی حاصل ہوئی، تو انہوں نے طلباء کو ثانوی اسکولوں میں کام کرنے کی ہدایت دی تاکہ وہ اسلامی یونیورسٹی یا دوسری جامعات میں جانے والے طلباء کو تیار کر سکیں، تاکہ وہ اسلامی جماعتوں کے جھنڈے تلے آنے اور دینی سرگرمیوں کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔

ابراہیم اس دور میں یونیورسٹی کے ایک سرگرم کارکن تھے اور شیخ احمد ان پر اور کچھ دوسرے طلباء پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ وہ اسلامی جماعت کے ان امیدواروں میں سے ایک تھے جو طلباء تنظیم کے انتخابات میں کامیاب ہوئے تھے۔ وہ صبح کے وقت کچھ پیسے کمانے کے لیے اپنے کام میں مصروف رہتے، دوپہر کے بعد پڑھائی کرتے اور شام کے وقت اپنی دینی سرگرمیوں میں مشغول ہوتے۔ ابراہیم ہمیشہ ایک روشنی کی مانند حرکت اور سرگرمی میں رہتا، جب رات ہوتی اور وہ گھر واپس آتا، تو کھانا کھانے کے بعد اپنی کتابیں پڑھنے بیٹھ جاتا۔ اکثر وہ کتاب کے ساتھ ہی سو جاتا، تو میں جا کر کتاب اس کے سینے سے ہٹا کر اس کے پاس رکھ دیتا اور اسے ڈھانپ دیتا۔ اس کے اس عمل سے میرے دل میں اس کے لیے احترام اور قدر بڑھتی جاتی، اور میں اپنی ثانوی تعلیم کے تیسرے سال میں اپنی پڑھائی میں زیادہ محنت کرتا تھا اور محمد اپنی پڑھائی میں شاندار ترقی کر رہا تھا اور وہ بئرزیت یونیورسٹی کے سائنس کالج میں پڑھ رہا تھا۔

رام اللہ میں رہائش مناسب نہیں تھی، اس لیے اس نے بئرزیت میں ہی نیا مکان ڈھونڈنے کی کوشش کی اور بڑی مشکل سے اسے وہاں رہائش ملی۔ وہ اسلامی جماعت کے کچھ نوجوانوں کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتا تھا۔ یہ مکان ایک شاندار گھر کے پیچھے کی طرف تین کمروں پر مشتمل تھا۔ یہ مکان رام اللہ کے مکان سے بالکل مختلف تھا۔ محمد کے گھر کے ساتھی سب ہی اسلامی جماعت کے متدین نوجوان تھے۔ یہ گھر سال کے آغاز سے ہی جماعت کے لیے ایک مرکز بن گیا تھا، جہاں جماعت کے اکثر سرگرم کارکن آتے اور اپنی میٹنگز کرتے، اور یونیورسٹی میں طلباء کی سرگرمیوں کی منصوبہ بندی کرتے۔ محمد کا دینی سرگرمیوں کی قیادت میں بڑا اہم کردار تھا، جس کی وجہ سے اسے طالبات کے ساتھ رابطہ کرنا پڑتا تھا جو جماعت کی حمایتی تھی۔ کچھ طالبات نے حجاب پہننا شروع کر دیا تھا، جو بئرزیت یونیورسٹی میں ایک اہم تبدیلی تھی۔ محمد انہیں گروپ کی صورت میں بلاتا، اور وہ دو یا تین کی تعداد میں آتیں، وہ یونیورسٹی کے کسی راہداری میں بات کرتے یا کیفے ٹیریا میں بیٹھتے، وہ اپنی نظریں نیچی رکھتے اور وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھتیں، وہ انہیں یونیورسٹی میں سرگرمیاں ترتیب دینے کے لیے ہدایت دیتے اور ان کا کردار سمجھاتے۔

جامعات میں طلبا کی سرگرمیاں صرف ایک جامعہ تک محدود نہیں رہیں، بلکہ یہ تمام طلبہ تنظیموں کی توجہ کا مرکز بن گئیں۔ ہر طلباء گروپ ایک یونیورسٹی میں اپنے ہم منصب گروپ سے دوسری یونیورسٹیوں اور اداروں میں رابطہ کرنے کی کوشش کرتا۔ مثال کے طور پر، بیرزیت میں فتح کی طلبہ تحریک اپنے ہم جماعتوں سے جامعہ النجاح اور دوسری یونیورسٹیوں میں رابطہ کرتی، اسی طرح اسلامی بلاک کے طلباء بھی اکثر النجاح یونیورسٹی سے ایک وفد لے کر بیئرزیت یونیورسٹی کے اپنے ہم جماعتوں سے ملنے جاتے یا اس کے برعکس۔ تجربات اور مشوروں کا تبادلہ کرتے اور مشترکہ سرگرمیوں کو منظم کرتے۔ اسلامی یونیورسٹی کے چھوٹے اور ابتدائی مرحلے کے باوجود، اور اس میں طلباء کی سرگرمیوں کی محدودیت کے باوجود، اس نے بھی ان سرگرمیوں میں اپنا کردار ادا کیا اور اکثر محمد اور ابراہیم ان مشترکہ سرگرمیوں میں جو منعقد کی جاتی تھیں ملتے رہتے تھے۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ بیرزیت یونیورسٹی کے کارکن نابُلس شہر میں واقع النجاح نیشنل یونیورسٹی جایا کرتے تھے۔ وہاں آزادی کی سطح بیرزیت یونیورسٹی سے کم تھی، لیکن غزہ کے شہر کی حالت سے دسیوں گنا زیادہ تھی، جہاں غیر معمولی حد تک قدامت پسندی موجود تھی، یہاں تک کہ اسلامک سرگرمیوں کے پھیلاؤ سے پہلے بھی۔ شاید یہی ایک وجہ تھی کہ اس علاقے میں اسلامی سرگرمیوں کا پھیلاؤ دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ ہوا۔

الخلیل یونیورسٹی، نابلس اور غزہ کے درمیان میں تھی، یہ غزہ سے کم محفوظ تھی اور النجاح یونیورسٹی سے زیادہ محفوظ تھی۔ ان طلباء کی تحریکات کسی واضح نگرانی یا قابض افواج کی طرف سے رکاوٹوں سے آزاد تھیں، اگرچہ کچھ نگرانی ہوتی تھی لیکن وہ ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ لہٰذا یہ طلباء آسانی سے حرکت کرتے تھے اور اپنی سرگرمیاں بغیر کسی پابندی کے کرتے تھے، خاص طور پر یہ سرگرمیاں فکری تنازعات اور داخلی مقابلوں تک مختلف نظریات کے درمیان محدود رہتی تھیں۔ اس کا اسرائیلی قابض افواج پر کوئی واضح اثر نہیں ہوتا تھا۔

کچھ قومی مواقع پر یا جب خاص واقعات رونما ہوتے اور قابض افواج کو معلومات یا شک ہوتا کہ جامعات میں حادثات پیش آنے والے ہیں تو وہ طلباء کو وہاں پہنچنے سے روکنے کے لیے سڑکوں پر رکاوٹیں لگا دیتے۔ طلبا کو واپس بھیج دیتے، یا بڑی افواج کے ساتھ جامعات کا محاصرہ کر دیتے اور طلبا کو باہر نکلنے نہیں دیتے، اور ان کی شور و غل اور سرگرمیوں کو قریبی علاقوں میں منتقل کر دیتے۔ بعض اوقات طلباء اور فوجیوں کے درمیان کچھ جھگڑے ہوتے، اس دوران طلباء پتھر پھینکتے اور زوردار قومی نعرے لگاتے اور فوجی آنسو گیس کے گولے یا سر کے اوپر فائرنگ کرتے اور کبھی کبھار ٹانگوں پر بھی فائرنگ کرتے، کبھی کبھار اس کے بعد کچھ چھاپے اور کچھ طلباء کی گرفتاریاں بھی ہوتی، جنہیں کچھ وقت کے لیے حراست میں رکھا جاتا، کچھ کو زیادہ لمبے عرصے تک قید کیا جاتا، پھر زندگی اپنی معمول پر آجاتی۔

کرمل ہائی اسکول میں جہاں میں پڑھتا تھا، اسلامی بلاک کے طلباء نے، جن کی نگرانی میرے چچا ابراہیم کر رہے تھے، یروشلم اور فلسطین کے دیگر سیاحتی مقامات کے لیے ایک سفر کا اہتمام کیا۔ انہوں نے ان لوگوں کے لیے رجسٹریشن شروع کر دی کہ جو اس سفر میں شامل ہونا چاہتے ہیں وہ اس کے لیے فیس ادا کریں۔ ایک سرگرم کارکن میرے پاس آیا اور اس سفر میں شرکت کی پیشکش کی تو میں ہچکچایا اور اس سے کہا کہ میں اس پر غور کروں گا اور بعد میں جواب دوں گا۔ گھر پہنچ کر ابراہیم نے مجھ سے بات کی کہ مجھے اس سفر کے لیے رجسٹریشن کرانی چاہیے اور اس کا حصہ بننا چاہیے، انہوں نے کہا کہ اس موقع کو ضائع کرنا نقصان دہ ہوگا کیونکہ یہ ایک موقع ہے کہ ہم غزہ سے نکل کر مغربی کنارے، یروشلم اور ۱۹۴۸ء کے مقبوضہ علاقے کو دیکھ سکیں اور اپنی زمین کو جان سکیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اگر میرے لیے سفر کی فیس میں کوئی مسئلہ ہے تو وہ اسے میرے لیے ادا کر سکتے ہیں۔ میں نے مسکرا کر انہیں بتایا کہ میری مالی حالت ٹھیک ہے اور مسئلہ فیس کا نہیں بلکہ اس طرح کے اسفار میں حصہ لینے کے اصول کا ہے۔ انہوں نے مجھ پر زور دیا کہ میں شرکت کروں، تو میں نے وعدہ کر لیا، اور اگلے دن میں نے سفر کے لیے رجسٹریشن کرا دی۔ اسکول میں اسلامی بلاک کے انچارج کو فیس دے دی، جمعہ کے دن ہم صبح سویرے تیار ہو کر نکلے، اسکول کے دروازے پر جمع ہوئے، ہر ایک اپنے کھانے کا تھیلا ساتھ لایا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ابراہیم ہمارے ساتھ ہوں گے کیونکہ وہ اس سفر کے اصلی نگران ہیں، بس میں انہوں نے سفر کی دعا پڑھی اور ہم سب نے ان کے پیچھے دہرائی:

بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ، سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ، وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ، اللهم إنا نسألُكَ في سفرنا هذا البرَّ والتقوى، ومن العمل ما ترضى .

جب بھی ہم کسی مقام یا فلسطینی گاؤں یا بستی کے آثار کے پاس سے گزرتے جو جنگ میں تباہ ہو گئے تھے یا یہودیوں نے عربیت کے نشانات مٹانے کے لیے تباہ کر دیے تھے، تو ابراہیم یا ان کے ساتھ موجود کوئی دوسرا نوجوان ہمیں ان کے بارے میں بتاتا اور وضاحت کرتا کہ یہ اس طرح ہے۔ یہ عسقلان کے آثار ہیں، یہ جمیمہ گاؤں کا مرکز ہے، یہاں اشدود کی مسجد کے آثار ہیں، اور وہاں اس کی اسکول کے آثار ہیں اور یہ اس کے کچھ گھروں کے آثار ہیں۔ ہمارا پہلا پڑاؤ ایک خوبصورت پہاڑی پر تھا جس پر ایک عیسائی خانقاہ تھی، ہم وہاں بس سے اترے اور ابراہیم نے اس مقام کے بارے میں بتایا جسے آج "دیر اللطرون" کے نام سے جانا جاتا ہے اور کہا کہ اس مقام پر ابو عبیدہ عامر بن الجراح کی قیادت میں مسلمانوں کی فوج نے فلسطین فتح کرنے کے لیے جنگ عمواس لڑی تھی۔

ابراہیم جھک گیا جب وہ جنگ کے بارے میں کچھ تفصیلات بیان کر رہا تھا کہ بہت سے صحابہ اس میں شہید ہوئے تھے، اور مٹی کی ایک مٹھی بھر لی جس کا رنگ سرخی مائل تھا، اور کہا: یہ مٹی گواہ ہے کہ یہ اصحابِ رسول اللہ ﷺ کے خون سے ملی ہوئی ہے، اس کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے اور حاضرین پر ایک گہرا سکوت چھا گیا، سوائے کسی چڑیا کی چہچہاہٹ یا ہوا کے جھونکے سے درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ کے۔ پھر اس نے کہا: یہ مٹی ہماری مٹی ہے، اور یہ زمین ہماری زمین ہے، اسے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے اپنے پاک خون سے سینچا ہے اور اسے دوبارہ پاک خون سے سینچنا ہوگا تا کہ یہ پھر سے آزاد ہو سکے۔ میں اس بات سے حیران رہ گیا، خاص طور پر جب یہ بات ابراہیم سے آئی، جو گھر میں گونگا اور بہرا تھا، لیکن یہاں اپنے خیالات کی بہترین منظر کشی کر رہا تھا۔ اور وہ ان تمام جگہوں کے بارے میں بہت سی تفصیلی معلومات رکھتا تھا جن سے ہم گزر رہے تھے، اور میری نظر میں اس کی عظمت اور احترام بڑھتا جا رہا تھا۔

بس دوبارہ چل پڑی اور فاصلہ طے کرتی رہی، ابراہیم کے ساتھی نے پہاڑ کے دامن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہاں اس پہاڑ کے دامن میں دیر یاسین گاؤں واقع ہے، اور اس نے اس گاؤں پر ہونے والے قتل عام کے بارے میں بتانا شروع کیا، جس کی شہرت پھیل گئی تھی اور یہ اہل فلسطین پر یہودی مظالم کی علامت بن گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہم القدس پہنچے، پھر مسجد اقصیٰ کی دیواروں اور قدیم شہر کی طرف گئے۔ ہم قدیم القدس کی گلیوں میں پیدل داخل ہوئے، دونوں طرف تجارتی دکانیں تھی، جو مختلف قسم کی روایتی اشیاء جو کچھ بھی آپ چاہتے ہیں فروخت کر رہی تھیں، خاص طور پر لکڑی کی دستکاری جو سیاح خریدتے ہیں۔ قدیم القدس کی گلیوں اور کوچوں میں سیاحوں کی بھیڑ تھی جو دنیا بھر سے آئے تھے۔ ہر کونے پر آپ کو قابض فوج کے کچھ سپاہی نظر آتے جو اپنی بندوقیں اٹھائے ہر حرکت پر نظر رکھتے تھے۔

ہم مسجد اقصیٰ کے ایک دروازے کے قریب پہنچے، اس دروازے پر قابض فوج کے کئی سپاہی موجود تھے جو ہر زائر کو چیک کر رہے تھے، اور اس کی شناختی کارڈ کو دیکھ رہے تھے، اور کبھی کبھی اس کا نمبر نوٹ کرتے تھے۔ ہم نے اپنی شناختی کارڈ کے نمبر درج کرانے کے بعد مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے اور ایک شیخ کی آواز لاؤڈ اسپیکر پر قرآن کریم کی آیات کی تلاوت کر رہی تھی۔ قبۃ الصخرہ اپنے چمک دار رنگوں کے ساتھ اس اونچی پہاڑی پر براجمان تھی۔ ہم پتھر کی سیڑھیوں پر چڑھ کر وہاں پہنچے، اور مسجد اقصیٰ کے دروازے تک پہنچ گئے۔ ایک خشوع اور خوف کا احساس میرے اندر پیدا ہوا جب میں نے مسجد کے اندر اپنے پہلے قدم رکھے۔ اپنے جوتے اپنے ہاتھ میں لے کر ہم نے مسجد میں تحیۃ المسجد کی دو رکعت نماز ادا کی اور پھر جمعہ کے خطیب کا انتظار کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔ خطیب منبر پر چڑھا اور ایک معمولی خطبہ دیا جس میں کچھ بھی نیا یا خاص نہیں تھا جو ہمارے غزہ کے مشائخ کے خطبوں سے مختلف ہو۔ پھر ہم نے جمعہ کی نماز اور اس کی سنت ادا کی اور لوگ مسجد سے باہر نکلنے لگے۔ ہم دوبارہ جمع ہوئے اور مسجد قبۃ الصخرہ کی طرف سیڑھیاں چڑھنے لگے، ابراہیم ہمیں مسجد اور اس چٹان کے بارے میں بتانے لگا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے سفر پر آسمان کی طرف گئے تھے اور انہوں نے بتایا کہ اسراء مکہ سے القدس تک تھا اور معراج القدس سے آسمان کی طرف سدرۃ المنتہیٰ تک تھا۔ پھر انہوں نے وضاحت کی کہ القدس

زمین پر ایک اہم پڑاؤ کیوں تھا؟ یہ ممکن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے براہ راست آسمان کی طرف چلے جاتے، لیکن اللہ کی حکمت نے اس بات کو ضروری سمجھا کہ وہ القدس سے گزریں تاکہ مسلمانوں کو یہ واضح ہو جائے کہ القدس ان کے عقیدے، دین اور آسمان کی طرف ان کی راہ میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ابراہیم بار بار اس بات پر زور دیتے رہے کہ یہاں سے، القدس سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف گئے، میرے جسم میں ایک لرزش اور کپکپی پیدا ہوئی جسے میں اپنے ساتھ کھڑے لوگوں سے جنہوں نے بھی وہ احساس محسوس کیا چھپا نہ سکا۔

ہم غزہ کے کیمپوں سے تھے اور پہلی بار القدس کی زیارت کر رہے تھے، جو ہمارے ذہنوں میں پہلے محض ایک نام تھا جس کا کچھ اثر ہوتا تھا اور آج ہم اس مقدس مقام پر کھڑے تھے، جس کے ارد گرد قابض فوجی موجود تھے جو جسے چاہیں اندر جانے دیتے اور جسے نہ چاہیں نہ جانے دیتے۔ اور یہ مسلمانوں اور عربوں کی امت اپنی لاکھوں کی تعداد، دولت اور فوجوں کے ساتھ اسے آزاد کرانے اور ان ملعون غاصبوں سے نجات دلانے میں ناکام تھی۔ ان لمحات سے ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آنے لگی کہ اس تنازع کا ایک اور پہلو ہے جو ہم پہلے نہیں سمجھتے تھے۔ یہ صرف زمین اور اس سے نکالے گئے لوگوں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک عقیدے اور دین کی جنگ ہے۔ ایک تہذیب، تاریخ اور وجود کی جنگ۔ ابراہیم اور اس سفر کے منتظمین نے اس معنی کو ہماری نفوس میں اچھی طرح بٹھا دیا تھا۔ انہی خیالات کے دوران ابراہیم کی آواز نے ہمیں اعلان کیا کہ اب ہمیں بس کی طرف جانا ہے تاکہ ہم الخلیل شہر کی طرف روانہ ہوں، جہاں ہم حرم ابراہیمی شریف کی زیارت کریں گے۔ اس آواز کی تکرار ہوئی تو ہم نحیف قدموں کو زمین سے اٹھا کر بوجھل دلوں کے ساتھ بوجھل قدموں سے دروازے کی طرف چلنے لگے، کیونکہ اس مقام کی عظمت، تقدس اور یہاں کے جذبات آپ کو یہاں سے خوشی سے جدا ہونے نہیں دیتے اور آپ چاہیں گے کہ آپ یہیں رہیں۔

راستے بھر بس کی جانب جاتے ہوئے، ابراہیم کے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہے، جو انہوں نے صلاح الدین کے منبر کے بارے میں کہے تھے جسے القدس کی آزادی سے پہلے کے سالوں میں تیار کیا گیا تھا اور ان کے سامنے رکھا گیا تھا تاکہ ان کے لیے ایک محرک اور حوصلہ افزائی کا ذریعہ بنے، تاکہ وہ صلیبیوں سے القدس کو آزاد کرا سکے۔ اور کیسے یہودی ہاتھوں نے ۱۹۶۸ء میں اس کو جلایا، میں اپنے آپ سے سوال کرتا کہ کیا اس دور کے لیے کوئی صلاح الدین ہے؟

بس ہمیں لے کر الخلیل کی جانب روانہ ہوئی، جو اپنے راستے میں بیت جالا، پھر بیت لحم اور پھر الدہیشہ کیمپ سے گزری۔ ہم نے کیمپ کو اس کی بھری بھری عمارتوں اور سادگی سے پہچانا۔ ابراہیم نے پہچان لیا کہ یہ الدہیشہ کیمپ ہے۔ پھر اس نے دوسری طرف اشارہ کیا، دیکھنے میں آیا کہ ایک خیمہ ایک خالی زمین پر نصب ہے اور درجنوں سپاہی اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ اس نے کہا: یہ خیمہ حاخام موشی لیونگر کا ہے، جو الخلیل شہر کے بڑے آبادکاروں میں سے ایک ہے۔ وہ الدہیشہ کیمپ کے سامنے احتجاج کر رہا تھا، کیونکہ قابض فوج آبادکاروں کو الخلیل جاتے ہوئے کیمپ کے لڑکوں کے پتھروں سے محفوظ نہیں رکھ سکتی جو دن رات ان پر برسائے جاتے تھے۔ اس کے بعد ہم العروب کیمپ سے بھی گزرے، اور کچھ وقت کے بعد ہم الخلیل شہر پہنچ گئے۔

جب ہم شہر کے قلب میں داخل ہوئے، تو دیکھا کہ یہ قابض فوج کی ایک بڑی چھاؤنی کی مانند ہے، یہاں وہاں سینکڑوں فوجی، اور درجنوں فوجی گاڑیاں حساس مقامات پر حرکت کر رہی ہیں، اور کئی مقامات اور عمارتوں کو خاردار تاروں سے گھیر رکھا ہے۔

۱۹۷۰ء کے وسط سے ہی یہودی آبادکار قابض فوج کی حمایت اور تحفظ میں شہر کے پرانے حصے کی کئی عمارتوں اور مقامات پر قبضہ کر چکے تھے۔ وہ لوگوں کو وہاں سے نکال رہے تھے اور خود وہاں آباد ہو رہے تھے اور درجنوں فوجی ان کی حفاظت کر رہے تھے۔ پھر وہ عمارتوں کی تعمیر، مرمت اور علاقے کے عربی حلیے کو تبدیل کرنے کے کاموں میں مصروف ہو جاتے۔ ہر روز وہ ایک نئی عمارت یا مقام پر قابض ہو جاتے اور فوجی ان کی حفاظت اور تعاون کرتے۔

بس ہمیں حرم ابراہیمی شریف لے کر پہنچی۔ بڑی تعداد میں فوجی وہاں موجود تھے اور عرب سے آنے والوں کے شناختی کارڈز چیک کر رہے تھے اور انہیں روک رہے تھے جبکہ یہودی اور غیر ملکی سیاح آرام سے اور آسانی سے سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے۔ ہم ایک لمبے راستے پر چلے، جہاں ہمارے ساتھ ساتھ نماز کے لیے ایک لمبی جائے نماز بچھائی گئی تھی۔ پھر ہم ایک طرف کے صحن میں داخل ہوئے جو مسجد کے مرکزی حصے کی جانب جاتا تھا۔ اس کے دوسرے سرے پر دو اور نماز کی جگہیں تھیں۔ ہم نے کئی مقبروں کو دیکھا جن پر قدیم تاریخی نام لکھے ہوئے تھے: ابراہیم، اسحاق، سارہ، اور یوسف علیہم السلام۔ یہ سبز کپڑے سے ڈھکے ہوئے تھے، ہم نے مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی اور اس کے گوشے گوشے میں گھوم کر اپنی امت اور عقیدے کی تاریخ کو دیکھا۔ پھر ہم نے دروازے کے قریب دکانداروں سے ملبن، قمر الدین، کشمش، اور انجیر خریدا اور پھر بس ہمیں لے کر غزہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

سب نے شام کی مسنون دعائیں پڑھنا شروع کیں:

أمسينا وأمسى الملك لله والحمد لله، ولا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، اللهم إني أسألك خير هذه الليلة، وأعوذ بك من شر هذه الليلة وشر ما بعدها، اللهم إني أعوذ بك من الكسل وسوء الكبر، اللهم إني أعوذ بك من عذاب في النار وعذاب في القبر۔

اجتماعی دعا کی آواز ہماری آوازوں سے گونج رہی تھی، اور یہ جو الفاظ ہم دہرا رہے تھے، ان کے معنی کچھ اور ہی معلوم ہو رہے تھے۔ خاص طور پر جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہمارے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوتا تھا، اس سفر کے بعد ان مقدس مقامات پر، ان الفاظ کے معنی اور اہمیت کچھ اور ہی ہوتی تھی۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۸۰ پر)

خباب ابن السبیل

امریکی مداخلت اور دباؤ، اقوام متحدہ اپنے ادارے کسی اور جگہ منتقل کرنے پر مجبور

اقوام متحدہ کے ترجمان اسٹیفن دوجارک نے ترک خبر رساں ایجنسی کو بتایا کہ ”عالمی ادارہ مسلسل اس بات کا جائزہ لے رہا ہے کہ آیا ترکی کا شہر یا کوئی دوسرا خطہ فنڈنگ بحران اور امریکی مداخلت کے درمیان اقوام متحدہ اور اس کے مرکزی اداروں کی میزبانی کر سکتا ہے۔“ انہوں نے اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر میں میڈیا کو بتایا کہ ”روایتی اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر کو دوسرے شہروں میں منتقل کرنا ایک ایسی چیز ہے جس پر غور کیا جارہا ہے“۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اپنی تقریر میں ترک صدر رجب طیب اردوان نے زور دیا کہ استنبول اقوام متحدہ کے ایک بہترین مرکز کے طور پر کام کر سکتا ہے۔ سربیا کے رہنما الیگزینڈر ووچک سمیت دیگر رہنماؤں نے بھی اپنی تقاریر کے دوران بحران سے متاثرہ اقوام متحدہ اور اس کی شاخوں کو اپنے شہروں میں منتقل کرنے کی تجویز پیش کی۔ ٹی آر ٹی ورلڈ کی طرف سے پوچھے جانے پر کہ کیا استنبول وہ شہر ہو سکتا ہے جہاں اقوام متحدہ کو منتقل کیا جا سکتا ہے، دوجارک نے کہا، ”استنبول پہلے ہی اقوام متحدہ کی مختلف تنظیموں کے متعدد علاقائی مرکزوں کا گھر ہے، اس لیے یہ وہ چیز ہے جس کا ہم مسلسل جائزہ لے رہے ہیں“۔ اقوام متحدہ کے چھ اہم اداروں میں سے پانچ، جنرل اسمبلی، سلامتی کونسل، اقوام متحدہ کی اقتصادی اور سماجی کونسل، ٹرسٹی شپ کونسل، اور اقوام متحدہ کا سیکرٹریٹ سبھی نیویارک میں اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر میں مقیم ہیں۔ چھٹی، بین الاقوامی عدالت انصاف، ہیگ، نیدر لینڈز میں قائم ہے۔ اقوام متحدہ کی فنڈنگ میں نمایاں کٹوتیوں کے درمیان، خاص طور پر ۲۰۲۵ء میں ٹرمپ انتظامیہ کے تحت ریاستہائے متحدہ سے، نیویارک شہر سے اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر اور اس کی کچھ ایجنسیوں کو منتقل کرنے کے لیے مختلف بین الاقوامی شخصیات کی طرف سے بڑھتی ہوئی بحث اور بڑھتے ہوئے مطالبات ہیں۔ فنڈنگ کے بحران کی وجہ سے اقوام متحدہ میں بجٹ خسارے میں اضافہ ہوا ہے، جس سے عملے میں کمی جیسے لاگت بچانے کے اقدامات کو فروغ دیا گیا ہے۔ نتیجتاً، ترکی سمیت کئی ممالک استنبول کو اقوام متحدہ کے ممکنہ مرکز کے طور پر تجویز کر رہے ہیں۔ رپورٹس ۲۰۲۶ء کے بجٹ میں ۵۰۰ ملین ڈالر کی ممکنہ کمی کی نشاندہی کرتی ہیں، جس کے نتیجے میں عالمی سطح پر عملے میں ۲۰ فیصد کمی ہو سکتی ہے۔ اس نے اندرونی اقدام کے لیے حوصلہ افزائی کی ہے جس میں اہم تبدیلیوں کا خاکہ پیش کیا گیا ہے، جیسے محکموں کو ضم کرنا اور وسائل کو مہنگے مغربی مراکز سے دور منتقل کرنا۔

اس مسئلے کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ کیا اس اقدام کا مقصد اقوام متحدہ کے بے جان وجود میں جان ڈالنا ہے تاکہ مسلم ممالک مسائل کا ٹھوس حل تلاش کرنے کے بجائے اسی ادارے سے امید باندھے رکھنے پر اکتفا کریں۔ امریکیوں کے افغانستان سے انخلاء کے بعد ترکی کی جانب سے بھرپور کوششیں کی گئی تھیں کہ ترک فورسز کی افغانستان میں موجودگی کو قبول کرلیا جائے۔ اسی طرح ہم افریقی ممالک میں دیکھتے ہیں کہ ترکی نہ صرف اپنے اثر رسوخ کو بڑھا رہا ہے بلکہ صومالیہ میں تو مجاہدین کے خلاف جنگ میں باقاعدہ فریق بن چکا ہے۔ خود امریکی تھنک ٹینکس بھی افریقہ میں ترکی اور متحدہ عرب امارات کی فوجی موجودگی کی امریکی مفادات کے تناظر میں حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔

ترک نشریاتی ادارے ٹی آر ٹی کی ایک اور خبر میں بتایا گیا ہے کہ چین کی معیشت بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے اور وہ جلد دنیا کی سب سے بڑی معیشت بن سکتا ہے، جس کی وجہ سے عالمی ادارے جیسے اقوام متحدہ، عالمی بینک اور آئی ایم ایف کی ہیڈ کوارٹرز کی جگہ بدلنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ امریکی ماہر اقتصادیات جیفری ساکس کا کہنا ہے کہ اب دنیا کا توازن بدل چکا ہے اس لیے یہ ادارے امریکہ یا مغربی ممالک کے بجائے چین جیسے ابھرتے ہوئے ممالک میں ہونے چاہیے۔ خبر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ چین نے مختلف بین الاقوامی تنظیمیں اور بینک بنائے ہیں، جیسے برکس، ایشیائی انفراسٹرکچر انویسٹمنٹ بینک، تاکہ عالمی گورننس اور ترقی میں اپنا کردار بڑھا سکے۔ عالمی اداروں کے مرکزی دفاتر اب بھی امریکہ میں ہیں لیکن معاشی حقائق کی روشنی میں ان میں تبدیلی ضروری ہو گئی ہے۔ بھارت سمیت ایشیا کی معیشت اب دنیا کی آدھی سے زیادہ پیداوار کرتی ہے، چین کی معاشی طاقت بڑھنے سے دنیا کے سیاسی اور اقتصادی نظام میں نئی تبدیلیاں آرہی ہیں۔ اس کی وجہ سے مغربی ممالک کو اپنی پوزیشن مستحکم رکھنے کے لیے نئی حکمت عملی بنانا پڑ رہی ہے۔

چین نے اپنی بین الاقوامی سرمایہ کاری، ترقیاتی پراجیکٹس، اور تجارتی معاہدوں کے ذریعے ایشیا، آفریقہ اور یورپ میں اپنی موجودگی کو مضبوط کی ہے۔ اس سے عالمی طاقت کا توازن مشرق کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ عالمی اداروں کی اصلاحات نہ صرف نمائندگی بلکہ فیصلوں میں شمولیت کے حوالے سے بھی ضروری ہوگئی ہے تاکہ موجودہ عالمی حقیقتوں کی عکاسی ممکن ہو سکے۔

انڈونیشیا کی جانب سے غزہ میں امن دستے بھیجنے کی آفر

انڈونیشیا کے صدر پرابوو سوبیانتو نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کو بتایا ہے کہ ان کا ملک غزہ میں امن دستے تعینات کرنے کے لیے تیار ہے، کیونکہ انسانی بحران گہرا ہو رہا ہے اور نسل کشی جاری ہے۔ سوبیانتو نے کہا کہ انڈونیشیا تنازع کو روکنے کے لیے بین الاقوامی کوششوں میں حصہ لینے کے لیے تیار ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ اقدام فلسطینیوں کی کسی قسم کی مدد بھی کرپائے گا یا اس کی حیثیت بھی یورپی ممالک کی جانب سے فلسطین کو تسلیم کرنے جیسی ہے، جس کے متعلق خود امریکی وزارت خارجہ بھی اعلان کر رہا ہے کہ ہمارے اتحادیوں کی جانب سے فلسطین کو تسلیم کرنے کے اقدامات نمائشی ہیں۔

امریکی محکمہ خارجہ کے ترجمان کی جانب سے اس سال کے آغاز میں جاری کی جانے والی رپورٹ کے مطابق انڈونیشیا کے ساتھ فارن ملٹری سیلز (ایف ایم ایس) سسٹم کے تحت امریکہ کے پاس ۱۸۸ بلین ڈالر حکومت سے حکومت کے درمیان فعال فروخت کے معاملات ہیں۔

کانگریس کو مطلع کردہ اہم مجوزہ ایف ایم ایس کیسز میں شامل ہیں: F-16C/D بلاک ۲۵ لڑاکا طیارے، AH-64D اپاچی بلاک III لانگ بو ہیلی کاپٹر، MV-22 بلاک سی آسپری ہوائی جہاز، اور جیولن، AIM-120C-7 AMRAAM، AIM-9X-2 سائیڈ ونڈر، اور AGM-65K2 Maverick میزائل۔

مالی سال ۲۰۱۵ء سے لے کر مالی سال ۲۰۱۹ء تک، امریکہ نے انڈونیشیا کو براہ راست کمرشل سیلز (DCS) کے عمل کے ذریعے ۵۴۶ ملین ڈالر سے زیادہ کی دفاعی اشیاء کی مستقل برآمد کی بھی اجازت دی۔ انڈونیشیا کے لیے DCS کے سرفہرست زمروں میں شامل ہیں: ہوائی جہاز، آتشیں اسلحہ، اور الیکٹرانکس۔ مالی سال ۲۰۲۰ء میں، انڈونیشیا کو ۱۴ ملین ڈالر کی غیر ملکی فوجی فنانسنگ اور ۳ء۲ ملین ڈالر سے زیادہ بین الاقوامی فوجی تعلیم اور تربیت کے فنڈز میں ملے۔ مالی سال ۲۰۲۰ء میں، محکمہ دفاع نے انڈونیشیا کو سیکشن ۳۳۳ کے تحت ۶ء۲۲ ملین ڈالر کی سیکورٹی امداد فراہم کی۔ انڈونیشیا سیکشن ۱۲۶۳ کے تحت امداد حاصل کرنے کا بھی اہل ہے، جسے انڈوپیسیفک میری ٹائم سیکورٹی انیشی ایٹو کہا جاتا ہے، جو بحری اور ساحلی محافظوں کی میری ٹائم سیکورٹی کو مضبوط بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ محکمہ دفاع نے مالی سال ۲۰۱۶ء سے لے کر مالی سال ۲۰۲۰ء تک انڈونیشیا کو ۵ ملین ڈالر سے زیادہ کی دفاعی ادارہ جاتی صلاحیت کی تعمیر میں معاونت فراہم کی ہے۔ انڈونیشیا نے ایک جنرل سیکورٹی آف ملٹری انفارمیشن ایگریمنٹ (GSOMIA) اور ایک کمیونیکیشن انٹرآپریٹبلٹی اینڈ سیکورٹی میمورنڈم آف ایگریمنٹ (CISMOA) کا اختتام کیا۔ یہ بنیادی معاہدے امریکہ اور انڈونیشیا کے درمیان بہتر شراکت داری، معلومات کے تبادلے اور دفاعی تعاون کے لیے فریم ورک قائم کرتے ہیں۔ انڈونیشیا اقوام متحدہ کے امن مشنوں میں ایک اہم فوجی تعاون کرنے والا ملک ہے جس کے ۸ مشنوں میں دو ہزار سات سو پچاس سے زیادہ اہلکار تعینات ہیں۔ انڈونیشیا اس وقت UNIFIL میری ٹائم ٹاسک فورس میں حصہ لے رہا ہے۔ ۱۹۸۹ء سے، انڈونیشیا کی فضائیہ اور یو ایس پیسفک ایئر فورس نے Cope West فوجی مشق کا انعقاد کیا، جو فضا سے فضا میں تربیت سے متعلق حکمت عملیوں، تکنیکوں اور طریقہ کار کے تبادلے کی اجازت دیتا ہے۔ گزشتہ شمارے میں بھی ہم تفصیلی رپورٹ شائع کر چکے ہیں کہ انڈونیشیا خطے میں امریکی بحری جہازوں کے ایم ار او آپریشنز کے لیے سروسز فراہم کرنے کا ایک بڑا معاہدہ کرنے جارہا ہے۔ امریکہ کے ساتھ ان فوجی معاہدوں اور تعاون جاری رکھتے ہوئے کسی بھی ملک کی جانب سے غزہ کی مدد کا دعویٰ آنکھوں میں دھول جھونکنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

کولمبیا کے صدر پر امریکی فوجیوں کو حکم نہ ماننے کی ترغیب دینے کا الزام

کولمبیا کے صدر گستاو پیٹرو کا ویزہ امریکی محکمہ خارجہ نے منسوخ کر دیا۔ ویزہ منسوخی کی وجہ یہ بتائی جارہی ہے کہ کولمبیا کے صدر گستاوو پیٹرو نے نیویارک میں ایک خطاب کیا جس میں وہ امریکی فوجیوں کو حکم ماننے سے انکار کرنے کی ترغیب اور تشدد پر اکسانے کے اشارے دے رہے تھے۔ محکمہ نے ”ایکس“ پر اپنے ایک پیغام میں لکھا: ہم پیٹرو کا ویزا ان کی بے احتیاطی اور اشتعال انگیزی کی وجہ سے منسوخ کر دیں گے۔ یہ سب اس کے بعد ہوا جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیے نیویارک میں موجود پیٹرو نے یو این کے دفتر کے سامنے جمع ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ”میں امریکی فوج کے تمام سپاہیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی بندوقیں لوگوں کی طرف نہ کریں۔ صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے احکام کی پیروی نہ کریں بلکہ انسانیت کے احکام کی پیروی کریں!“ پیٹرو نے نیویارک میں فلسطینی حامی مظاہرین کے اجتماع سے خطاب کی اپنی چند ویڈیوز دوبارہ شائع کیں۔ اور انہوں نے ”ایکس“ پر لکھا: ”فلسطین کو آزاد کرو۔ اگر غزہ کا سقوط ہوا تو انسانیت مرجائے گی۔“ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں اپنے خطاب میں پیٹرو نے ٹرمپ پر بھی شدید تنقید کی، اور کہا کہ امریکی صدر ”غزہ میں نسل کشی میں شریک ہے“۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ امریکی محکمہ خارجہ نے دو ہفتے قبل فلسطینی صدر محمود عباس اور ان کے ہمراہ وفد کا نیویارک کے لیے ویزا بھی منسوخ کر دیا تھا۔

سعودی عرب: مسجد الحرام کے امام اور سابق جج کی سات سال بعد رہائی

مکہ مکرمہ میں مسجد الحرام کے امام شیخ ڈاکٹر صالح آل طالب کو سات سال سے زائد سعودی جیلوں میں گزارنے کے بعد رہا کر دیا گیا ہے۔ سعودی عرب میں قیدیوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والی ایک تنظیم کے مطابق شیخ صالح اس وقت گھر میں نظر بند ہیں، ان کے ٹخنوں پر الیکٹرانک ٹیگ لگائے گئے ہیں۔ خلیج آن لائن کی رپورٹ کے مطابق شیخ صالح الطالب کو ۲۰۱۸ء میں اس وقت گرفتار کیا گیا جب انہوں نے اپنے ایک خطبے میں میوزیکل کنسرٹس اور تقریبات میں نامحرم مردوں اور خواتین کے گھلنے ملنے کو غیر اسلامی قرار دیا تھا۔ اگرچہ امام کعبہ نے اپنے اُس وعظ میں شاہی شخصیات اور حکومتی پالیسی کو براہ راست تنقید کا نشانہ نہیں بنایا تھا لیکن سعودی حکومت کی جانب سے ان کے خطبے کو سعودی جنرل انٹرٹینمنٹ اتھارٹی پر تنقید قرار دیا گیا، اور انہیں ۱۰ سال قید کی سزا سنائی گئی تھی۔

سعودی حکام حال ہی میں رہا کیے گئے قیدیوں کے ٹخنوں پر ٹریکنگ بریسلٹ لگا رہے ہیں، ان افراد میں علماء، پیشہ ور افراد اور ماہرین تعلیم جیسی ممتاز شخصیات بھی شامل ہیں۔ اس اقدام کا مقصد ان کی نقل و حرکت اور دوسروں کے ساتھ بات چیت کی نگرانی ہے۔ یہ بھی اطلاعات ہیں کہ سعودی حکام رہا ہوئے یا یا جو رہا ہونے والے ہیں ان قیدیوں کے والدین کو مجبور کر رہے ہیں کہ اپنے بچوں کی رہائی سے قبل ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان کی تعریف کریں، اور ان کی وفاداری اور حب الوطنی کے ثبوت کے طور پر اسے ویڈیو پر ریکارڈ کریں۔

کیا پاکستان صومالیہ میں چین کے فرنٹ مین کا کردار ادا کر رہا ہے؟

یوریشیا ریویو (Eurasia Review) کی جانب سے شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق جب پاکستانی کابینہ نے ۲۸ اگست ۲۰۲۵ء کو صومالیہ کے ساتھ دفاعی تعاون کے ایم او یو (MIU) کی منظوری دی تو یہ اعلان سفارتی خیر سگالی، تربیتی اور تکنیکی مدد کے اشارے سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ تاہم، اس معاہدے کے سائے موغادیشو کے ساحلوں سے بہت آگے تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اسلام آباد کی طرف سے صومالیہ معاہدہ، آزادانہ اقدام کے بجائے چینی اثر و رسوخ کے گہرے دھاروں سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلحہ، قرضے، سفارتی احاطہ، اور جغرافیائی سیاسی ڈیزائن۔ درحقیقت، پاکستان ہارن آف افریقہ میں چین کا شیڈو پلییئر بن گیا ہے۔ چین نے خاموشی سے بحیرۂ احمر، بحر ہند اور بالخصوص ہارن آف افریقہ کے اطراف میں بحری انٹری کا راستہ اختیار کیا ہے۔ جبوتی سپورٹ بیس، ۲۰۱۷ء میں کھولا گیا جس کی اسٹریٹجک اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بحری قزاقی مخالف مشن یا تعاون پر مبنی گشت کے تحت نہ صرف چینی تجارت بلکہ جنوبی افریقہ سے مشرقی ایشیا تک عالمی تجارت کے لیے سپلائی لائنیں ہوتی ہیں، اور ان سمندری راہداریوں کو محفوظ بنانا اثر و رسوخ کا ایک راستہ ہے۔ صومالیہ کے ساتھ پاکستان کے ایم او یو کو اس پس منظر میں دیکھنا چاہیے۔ تربیت، جہاز کی دیکھ بھال، اور گشتی معاونت جو یہ پیش کرتی ہے وہ خود ختم نہیں ہوتی، وہ ایک وسیع چینی ڈیزائن کے اجزاء ہیں، جس میں پاکستان مقامی چہرے کے طور پر کام کر رہا ہے۔ بیجنگ کے وژن کے مطابق خود کو ہم آہنگ کرتے ہوئے، پاکستان صومالیہ کے لیے فوجی امداد کا پیکج لاتا ہے، بشمول ہتھیار، نظام، پرزے، مرمت، قرضے اور سفارتی تحفظ۔ وہی چینی دفاعی فرم جو پاکستان کے بحریہ کو سپلائی کرتی ہیں وہ پاکستانی سرپرستی میں صومالیہ میں معاہدے کریں گی۔ اس طرح، صومالی بحریہ کو جدید بنایا جاسکتا ہے، لیکن ایک فریم ورک کے تحت جو اس کی وفاداری کو نہ صرف پاکستان بلکہ بالواسطہ طور پر بیجنگ کے ساتھ منسلک کرے گا۔ صومالیہ کے ساتھ مفاہمت نامے کو دفاعی تعاون کے پانچ سالہ انتظام کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ پاکستان کے جنگی کالجوں میں تربیت، تکنیکی مدد، دیکھ بھال، ٹیکنالوجی کا اشتراک، آلات کی جدید کاری۔ واضح رہے کہ ''ٹیکنالوجی کے اشتراک'' کو ہمیشہ کنٹرول کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن مزید قریب سے دیکھیں تو جوائنٹ ڈیفنس کوآپریشن کمیٹی، جس کا سالانہ اجلاس ہونے والا ہے، تمام تعاون کی سرگرمیوں کو مربوط کرے گی۔ اس کمیٹی میں، پاکستان صومالیہ کی بحری ترجیحات سے فائدہ اٹھائے گا۔ فیصلہ سازی کا توازن ہارڈ ویئر اور مہارت لانے والے پارٹنر کی طرف جھک جائے گا۔ اس پر غور کریں کہ ایک کمزور لیکن تزویراتی طور پر واقع ریاست بحریہ کے ایک مضبوط پارٹنر کو دعوت دیتی ہے، صرف اپنے آپ کو اس کی لاجسٹکس، نظریے، اسپیئر پارٹس کی زنجیروں اور سیاسی توقعات سے ڈھکی ہوئی محسوس کرنے کے لیے۔ یہ وہ ماڈل ہے جو بیجنگ نے کہیں اور پرفیکٹ کیا ہے۔ پاکستان صومالیہ میں اس ماڈل کے سنگم پر بیٹھا ہے جس میں وہ سامنے نظر آنے والا چہرہ تو ہے، لیکن معمار نہیں۔ اسلام آباد یقینی طور پر یہ دعویٰ کرے گا کہ یہ ''مسلم یکجہتی'' علاقائی سلامتی کے تعاون کی طرف اقدام ہے۔ لیکن یہ فریمنگ اصل میں فریب ہے۔ یہ چینی حکمت عملی کے ڈھانچے پر تیار کردہ ہے۔ صومالیہ میں چین کے سرکاری میڈیا نے بار بار افریقہ میں ایسے بیانیے کو آگے بڑھایا ہے جو میری ٹائم سیکورٹی میں چینی پوزیشنوں کو استحقاق فراہم کرتے ہیں۔ پاکستان کا کردار قانونی حیثیت دینا ہے۔ براہ راست چینی موجودگی کے بجائے، آپ کو پاکستان کی برانڈڈ آؤٹ ریچ ملے۔ یہ چین کو اپنی طاقت کے نقوش کو چھپاتے ہوئے اسٹریٹجک گہرائی فراہم کرتا ہے۔ صومالیہ، اس مفاہمت نامے کو منظور کرتے ہوئے، یہ مان سکتا ہے کہ اس نے ایک پارٹنر حاصل کر لیا ہے۔ لیکن اس نے حقیقت میں ایک ثالث کو قبول کر لیا ہے، جس سے غیر ملکی ایجنڈہ مقامی سطح پر چھپ جاتا ہے۔ نتیجہ؟ اس کی پسند کی خودمختاری کسی اور کے ڈیزائن کے ذریعے فلٹر ہو جاتی ہے۔ جیو پولیٹیکل لحاظ سے، کلائنٹ ریاستیں اس طرح بنتی ہیں۔ پاکستان کے ساتھ ایم او یو صومالیہ کو بااختیار بنانے کا عمل نہیں ہے بلکہ بحر ہند میں چین کی بساط پر ایک قدم ہے۔ پاکستان سوٹ، مصافحہ، تربیت اور فوجی امداد کا دکھاوا پیش کرتا ہے، لیکن بیجنگ پس پردہ موجود ہے۔ صومالیہ کے ساتھ پاکستان کا تعلق بدل گیا ہے۔ برابر کے شراکت دار کے طور پر نہیں بلکہ پراکسی، بروکر اور کنڈیٹ کے طور پر۔ اس کردار میں، اس نے اپنی خودمختاری کھو دی ہے۔ صومالیہ سے، علاقائی مبصرین سے اور عالمی مبصرین سے، یہ سوال ضرور پوچھا جانا چاہیے کہ کیا یہ دفاعی تعاون ہے، یا کسی اور کے پرچم تلے چین کی توسیع کا ایک اور قدم؟

ترکی لیبیا کے ساتھ سمندری حدود کی چوری کر رہا ہے: مالٹا

مالٹا نے ترکی اور لیبیا کے درمیان سمندری حدود کے حالیہ نئے معاہدے کو ''سمندری تہہ کی لوٹ مار'' (Seabed Heist) قرار دیا ہے، کیونکہ اس معاہدے کے ذریعے ترکی کو بحیرۂ روم میں توانائی کی دولت پر غیر قانونی فائدہ پہنچانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

یہ معاہدہ ترکی کے لیبیا کی حکومت کے ساتھ مل کر مشرقی بحیرۂ روم میں سمندری حدود کی حد بندی کے بعد طے پایا، جس کا مقصد ترکی کو تیل و گیس کے ذخائر تک رسائی دینا تھا۔ مالٹا نے سختی سے کہا ہے کہ یہ اقدام بین الاقوامی سمندری قوانین کی خلاف ورزی ہے اور اس سے خطے کے سمندری معاہدوں کو نقصان پہنچے گا، خاص طور پر اس سے مالٹا کا اقتصادی زون متاثر ہو گا۔ بعد ازاں، مالٹا نے خبردار کیا کہ ترکی اور لیبیا کے اس معاہدے سے نہ صرف مالٹا کا اقتصادی زون متاثر ہو گا بلکہ یہ پورے مشرقی بحیرۂ روم میں امن اور استحکام کے لیے خطرہ ہے۔ معاہدے کے ذریعے ترکی نے اصل میں لیبیا کے سمندر میں اپنی حدود کو بڑھا دیا ہے، جو کہ یونان، قبرص اور مالٹا کے ساتھ طویل عرصے سے تنازع کا باعث ہیں۔ اس حد بندی سے ترکی کو توانائی کے سب سے اہم ذخائر تک براہ راست رسائی مل جاتی ہے۔ لیبیا کی حالیہ حکومت اس معاہدے کو سیاسی اور اقتصادی حوالے سے اہم سمجھتی ہے، لیکن اس طرح کی حد بندی بین الاقوامی قانون کے دائرے میں نہیں آتی اور اقوام متحدہ میں بھی اس کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔ مالٹا نے عالمی برادری سے اپیل کی ہے کہ وہ اس ''سی بیڈ ہائسٹ'' کو روکنے کے لیے فوری اقدامات کرے تاکہ مشرقی بحیرہ روم میں توانائی کے وسائل پر قبضے کے تنازعات کو ایندھن نہ ملے۔

معمر قذافی سے غیر قانونی فنڈز کے حصول پر سابق فرانسیسی صدر کو پانچ سال قید کی سزا

سابق فرانسیسی صدر نکولس سرکوزی کو مجرمانہ سازش کے الزام میں قصوروار قرار دیے جانے کے بعد پانچ سال قید کی سزا سنائی گئی ہے، یہ کیس لیبیا کے رہنما کرنل معمر قذافی سے ملنے والے لاکھوں یورو کے غیر قانونی فنڈز سے متعلق ہے۔ برطانوی نشریاتی ادارے بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق پیرس کی کرمنل کورٹ نے اسے دیگر تمام الزامات سے بری کر دیا ہے، جن میں 'بالواسطہ بدعنوانی' اور غیر قانونی انتخابی فنڈنگ شامل ہیں۔ نکولس سرکوزی نے اپیل کرنے کا اعلان کیا ہے مگر عدالتی فیصلے کا مطلب ہے کہ وہ اپیل دائر کرنے کے باوجود جیل جائے گا۔ سابق فرانسیسی صدر جو اس مقدمے کو سیاسی قرار دیتا ہے، پر الزام تھا کہ اس نے لیبیا کے مرحوم صدر معمر قذافی سے ملنے والی رقوم سے اپنی ۲۰۰۷ء کی انتخابی مہم چلائی۔ اس کے بدلے میں، استغاثہ کا الزام تھا کہ سرکوزی نے معمر قذافی کو مغربی ممالک میں اپنی منفی شہرت ختم کرنے میں مدد دینے کا وعدہ کیا۔

جج نتھالی گاوارینو نے کہا کہ سرکوزی نے اپنے قریبی ساتھیوں کو لیبیائی حکام سے رابطہ کرنے کی اجازت دی تاکہ اپنی مہم کے لیے مالی مدد حاصل کی جا سکے۔ عدالت نے نکولس سرکوزی کو ایک لاکھ یورو جرمانہ بھی ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ نکولس سرکوزی کے خلاف یہ تحقیقات ۲۰۱۳ء میں اس وقت شروع ہوئیں جب اس وقت کے لیبیائی رہنما کے بیٹے سیف الاسلام نے پہلی بار الزام لگایا کہ سرکوزی نے اس کے والد کے انتخابی فنڈز سے لاکھوں یورو لیے۔ اگلے سال لبنانی بزنس مین زیاد تقی الدین، جو طویل عرصے تک فرانس اور مشرق وسطیٰ کے درمیان رابطہ کار رہا، نے کہا کہ اس کے پاس تحریری ثبوت ہیں کہ سرکوزی کی انتخابی مہم کو طرابلس کی طرف سے 'بھرپور' فنڈنگ ملی اور یہ ادائیگیاں اس کے صدر بننے کے بعد بھی جاری رہیں، جن کی مالیت ۵۰ ملین یورو (۴۳ ملین پاؤنڈ) تھی۔ اس مقدمے میں دیگر ملزمان میں سابق وزرائے داخلہ کلود گینت اور بریس ہورتفیو بھی شامل تھے۔ عدالت نے گینت کو کرپشن سمیت دیگر الزامات میں مجرم قرار دیا جبکہ ہورتفیو کو مجرمانہ سازش میں ملوث پایا۔ نکولس سرکوزی کی اہلیہ، اطالوی نژاد سابق ماڈل اور گلوکارہ کارلا برونی سرکوزی پر بھی گزشتہ سال قذافی کیس سے متعلق شواہد چھپانے اور دھوکہ دہی کے لیے غلط کاموں کے ساتھ تعلق رکھنے کے الزامات عائد کیے گئے تھے۔ ۲۰۱۲ء کے انتخابات ہارنے کے بعد سے نکولس سرکوزی کو کئی فوجداری تحقیقات کا سامنا ہے۔ اس نے فروری ۲۰۲۴ء کے اس فیصلے کے خلاف بھی اپیل کی ہے جس میں اسے ۲۰۱۲ء کی انتخابی مہم میں زیادہ اخراجات کرنے اور پھر اسے چھپانے کے لیے پی آر فرم رکھنے کے جرم میں قصوروار ٹھہرایا گیا تھا۔ اسے ایک سال کی سزا ہوئی تھی جس میں سے چھ ماہ معطل تھے۔

مسلم ممالک پر مسلط حکمرانوں کا اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے یہ کیس انوکھی نوعیت کا ہرگز نہیں ہے۔ قیصر بنگالی نے اپنے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا کہ مشرف دور میں سٹیٹ بینک کی پالیسی تبدیل کر کے غیر ملکی بینکوں کو غیر معمولی منافع حاصل کرنے کے مواقع فراہم کیے گئے۔ جس سے غیر ملکی بینکوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ برکلے بینک اسکی واضح مثال تھی۔ پاکستان پر مسلط فوجی و سیاسی رہنماؤں کے لیے اقتدار اور طاقت میں رہنے کا یہ اہم فارمولہ رہا ہے کہ غیر ملکی طاقتوں کے مفادات پورے کرو اور پاکستان کے لوٹے گئے وسائل ان کے حوالے کرو اور بدلے میں یہ ان خائن حکمرانوں کی حمایت جاری رکھتے ہیں۔

امریکہ، جزیرہ نما سینا میں فوجی موجودگی میں کمی کے لیے، مصر پر دباؤ ڈالے: اسرائیل کا مطالبہ

نیتن یاہو نے ٹرمپ انتظامیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ مصر پر جزیرہ نما سینا میں اپنی فوجی موجودگی کم کرنے کے لیے دباؤ ڈالے۔

ایکسیوس کی خبر کے مطابق اسرائیلی حکام کا کہنا ہے کہ غزہ میں جنگ شروع ہونے کے بعد سے سینا میں مصر کی فوجی موجودگی دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی کا ایک بڑا مرکز بن گئی ہے۔ ایکسیوس نے ایک امریکی اور دو اسرائیلی عہدیداروں کے حوالے سے اطلاع دی ہے کہ قاتل نیتن یاہو نے پیر کو القدس میں امریکی وزیر خارجہ مارکو روبیو سے ملاقات کے دوران سینا میں مصری سرگرمیوں کی ایک فہرست پیش کی۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ سینا میں مصر کی سرگرمیاں ۱۹۷۹ء میں طے پانے والے امن معاہدے کی سنگین خلاف ورزی ہیں اور یہ معاہدہ امریکہ کی ضمانت میں طے پایا تھا۔ واضح رہے کہ مصر اور اسرائیل کے درمیان کیمپ ڈیوڈ معاہدے پر ۱۹۷۹ء میں اس وقت کے مصر کے صدر انور سادات اور اسرائیلی وزیر اعظم میناخیم بیگن نے دستخط کیے تھے۔ معاہدے کے تحت جزیرہ نما سینا کو فوج اور اسلحے کی پابندیوں والے کچھ فوجی زونوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ رپورٹ کے مطابق دو اسرائیلی حکام نے کہا ہے کہ مصر اپنے فوجی ڈھانچے کو بڑھا رہا ہے اور اس میں سے کچھ کو ان علاقوں میں جارحانہ مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے جہاں معاہدے کے تحت صرف چھوٹے ہتھیاروں کو گزرنے کی اجازت ہے۔ اسرائیل نے یہ بھی کہا ہے کہ سینا میں ہوائی اڈوں پر رن وے کو بڑھا دیا گیا اور زیر زمین تنصیبات تعمیر کی گئی ہیں۔ انٹیلی جنس اداروں کا خیال ہے کہ یہ تنصیبات میزائلوں کو ذخیرہ کرنے کے لیے استعمال کی جا سکتی ہیں۔

مصر پہلا عرب ملک تھا جس نے اسرائیل کے ساتھ ۱۹۷۹ء کے امن معاہدے پر دستخط کرنے اور کئی دہائیوں کی جنگوں کے خاتمے کے بعد اس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے تھے۔ اس کے بعد سے مصر نے آہستہ آہستہ اسرائیل سے تعلقات استوار کیے، انٹیلی جنس کا تبادلہ کیا، توانائی کے بڑے سودے کیے اور دونوں ممالک کے مابین براہ راست رابطے کو برقرار رکھا۔ لیکن ان تمام اقدامات حتیٰ کہ غزہ میں ہونے والے قتل عام پر مصر کی مجرمانہ خاموش حمایت نے بھی اسے اسرائیل کو راضی کرنے میں ناکام کر دیا۔ اسرائیل نے کرم ابو سالم کے مقام پر ایک فوجی غبارہ فضا میں چھوڑا ہے جو مصر سے صاف دکھائی دیتا ہے۔ اس کے ذریعے مصری فوجی نقل و حرکت کی باریک بینی سے نگرانی کی جا رہی ہے۔ العربی الجدید نے بین الاقوامی انسدادِ دہشت گردی کے ماہر اور سابق مصری کرنل حاتم صابر کے بیان کو نقل کیا ہے۔ بقول صابر: ''مصر غزہ کی مشکلات کو اپنی زمین پر منتقل کرنے کی کسی سازش کو قبول نہیں کرے گا۔''

ٹرمپ کی اقوام متحدہ کی تقریر اور مغرب کے فلسطین کو تسلیم کرنے کی بے وقعتی

رونی پی سسمیتا جو انڈونیشیا کے سٹریٹیجک اینڈ اکنامکس ایکشن انسٹی ٹیوشن میں ایک سینئر تجزیہ کار ہیں، ٹرمپ کی اقوم متحدہ میں تقریر اور یورپی ممالک کی جانب سے فلسطین کو تسلیم کیے جانے کے اقدام کے حوالے سے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

”ڈونلڈ ٹرمپ کی ۲۳ ستمبر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں کی گئی تقریر کبھی بھی نفیس نہیں ہونے والی تھی۔ اپنے انداز کے مطابق، امریکی صدر نے اس روایتی سفارتی پلیٹ فارم کو قوم پرستی کے تکبر، کثیر الجہتی اداروں کے لیے تحقیر، اور اقوام متحدہ کے دعویٰ کردہ نظریات کے لیے کھلی حقارت کے تماشے میں تبدیل کر دیا۔ اس سال سب سے نمایاں چیز ٹرمپ کی اقوام متحدہ کے لیے تحقیر ہی نہیں تھی، اس نے اسے ”کمزوروں کا کلب“ قرار دیتے ہوئے طنز کیا اور کہا کہ اس نے ”کبھی کوئی حقیقی مسئلہ حل نہیں کیا“۔ لیکن دنیا کے دیرپا بحرانوں میں سے ایک، غزہ کی تباہی اور فلسطینی عوام کی انصاف کی فریاد پر وہ دانستہ طور پر خاموش ہی رہا۔

یہ خاموشی اتفاقیہ نہیں تھی۔ ٹرمپ نے ہمیشہ اسرائیل فلسطین تنازع کو نظریاتی اندھے پن اور تجارت کے حساب سے ہی دیکھا ہے۔

ٹرمپ اور انڈونیشیا کے صدر پرابو سبیانتو (Prabowo Subianto) کے درمیان تضاد اس سے زیادہ واضح نہیں ہو سکتا تھا۔ چند دن پہلے ہی، پرابو نے اپنی اقوام متحدہ کی تقریر میں فلسطینیوں کے حق کا پرجوش دفاع کیا، اسرائیل کے حملوں کو روکنے اور غزہ کے شہریوں کی عزت بحال کرنے کے لیے فوری بین الاقوامی عمل کی اپیل کی۔ پرابو کے لیے، جو خود ایک طاقتور رہنما بننے کی خواہش رکھتا ہے، فلسطین صرف ایک اخلاقی مسئلہ نہیں بلکہ ایک اسٹریٹجک معاملہ بھی ہے۔ فلسطینی مؤقف کے ساتھ خود کو ہم آہنگ کر کے، پرابو اپنے ملک میں اپنی رسمی حیثیت مضبوط کرنا چاہ رہا ہے، جہاں فلسطین کے لیے گہری عوامی حمایت پائی جاتی ہے اور اس کے ساتھ وہ عالم اسلام میں انڈونیشیا کو ایک اخلاقی طاقت کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہے۔ تاہم، ٹرمپ نے اپنے مخصوص طنزیہ انداز میں اس طرح کی بیان بازی کو ”نمائشی ڈھونگ“ قرار دے کر مسترد کر دیا۔

اس کے حقارت آمیز لہجے سے ظاہر ہوتا تھا کہ پرابو کا فلسطین کا دفاع محض سیاسی تماشہ تھا جو داخلی استعمال کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا۔ اور کسی حد تک ٹرمپ درست بھی تھا۔ پرابو دیگر طاقتور رہنماؤں کی طرح، سمجھتا ہے کہ خارجہ پالیسی اپنی طاقت کو مستحکم کرنے کے لیے ایک سٹیج کے طور پر کام کر سکتی ہے۔ لیکن ٹرمپ کے طنز نے ایک اور تاریک حقیقت کو بھی واضح کیا: ایک ایسی عالمی سوچ جس میں انصاف، یکجہتی، یا انسانی حقوق کی اپیلوں کو مضحکہ خیز سمجھا جاتا ہے۔ ٹرمپ کی نظر میں پرابو جیسے رہنما غزہ پر بات کر سکتے ہیں، لیکن طاقت بالآخر ان کے پاس ہوتی ہے جو غزہ کو نظر انداز کرتے ہیں اور اسرائیل جیسے مضبوط اور دولت مند اتحادیوں کے ساتھ مضبوطی سے کھڑے ہوتے ہیں۔

ستمبر میں مغربی ممالک کی طرف سے فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے کی لہر میں ظالمانہ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ لہر اس وقت آئی جب عالمی نظام اسے معنی خیز تبدیلی میں بدلنے کی سب سے کم صلاحیت رکھتا ہے۔ جن یورپی ممالک نے فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے کی پیشکش کی، وہ فلسطینیوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کرتے ہوئے یقیناً خود کو تاریخ میں درست سمت میں کھڑا محسوس کرتے ہوں گے، تاہم، عملی طور پر، یہ علامتی اقدامات ٹرمپ طرز کی طاقتور کی سیاست کی حقیقت سے متصادم ہیں۔

ٹرمپ کی تقریر نے ایک سادہ پیغام دیا ہے کہ فلسطین کو اس دنیا میں انصاف نہیں ملے گا جو طاقتور لوگوں کے زیر اثر ہے...... اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل ابھی تک امریکہ کی ویٹو پاور کی یرغمال ہے۔ بین الاقوامی فوجداری عدالت کو ”ناجائز“ کہہ کر اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اور اس طرح وہ نظام جو (فلسطینی ریاست کو) تسلیم کرنے کو جوابدہی یا حقیقی ریاستی حیثیت میں تبدیل کر سکتا ہے، طاقتور (ٹرمپ) کی تحقیر سے منہدم ہو جاتا ہے.......... نفاذ کے بغیر تسلیم کر لینا محض ڈرامہ ہے، اور ٹرمپ کی اقوام متحدہ میں تقریر نے اس نکتے کو بے رحمانہ وضاحت کے ساتھ واضح کیا۔

ٹرمپ اکیلا نہیں ہے، اس کی تقریر میں ولادیمیر پوٹن سے لے کر نریندر مودی تک، دیگر طاقتور رہنماؤں کی آوازوں کی گونج تھی، جنھوں نے کثیر الجہتی اداروں پر اعتماد کو منظم طور پر کمزور کیا...... جب ٹرمپ نے اقوام متحدہ اور اس کی ناکامیوں کا مذاق اڑایا، تو یوکرین سے لے کر میانمار تک کے دیگر تنازعات کے لیے پیغام واضح تھا کہ کثیر الجہتی حل متروک ہو چکے ہیں۔ طاقتور رہنماؤں کا دور ایک ایسا دور ہے جس میں قانون سے زیادہ طاقت کی آواز بلند ہوتی ہے۔ اور ایسے دور میں غزہ کے لیے انصاف کی پکار ہمیشہ دبی رہے گی۔

ستمبر میں مغربی ممالک کی جانب سے فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنا شاید ایک علامتی فتح ہو، لیکن نفاذ کی عدم موجودگی میں، یہ زمینی سطح پر کچھ بھی تبدیل نہیں کرتی۔ ٹرمپ جیسے طاقتور (بدمعاش) رہنما یہ بات یقینی بناتے ہیں کہ اس طرح کے اقدامات کھوکھلے، آسانی سے مسترد کیے جانے والے، اور سیاسی طور پر غیر مؤثر رہیں۔

ٹرمپ کی تقریر محض قوم پرستانہ بہادری کا مظاہرہ نہیں تھی، یہ ایک یاددہانی تھی کہ طاقتور رہنماؤں کے دور میں، فلسطین اور غزہ کے مصیبت زدہ لوگوں کے لیے انصاف صرف مؤخر نہیں کیا جاتا۔ یہ غیر معینہ مدت کے لیے مسترد کیا جاتا ہے۔

سرکاری افسران، بیوروکریٹس اور پولیس افسران نے آدھا کینیڈا خرید لیا ہے: رؤف کلاسرا

معروف صحافی رؤف کلاسرا پاکستان کی بیوروکریسی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہر وزارت کا پرنسپل اکاونٹنگ آفسر فیڈرل سیکرٹری ہوتا ہے۔ سیکرٹری چھوڑیں اگر ایک سیکشن افسر بھی وزیر اعظم اور وفاقی وزیر کے entertainment allowance کی منظوری نہ دے تو وزیر اعظم اور وزیر سرکاری خزانے سے چائے تک نہیں پی سکتا۔ وہ چاہے تو سب خرچے روک دے کہ یہ جعلی بلز ہیں۔ اس سیکشن آفسر کا مطمئن ہونا ضروری ہے کہ وزیر اعظم کا خرچہ درست ہے۔ یہ قانونی پاورز ہیں بیوروکریسی

کے پاس۔ کسی دن ذرا کینیڈا کا چکر لگا آئیں اور دیکھیں کن کن سرکاری افسران، بیورو کریٹس اور پولیس افسران نے آدھا کینیڈا خرید لیا ہے۔ ایک ڈی آئی جی نے کینیڈا میں بیس لاکھ ڈالرز کا گھر خرید کر بچے شفٹ کیے اور پاکستان لوٹ کر پھر ڈیوٹی جوائن کر لی۔ پرتگال تو اب نیا نیا مارکیٹ میں متعارف ہوا ہے ورنہ دبئی، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، لندن، امریکہ تو بہت پرانے ہو چکے ہیں۔ یہ ذہن میں رکھیں کہ بڑے سے بڑا حکمران یا وزیر اعظم یا وزیر زیادہ سے زیادہ آپ کو او ایس ڈی بنا سکتا ہے جس پر تنخواہ اور دیگر مراعات آپ کو ملتی رہتی ہیں لیکن وہ بیوروکریٹ کی منظوری کے بغیر چائے تک نہیں پی سکتا، کنٹریکٹ اور بڑے بڑے چھکے مارنا تو دور کی بات ہے۔ لہٰذا نہ تو یہ مظلوم ہیں نہ ہی اتنے معصوم ہیں کہ جی وہ بڑی سخت نوکری ہے۔ میں نے ستائیس سال قریب سے دیکھا اور سمجھا ہے کہ یہاں سول ملٹری بیوروکریسی اور سیاستدانوں کے گٹھ جوڑ کے بغیر کرپشن یا لوٹ مار نہیں ہو سکتی۔ چند اچھے افسران ضرور ہیں لیکن آٹے میں نمک جتنے اور انہیں کوئی اعلیٰ عہدے بھی نہیں دیتا۔ ابھی سکیورٹی ایکسچینج کمیشن کے چار ارکان ۴۰ کروڑ لے اڑے اور ان کی منظوری میں سیکرٹری فنانس، سیکرٹری قانون اور سیکرٹری تجارت شامل تھے۔ ان کے بغیر یہ قانون کے نام پر چالیس کروڑ کا ڈاکہ نہیں پڑ سکتا تھا۔ یہ سب ایک ہیں اور نیک بھی ہیں۔"

کچھ ایسے ہی انکشافات گزشتہ ماہ وزیر دفاع خواجہ محمد آصف نے ملک کی بیوروکریسی کے بارے میں کیے تھے۔ اس نے کہا کہ پاکستان کی آدھی سے زیادہ بیوروکریسی پرتگال میں جائیدادیں خرید چکی ہے۔ آدھی سے زیادہ یہ بیوروکریسی شہریت لینے کی تیاری کر رہی ہے، یہ نامی گرامی بیوروکریٹس ہیں، مگرمچھ اربوں روپے کھا کر آرام سے ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے ہیں۔ خواجہ محمد آصف نے الزام عائد کیا کہ بزدار کا قریب ترین بیوروکریٹ بیٹیوں کی شادی پر ۴ ارب روپے صرف سلامی وصول کر چکا، وہ بیوروکریٹ آرام سے ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہا ہے۔ سیاست دان تو بیوروکریسی کا بچا کھچا کھاتے اور جوتیاں مارتے ہیں۔ وفاقی وزیر نے کہا کہ سیاست دانوں کے پاس پلاٹ ہے نہ غیر ملکی شہریت، انہیں الیکشن لڑنا ہوتا ہے، پاک سرزمین کو یہ بیوروکریسی پلید کر رہی ہے۔ جون ۲۰۲۵ء میں خواجہ آصف نے ملک میں رائج 'ہائبرڈ نظام' کے لیے تعریفی کلمات کہے تھے۔ یہ اصطلاح اُس غیر رسمی طاقت کی تقسیم کے بندوبست کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے، جس کے تحت ملک کی فوج موجودہ سول حکومت پر خاصا اثر رکھتی ہے، اور ریاست کے امور چلانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

سوڈان: نماز جمعہ کے دوران الفاشر کی مسجد پر ڈرون حملہ، ۷۵ شہید

خرطوم، سوڈان کی نیم فوجی ریپڈ سپورٹ فورسز (متحدہ عرب امارات کی حمایت یافتہ آر ایس ایف) نے جمعہ کو مغربی شہر الفاشر میں ایک مسجد پر ڈرون حملہ کیا، جس کے نتیجے میں کم از کم ۷۵ افراد شہید ہو گئے۔ امدادی ٹیموں کے مطابق یہ حملہ ایسے وقت میں کیا گیا جب آر ایس ایف دارفور کے وسیع مغربی علاقے میں سوڈانی فوج کے زیر انتظام آخری بڑے شہر پر قبضے کی کوششیں تیز کر رہی تھی۔ یہ حملہ شہر کے الدرجہ محلے میں واقع ایک مسجد پر ہوا۔ اس واقعے پر آر ایس ایف کی جانب سے فوری طور پر کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا۔

الفاشر، جو تقریباً ۱۸ ماہ سے محاصرے میں ہے، دارفور کی ریاست کا دارالحکومت ہے اور سوڈان کی فوج کے کنٹرول میں رہنے والا آخری بڑا شہر بھی ہے۔ سوڈان کی فوج اپریل ۲۰۲۳ء سے آر ایس ایف کے ساتھ جاری تباہ کن جنگ میں مصروف ہے۔ سوڈان میں جاری خانہ جنگی اب تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہے، جس کے دوران ہزاروں افراد جاں بحق اور تقریباً ۱۲ ملین لوگ بے گھر ہو چکے ہیں۔ اس خانہ جنگی نے ملک کو تقسیم کر دیا ہے، جہاں سوڈانی فوج نے شمال، مشرق اور وسطی علاقوں پر کنٹرول حاصل کر رکھا ہے، وہیں ریپڈ سپورٹ فورسز نے جنوب اور دارفور کے بیشتر حصوں پر قبضہ کر لیا ہے۔

الفاشر اور قریبی زمزم نقل مکانی کیمپ جیسی جگہوں کو قحط نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، جہاں RSF نے اندازاً دو لاکھ ساٹھ ہزار شہریوں کو محصور کر رکھا ہے، جن میں ایک لاکھ تیس ہزار بچے بھی شامل ہیں۔ ورلڈ فوڈ پروگرام کے مطابق، کل ۲۴ء۶ ملین افراد، تقریباً نصف آبادی، خوراک کی شدید قلت کا شکار ہے، جب کہ ۶ لاکھ ۳۷ ہزار کو بھوک کی تباہ کن سطح کا سامنا ہے۔ سڑکوں کی بندش اور افسر شاہی کی رکاوٹوں کی وجہ سے اقوام متحدہ اور غیر سرکاری تنظیموں کے امدادی قافلے شاذ و نادر ہی دار فر پہنچتے ہیں۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں اور کارکن دونوں فریقوں پر خوراک کو ہتھیار بنانے کا الزام لگاتے ہیں۔

دریں اثنا، بین الاقوامی کمیٹی برائے ریڈ کراس (آئی سی آر سی) نے کہا کہ ملک کے جنگ سے تباہ شدہ انفراسٹرکچر کی وجہ سے سوڈان کو برسوں میں ہیضے کی بدترین وبا کا سامنا ہے۔ بیا مورگن نے ۲۳ ستمبر کو رپورٹ کیا کہ دارالحکومت کے ایک علاقے میں، ملیریا، ٹائیفائیڈ اور ڈینگی بخار کے پانچ ہزار سے زیادہ کیسز رپورٹ ہوئے، جن میں درجنوں اموات ہوئیں۔

سوڈانی مہاجرین بحیرہ روم میں بھی مر رہے ہیں جب وہ جنگ سے بچنے کے لیے سمندری راستوں سے ہجرت کی کوشش کرتے ہیں۔ بحیرہ روم میں سوڈانی مہاجرین کو لے جانے والے جہاز میں آگ لگنے سے کم از کم ۵۰ جاں بحق ہو گئے تھے۔ اقوام متحدہ کی جاری کردہ رپورٹ میں دونوں فریقین پر الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے جنگ میں عوام کے قتل عام، تشدد، اور جنسی زیادتی سمیت ہر حربے کو بطور ہتھیار استعمال کیا ہے۔

پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں پہیہ جام ہڑتال

پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں تاجروں اور 'جموں کشمیر جوائنٹ عوامی ایکشن کمیٹی' کی کال پر ۲۹ ستمبر کو ایک بار پھر ریاست میں پہیہ جام اور شٹر ڈاؤن ہڑتال کی گئی۔ احتجاج سے نمٹنے کی خاطر حکام نے کشمیر کے مختلف علاقوں میں لینڈ لائن، موبائل، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا جزوی طور پر بند کر دیا جبکہ کشمیر کی حکومت نے وفاق سے اضافی پولیس اور فورسز طلب کیں۔

ہڑتال کی کال دینے والوں کا کہنا ہے کہ خطے میں آٹے اور بجلی کی لگاتار اور رعایتی نرخوں پر فراہمی کے لیے دو سال قبل شروع ہونے والی اس تحریک میں اب کشمیری اشرافیہ کو

حاصل مراعات میں کمی، مخصوص اسمبلی نشستوں کے خاتمے اور مفت تعلیم و صحت کی سہولیات جیسے اضافی مطالبات کو شامل کیا گیا ہے۔

ایکشن کمیٹی کا الزام ہے کہ اس مرتبہ احتجاج اس لیے کیا جا رہا ہے کیونکہ حکومت دو سال قبل طے پانے والے معاہدے پر مکمل عمل درآمد میں بھی ناکام رہی ہے۔

بعض مقامات پر فورسز کی جانب سے فائرنگ کے سبب کئی شہری جاں بحق بھی ہوئے۔ فوج کا پروپیگنڈہ پھیلانے والے وہ سوشل میڈیا اکاونٹس جن پر عموماً مجاہدین، بلوچ مزاحمت کاروں یا فوج کے مخالفین سیاسی کارکنان کے خلاف جھوٹ پھیلایا جاتا تھا، انہی اکاونٹس پر آزاد کشمیر کے حالات پر اور ان مظاہروں کی قیادت کرنے والے رہنماؤں کے خلاف جھوٹی خبریں پھیلائی جاتی رہیں جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ریاستی اداروں کے پاس مسائل کا حل بس یہی ہے کہ حقوق مانگنے والوں اور تنقید کرنے والوں کو شرپسند اور غیر ملکی ایجنسیوں کا ایجنٹ قرار دیا جائے۔

معدنی ذخائر نکالنے کے لیے پاکستان کی "فوجی کمپنیوں" کا امریکی کمپنی سے معاہدہ

امریکہ کے ایک اعلیٰ سطح کے سرمایہ کاری وفد نے وزیر اعظم شہباز شریف سے ملاقات کی ہے۔ اسلام آباد میں پرائم منسٹر آفس سے جاری کیے گئے بیان کے مطابق وفد میں امریکی سٹریٹجک میٹلز اور موٹا اینجیل کمپنی کے نمائندے شامل تھے۔ ملاقات میں ڈپٹی وزیر اعظم اسحاق ڈار اور وفاقی وزراء بھی شریک ہوئے۔ امریکی کمپنیوں نے پاکستان میں مائننگ آپریشنز بڑھانے میں دلچسپی کا اظہار کیا جس پر اُن کو پاکستان کے وسیع معدنی ذخائر پر تفصیلی بریفنگ دی گئی۔ کمپنیوں کے نمائندوں نے تانبے، گولڈ اور ریئر ارتھ ایلیمنٹس کو نکالنے کے شعبے میں سرمایہ کاری کے امکانات پر غور کیا۔ اس دوران پاکستانی فوجی کمپنی فرنٹیئر ورکس آرگنائزیشن (ایف ڈبلیو او) اور یو ایس ایس ایم کے درمیان معاہدہ طے پا گیا جس کے مطابق امریکی کمپنی ۵۰۰ ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کرے گی۔

پاکستان میں جدید پالی میٹلک ریفائنری قائم کرنے کا منصوبہ ظاہر کیا گیا جس کے ابتدائی مرحلے میں تانبے، سونے اور ٹنگسٹن کی برآمد شروع ہوگی۔ فوجی کمپنی این ایل سی اور موٹا اینجیل کے درمیان بھی مفاہمتی یادداشت پر دستخط کیے گئے ہیں۔ موٹا اینجیل نے پاکستان میں لاجسٹکس اور انفراسٹرکچر کے منصوبوں میں دلچسپی ظاہر کی ہے۔

مفاہمت کی یادداشت پر دستخط کی تقریب کے دوران پاکستان آرمی کے سربراہ فیلڈ مارشل عاصم منیر بھی موجود تھا۔ بعد ازاں امریکی وائٹ ہاؤس میں ہونے والی ایک ملاقات کی تصویر بھی انٹرنیٹ پر وائرل رہی اور تنقید کا نشانہ بنی جس میں عاصم منیر کسی سیلز مین کی مانند ٹرمپ کو قیمتی پتھر دکھا رہا ہے۔

فوج کو معدنیات کے حوالے سے پاکستان میں بالخصوص خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں کافی تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ فوج کے ترجمان نے اس پر سیخ پا ہوتے ہوئے ایک دفعہ بیان جاری کیا کہ پشتون یہ معدنیات جہیز میں نہیں لائے اس بیان پر مفتی منیر شاکر کی جانب سے نہایت سخت جواب دیا گیا جس کے فوراً بعد ہی ان پر حملہ ہوا جس میں وہ شہید ہوئے۔ مفتی منیر شاکر فوج کی پالیسیوں کے سخت ناقد تھے مگر جو آخری تبصرہ انہوں نے فوج کے ترجمان کو جواب دیتے ہوئے کیا وہ شاید ریڈ لائن کراس کر گیا تھا۔

بھارت کی جانب سے اسلحے، میزائل، جہازوں ہیلی کاپٹروں سمیت دفاعی سازوسامان کی خریداری میں غیر معمولی اضافہ

بھارت اور برطانیہ نے چار سو ۶۸ ملین ڈالر کے معاہدے پر دستخط کیے ہیں جس کے تحت ہندوستانی فوج کو برطانوی ساختہ میزائل ملیں گے۔

ہندوستان نے مارچ ۲۰۲۵ء میں ہندوستان ایروناٹکس لمیٹڈ (HAL) سے ۳ء۷ بلین ڈالر سے زیادہ مالیت کے مقامی طور پر بنائے گئے ۱۵۶ لائٹ کامبیٹ ہیلی کاپٹرز (LCH)، جسے ''پراچند'' بھی کہا جاتا ہے، کے لیے ایک بڑے معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ معاہدے میں فضائیہ کے لیے ۶۶ اور فوج کے لیے ۹۰ ہیلی کاپٹر شامل ہیں۔ یہ اقدام بھارت کے اپنی فوج کو جدید بنانے اور ملکی دفاعی پیداوار بڑھانے کے بڑے ہدف کا حصہ ہے۔

ہندوستانی حکومت نے ہندوستان ایروناٹکس لمیٹڈ (HIAE.NS) سے مقامی لڑاکا طیارے خریدنے کے لیے سات بلین ڈالر کے ایک معاہدے پر دستخط کیے ہیں۔ تیجس Mk-1A قسم کے ۹۷ ملکی لڑاکا طیاروں کے آرڈر میں مالی سال ۲۰۲۷-۲۸ء سے چھ سال کے عرصے میں ترسیل کی تکمیل ہوگی۔

بھارت نے یو ایس جنرل ایٹمکس سے اکتیس MQ-9B اونچائی پر اڑنے والے والے اور لانگ اینڈیورنس (HALE) ڈرونز کے لیے ایک بڑے معاہدے کو حتمی شکل دی ہے، اور الگ سے ایک مقامی کمپنی، پارس، سے مقامی اینٹی ڈرون سسٹمز کے لیے ۲ء۵ ملین ڈالر کا معاہدہ کیا ہے۔

پاکستان کے وزیر دفاع خواجہ آصف کی جانب سے بھی ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ بھارت کی جانب سے کوئی ایڈونچر خارج از امکان نہیں ہے۔ فوج کے حمایت یافتہ پروپیگنڈہ اکاونٹس سے بھی اس تاثر کو تقویت دی جا رہی ہے کہ بھارت ایک دفعہ پھر پاکستان پر حملے کے منصوبے بنا رہا ہے۔

بھارت کی بارڈر سکیورٹی فورس (بی ایس ایف) نے حال ہی میں وسطی ریاست مدھیہ پردیش میں اپنے تربیتی مرکز میں ''ڈرون وارفیئر اسکول'' کا آغاز کیا ہے، جہاں عملہ اپنے زیرِ تربیت اہلکاروں کو مستقبل کے ''ڈرون کمانڈوز'' قرار دے رہا ہے۔ ڈرون کمانڈوز کو اس انداز میں تربیت دے جا رہی ہے کہ وہ ڈرون کو ہتھیار کی طرح استعمال کرتے ہوئے نگرانی، گشت، دشمن کے ڈرونز کو ناکارہ بنانے اور ضرورت پڑنے پر بم گرانے کے قابل ہوں۔ بھارت جلد ہی ''کولڈ اسٹارٹ'' کے نام سے ملک کی تاریخ کی سب سے بڑی ڈرون جنگی مشقیں شروع کرنے جا رہا ہے، جن میں بحریہ، بری فوج اور فضائیہ شامل ہوں گی۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: سیرت رسول ﷺ کے سائے میں

سو جو کام دشمن نہ کر سکا وہ خود تحریکِ جہاد سے وابستہ کچھ عناصر نے آسان کر دیا۔ آج شام میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس بات کی عملی تفسیر ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ تم سے ہر گز راضی نہ ہوں گے یہاں تک کہ تم ان کے دین کی پیروی کر لو، سو القاعدہ سے بیعت توڑ کر شام کا جہاد بچانے کا دعویٰ کرنے والے امریکی وسطی کمان کے اشاروں پر ناچنے والی کٹھ پتلیوں سے زیادہ کچھ بھی نہیں، پھر بھی اگر کوئی ان کے گُن گاتا ہے تو تعجب کی بات نہیں، آج بھی اس دھرتی پر عبد العزیز آل سعود، جنرل ضیاء الحق، قذافی، جمال عبد الناصر اور پرویز بے شرف کے چاہنے والوں کی کمی نہیں۔]

اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ ہمیں صرف اور صرف اپنی ذات کی خشیت سے نوازے، ہمارے گناہوں اور تجاوزات کو بخش دے، ہمیں ثابت قدمی دے اور کافروں کے خلاف ہماری مدد کرے۔

والحمد لله و صلى الله على محمد و آله وسلم

بقیہ: جنگی سٹریٹیجی کے ۳۳ رہنما اصول

آنے والے صفحات میں، ان شاء اللہ، ان نظریات اور منصوبوں کا جائزہ لیا جائے گا جو مجاہدین کو، مخالفین کے ساتھ تنازع کے دوران، خود پر قابو پانے میں مدد دیتے ہیں، ان کے سامنے ایسے تصورات، چالوں اور فریبوں کو کھولتے ہیں جو انہیں جنگ میں فتح حاصل کرنے میں مدد کریں، ساتھ ہی معرکوں اور جنگوں کی منصوبہ بندی کے دوران، لڑائی کے میدان میں اور جنگ کے بعد، اپنے جذبات کو قابو میں رکھ سکیں۔

بقیہ: القاعدہ کیوں؟

تبیان و بیانِ حق خود ایک مستقل عبادت ہے جیسا کہ براہیمی ملت کا طریقہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہج ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تبدیلی لانے کی قوت نہیں تھی، تب بھی آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے تبیان و بیانِ حق فرمایا اور اعلان فرمایا کہ تبدیلی کی قوت تبھی حاصل ہو گی جب تبیان و بیانِ حق ہو چکا ہو گا۔ پس جو ملتِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت رکھتا ہو تو وہ جان لے کہ اس راہ پر چلنے والوں کو اس راہ کی قیمت بھی چکانی پڑتی ہے۔ حضرتِ سیّدہ سمیّہ رضی اللہ عنہا، ان کے شوہر حضرتِ سیّدنا یاسر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مثالیں نہایت واضح ہیں۔

اللهم اجعلنا هادين مهتدين، غير ضالّين ولا مضلّين، سلماً لأوليائك، وحرباً على أعدائك، نحب من أحبك، ونعادي بعداوتك من خالفك. اللهم هذا الدعاء ومنك الإجابة، اللهم هذا الجهد وعليك التكلان، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، آمين!

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: حربِ ظاہری کا حربۂ باطنی

تاہم اس انقلاب نے دنیا کو یہ دکھایا کہ "سماجی پیراڈائم شفٹ" مذہب کی بنیاد پر بھی آ سکتا ہے۔ مقصد یہاں صرف سماجی پیراڈائم کا نمونہ بیان کرنا ہے ورنہ یہ ایرانی انقلاب در حقیقت کس قدر دجل و مکر پر مبنی ہے اور کس طرح یہ سنی مسلمانوں کے خلاف ایک ہتھیار ہے اور کیسے یہ تحریرِ قدس کی راہ میں خطرناک رکاوٹ ہے اس کو واضح کرنے کے لیے مستقل ایک طویل گفتگو درکار ہے۔

یہ تھا پیراڈائم سے متعلق ایک قدر تفصیلی تعارف۔ پھر پیراڈائم جن بنیادوں پر مبنی ہیں، جو جدید الحادی و دجالی تعلیمی نظام کا اور مغربی تربیتی اداروں کے محور کا درجہ رکھتی ہیں وہ در اصل چند اہم فنون سے وابستہ ہے، ان فنون میں اصل ہمارا سابقہ تین فنون سے ہیں وہی تین فنون فی الواقع مبادیات بھی ہیں کسی بھی پیراڈائم کے لیے:

1. علمیات (علم اور اسباب علم کی بحث) جسے epistemology کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
2. وجودیات (علم الوجود کی بحث) جسے Ontology سے موسوم کیا جاتا ہے۔
3. اخلاقیات (اصول اخلاق کی بحث) جسے ethics/morality کہا جاتا۔

ان شاء اللہ اگلی قسطوں میں ان پر تفصیلی گفتگو عرض کی جائے گی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

بقیہ: اخباری کالموں کا جائزہ

ایک وہ مسلمان جو ماب لنچنگ اور ہندوؤں کے تشدد سے ڈر کر اپنی دینی شناخت چھپاتے پھرتے ہیں، جبکہ دوسرا طبقہ ان مسلمانوں کا ہے جو اپنی دینی شناخت کا برملا اظہار تو کرتا ہے لیکن ساتھ ساتھ اپنے آپ کو ایک "پر امن شہری" ثابت کرنے کے لیے ہندوؤں کے ظلم کے خلاف دبی دبی اور ڈری سہمی سی آواز اٹھاتے رہتے ہیں۔ ان ہی میں ایک طبقی ایسا بھی ہے جو ہندوؤں کی گستاخیوں کا جواز تلاش کر کے اس متعلق جواب نہ دینے کو "دانشمندی اور حکمت" گردانتا ہے۔

بجھی ہے عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اس وقت انڈیا میں مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر زبردستی ان سے "جے شری رام" جیسے ناپاک اور کفریہ کلمات کہلوائے جاتے ہیں اور یہ بہت عام سی بات ہے، جبکہ آئی لو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سننا بھی ان سے برداشت نہیں ہے۔ گائے کا پیشاب پینے والی ملیچھ قوم کی ایسی جرات کیسے ہو گئی کہ امت محمدیہ ﷺ کو سر عام ذلیل کر رہی ہے اور وہاں کے مسلمان، راہنما اور علماء یہ سب کچھ برداشت کر رہے ہیں اور کوئی عملی اقدام کوئی لائحہ عمل نہیں بنا رہے؟ یہاں تو عام مسلمانوں کی عزت پامال ہونا روز کا معمول ہے لیکن بات اب نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی ہے جس پر جان قربان کرنا بھی عظیم فریضہ ہے!

صلى الله على محمد صلى الله عليه وسلم

طوفان الأقصیٰ

ابودرداء معوّذ

اے رشکِ خُتَن، خاکِ غزہ، غازۂ غازی
اے آلِ غزہ شارحِ ابوابِ مَغازی
صہیون کا سر درد تری رَزم طرازی
مجھ کو سبق آموز ترا عزمِ حجازی

تو جبر کی راتوں میں شہادت کی شفَق ہے
تو ملتِ مرحوم کی سانسوں کی رمَق ہے

اک ہیبتِ صاروخ ہے طاغوت کی صف میں
اک عبرتِ تاریخ ہے تابوت کی صف میں
داودؑ کی اولاد ہے جالوت کی صف میں
تم وارثِ داودؑ ہو ملکوت کی صف میں

حُرّیّتِ انسان کا پیمان بنو گے
تم فلسفۂ جنگ کا عنوان بنو گے

معصوموں پہ بمباری میں سفاک ہے دشمن
قسّام مقابل ہو تو پھر خاک ہے دشمن
میدان میں پسپائی سے غمناک ہے دشمن
پسپائے زمیں وحشیِ افلاک ہے دشمن

یہ فوج یہ ہتھیار نہتّوں کے لیے ہیں
کم ظرف کے سب وار نہتّوں کے لیے ہیں

بارود سے آلودہ فضا اور غزہ ہے
ہیں امن کے کچھ جھوٹے خدا اور غزہ ہے
اک حشر ہے ہر سمت بپا اور غزہ ہے
اک قوم ہے راضی برضا اور غزہ ہے

یاسرؓ کی ہیں تصویر سمیہؓ کا نشاں ہیں
یہ لوگ مِری عظمتِ رفتہ کا نشاں ہیں

اے رشتۂ معبود و بشر جوڑنے والو
اے خندہ بہ لب جان و جہاں چھوڑنے والو
اے قوّتِ انساں کا نشہ توڑنے والو
اے ظلم کے سیلاب کا رخ موڑنے والو

شکوے سے کوئی قوم ہے خالی تو وہ تم ہو
رکھتا ہے کوئی صبرِ بلالیؓ تو وہ تم ہو

مسلمانوں کی حالتِ زار

بس آج کے مسلمان کا کام یہی رہ گیا ہے کہ وہ کافروں کے سامنے بکری بنا رہے، ان کے ہاتھوں ذبح ہوتا رہے، کوئی اس کی گردن پر چھری رکھ دے تو یہ چپکا پڑا رہے، ہلنے کا نام نہ لے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ چھری چلاتے ہوئے کافر کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچے۔ ملعون انگریز نے آج کے مسلمان کا ذہن ایسا مسخ کر دیا ہے کہ یہ اسلحہ کے نام سے ڈرتا ہے، اس سے دور بھاگتا ہے، کہتا ہے اسلحہ اٹھانا شریفوں کا کام نہیں، یہ تو دہشت گردوں اور بے دینوں کا کام ہے۔ افسوس کہ جو کام دین کی ترقی کا ذریعہ تھا، جس کی برکت سے دین پوری دنیا پر غالب آیا، آج کل مسلمانوں کی نظر میں وہ بے دینی کی علامت بن گیا ہے۔

فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ

(وعظ: عیسائیت پسند مسلمان)